وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

اور جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انھیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔
(القرآن الکریم)

شامِ کربلا

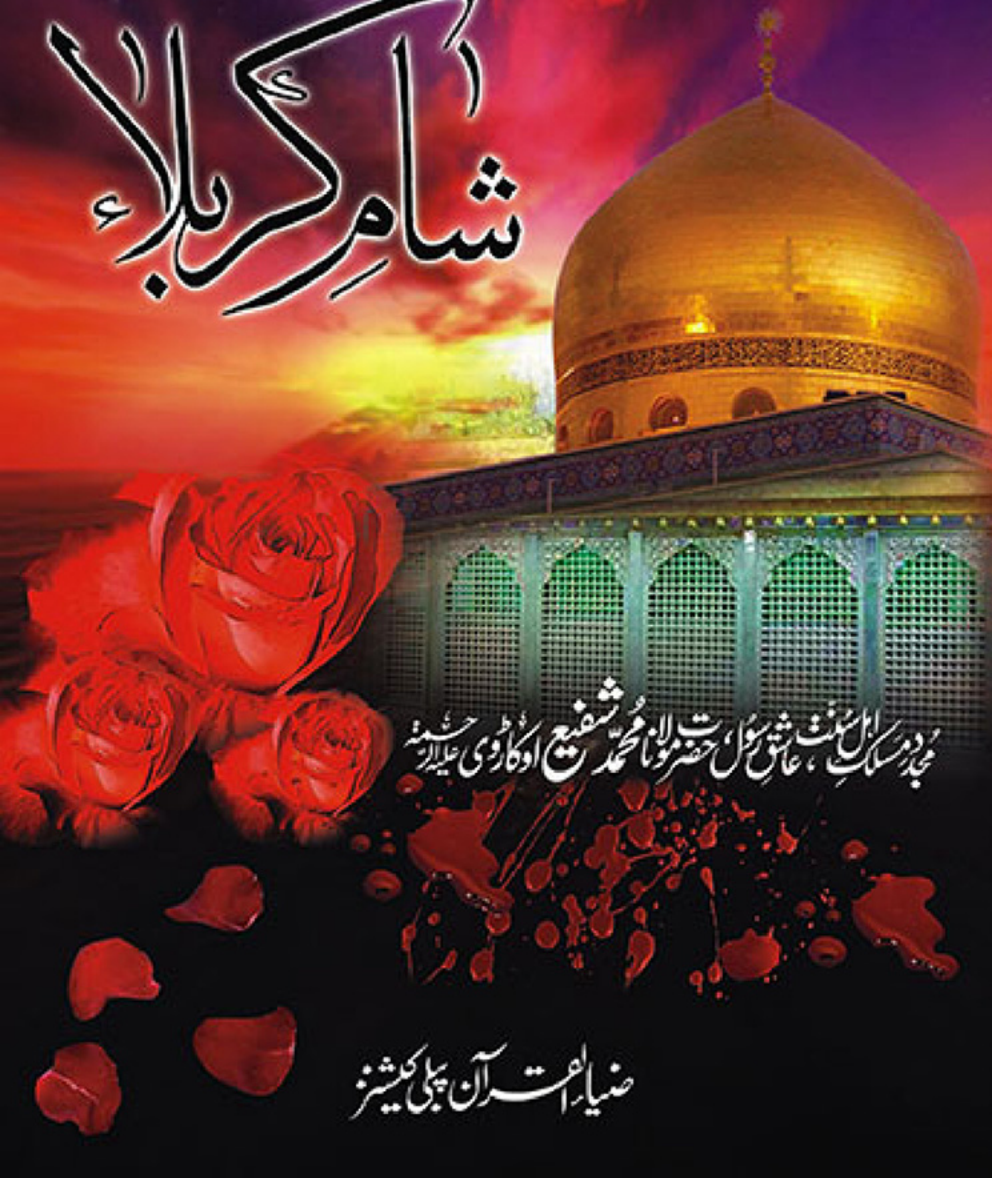

مجددِ مسلکِ اہلِ سنت، عاشقِ رسول، حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

اور جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں اُنھیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وُہ زِندہ ہیں، لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔
(القرآن الحکیم)

شامِ کربلا

مُجدّدِ مسلکِ اہلِ سُنّت، عاشقِ رسُول، حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ

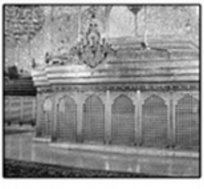

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پیش لفظ

شام کربلا، جورو جفا اور ظلم و استبداد کے ان کرب ناک واقعات کی رُوداد ہے جو رسوائے زمانہ، ننگ خلائق یزید پلید اور اس کے اعوان و انصار کے سبب سے خانوادۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس و مطہر افراد کو پیش آئے۔ ان واقعات کو میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت خطیب اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں سند اور صحت کے ساتھ جمع کیا ہے۔

نبی آخر الزمان، رحمت دو جہان، شفیع عاصیان، سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرمائے ابھی پچاس برس ہی گزرے تھے کہ ۶۱ ہجری میں عراق کے شہر کوفہ سے کچھ فاصلہ پر کربلا کے مقام پر لشکر یزید نے فرزند رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو مسافرت کی حالت میں ان کے اہل اور رفقاء سمیت تیغِ جفا سے شہید کر دیا۔ تاریخ اسلام میں یہ دوسری بڑی مظلومانہ شہادت تھی۔ اس سے قبل مسلمان کہلانے والوں نے ہی شہر رسول میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین ذی النورین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قریباً دو ماہ سے زائد عرصہ محصور رکھنے کے بعد شہید کر دیا تھا۔ اس کے بعد امیر المومنین امام المتقین خلیفہ رابع سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کرنے والا بھی مومن ہونے کا مدعی تھا۔ خلافت راشدہ کا تیس سالہ خلافت علی منہاج النبوت کا دور حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر ختم ہو چکا تھا۔ ملوکیت کی ابتداء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر گئے۔ یزید پلید کی امارت پر حجاز اور عراق کے مسلمان راضی نہیں تھے۔ ان کے نزدیک امامت و امارت کے منصب کے اہل فرزند رسول تھے کہ وہ تقویٰ و طہارت، علم و فضل، اخلاق و سیرت اور اس کے علاوہ نسب و مرتبت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ فاسق و فاجر یزید پلید نے جاہ و مال کے خمار میں اصول دین سے انحراف کیا۔ حدود اللہ کو معطل کیا اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے فرزند رسول کے قتل سے بھی باز نہ آیا۔

امام عالی مقام سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کو اس کی اصل پر باقی رکھنے کے لیے عزیمت و استقامت کا موقف اختیار کیا اور اپنے منصب اور مرتبہ ومقام کے لحاظ سے راست اقدام کرتے ہوئے اسی کردار کا مظاہرہ کیا جو ان کے شایان تھا۔ مؤرخین نے امام پاک کی عظمت و مرتبت اور سیرت و سیادت میں کوئی اختلاف نہیں کیا البتہ بہت بعد کے چند متعصب خارجی اور ناصبی اہل قلم نے واقعہ کربلا کو اپنے طور پر مسخ کر کے پیش کرنے کی جسارت کی، انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام پاک پر خلافِ واقعہ باتوں کے شدید بہتان لگائے اور ان کے بارے میں قابل مذمت انداز اختیار کیا جس سے ان کا مقصد جہاں اہل بیت سے اہل ایمان کی محبت کو ختم کرنا تھا وہاں یقیناً امت میں فتنہ و فساد برپا کرنا بھی تھا۔ ایسے لوگوں کی سرکوبی علمائے حق کا شیوہ وشعار رہی ہے۔ ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر برسوں کی تحقیق کی اور دو وقیع اور مبسوط کتابیں تصنیف کیں۔ (۱) امام پاک اور یزید پلید (۲) شام کربلا۔ پہلی کتاب میں امام پاک کے کردار کو قرآن و حدیث اور تاریخ وسیَر سے ہم آئینہ کرتے ہوئے ان کے موقف کو واضح کیا اور حقائق پیش کرتے ہوئے اعتراضات کے جواب دیئے۔ دوسری کتاب میں حقائق پر مشتمل صحیح واقعات کی تفصیل لکھی۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ دونوں کتابیں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئیں اور خواص وعوام میں مقبول اور شکوک وشبہات دور کرنے میں مفید و نافع ثابت ہوئیں۔

واقعہ کربلا حق و باطل کا معرکہ تھا۔ امام پاک نے دینِ اسلام کا تحفظ کیا۔ دین اپنی اصل میں موجود ہے، یہ ان کی بے مثال قربانی کا ثمر ہے۔ امام پاک کا احسان ماننے اور ان کی بے مثال قربانی کی قدر کرنے کی بجائے آج کچھ بے وقعت لوگ بے لگام ہو کر زبان درازی کر رہے ہیں۔ کیسا ستم ہے، جب کہ اس یزید کا نام داخل دشنام ہو چکا، کچھ تیرہ بخت اپنی سیاہیوں میں اضافہ کرنے میں مشغول ہیں اور اس یزید پلید کو (معاذ اللہ) امیر المومنین، امام عادل اور خلیفۂ راشد کے خطابات سے یاد کر کے خدا اور رسول کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا ایک نمائندہ ابّا جان کی ایک مجلس میں آیا اور لاف زنی کرنے لگا۔ ابا جان نے اس کے مَبلَغِ علم کا اندازہ اس کی گفتگو سے فوراً کر لیا۔ فرمایا دلائل و براہین اپنی

جگہ، آؤ فیصلہ کرلیں۔ تم بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ، میں بھی اٹھاتا ہوں۔ میری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا حشر امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بلکہ ان کے محب و غلام افراد میں کرے۔ تم اپنے لیے دُعا کر کے اپنا حشر یزید اور اس کے حامیوں کے ساتھ مانگو۔ اگر تمہیں یزید کی صداقت پر اتنا یقین و اصرار ہے تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ۔ ہزاروں آنکھیں اور کان یہ منظر دیکھ اور سن رہے تھے۔ وہ شخص ہجوم میں سے ایک طرف نکل گیا اور ہرگز اس دعا کے لیے آمادہ نہ ہوا۔

ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے علوم و معارف اور فیضان نبوی سے بہت نوازا تھا، ان کے بعد یہ فقیر تو اس سلسلے میں حامیانِ یزید کو دعوت مباہلہ دے چکا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنی دعوت پر ثابت و قائم ہے مگر کوئی قابل مقابل نہیں ہوا۔ دریں اثناء بارگاہ امام پاک سے اس عاجز و ناکارہ کو خواب میں اذنِ باریابی کی نوید ملی اور پھر کچھ ہی دنوں بعد حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ کربلا میں ضریح مقدس کو تھامے، عقیدت و محبت کے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہہ نکلا۔ اک ہوک اٹھی۔ عرض کی، اے امام پاک! کاش مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوتی کہ میں واقعہ کربلا کے موقع پر اپنی جان آپ پر قربان کرتا۔ محویت اور رقت کے اس عالم میں کسی نادیدہ نے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا کوئی تمنا کرو۔ بے ساختہ میرے لبوں پر جاری ہوا، میرے معبود مجھے دنیا و آخرت میں حسینی رکھنا۔ یہ بھی کرم تھا کہ میں یہ خواہش کرسکا۔ شام کربلا پڑھیے، جب آپ پر بھی خانوادۂ رسول کی محبت کے سبب رقت طاری ہو، تو اسے کوئی مہربان ساعت جانیے اور کچھ ایسی ہی دعا کر لیجیے اور یہ بھی کہ ربِّ مصطفیٰ جلّ وعُلا میرے ابا جان کی یہ خدمت قبول فرمائے۔

کوکبِ نورانی راا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) شفیع

۱۹۸۷ء (اوکاڑوی غفرلہ)

اب تک یہ کتاب قلمی خطاطی میں طبع ہوتی رہی۔ زیر نظر جدید طباعت کمپیوٹر سے کمپوزنگ کے ساتھ پیش کی جارہی ہے۔ احادیث کے حوالوں میں صفحات نمبر کی بجائے حدیث نمبر درج کر دیا گیا ہے۔ کسی حوالے کے اندراج میں فی الواقع کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو قارئین ضرور نشان دہی فرمادیں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔ (کوکب غفرلہ، ۲۰۱۳ء)

قارئین کے شدید تقاضے پر اس تازہ طباعت میں فارسی اشعار کا ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے اور املا کی اغلاط کی تصحیح بھی کردی گئی ہے، بایں ہمہ ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں، شکریہ۔ (کوکب غفرلہ، ۲۰۲۲ء)

مجدّدِ مسلکِ اہلِ سنت خطیبِ اعظم پاکستان

نام

(مولانا حافظ) محمد شفیع اوکاڑوی

ولدیت

حاجی شیخ کرم الٰہی مرحوم و مغفور، جو پنجاب کی معزز شیخ تاجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

سن ولادت

۲ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ، کھیم کرن، مشرقی پنجاب (بھارت)

تعلیم

اسکول میں مڈل تک اور دینی تعلیم، درس نظامی مکمل و دورۂ حدیث وتفسیر

بیعت وارادات

شیخ المشائخ حضرت پیر میاں غلام اللہ صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ المعروف حضرت ثانی صاحب قبلہ برادر خورد شیر ربانی اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری علیہ الرحمۃ (سلسلہ عالیہ نقش بندیہ مجددیہ)

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری علیہ الرحمۃ نے حاجی شیخ کرم الٰہی کو مولانا اوکاڑوی کی ولادت اور ان کے فضل و کمال کی بشارت پہلے ہی سے دے دی تھی۔

آپ کے والدین نے بھی آپ کی ولادت سے قبل مبارک خواب دیکھے اور بیان کیے۔

حالات وخدمات

اپنے پیر و مرشد حضرت ثانی صاحب شرق پوری اور علمائے اہل سنت کے ساتھ علمی طلب کے ابتدائی زمانے میں تحریک پاکستان میں بھر پور حصہ لیا اور تقسیم ہند تک سرگرم عمل رہے۔

☆ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے اوکاڑا آ گئے اور جامعہ حنفیہ اشرف المدارس قائم کیا۔ جس کے بانیان اور سرپرستوں میں سے تھے۔

☆ دارالعلوم اشرف المدارس، اوکاڑا کے شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا غلام علی صاحب اشرفی اوکاڑوی اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوارالعلوم، ملتان کے شیخ الحدیث والتفسیر غزالی دوراں حضرت علامہ مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی سے تمام متداول دینی علوم پڑھے اور درس نظامی کی تکمیل پر اسناد حاصل کیں۔

☆ جامع مسجد مہاجرین منٹگمری (ساہی وال) میں نماز جمعہ کی خطابت شروع کی۔ اس دوران برلا ہائی اسکول اوکاڑا میں دینیات کے معلم اور شعبہ دینیات کے منتظم رہے۔

☆ ۵۳۔ ۱۹۵۲ء میں تحریک تحفظ عقیدہ ختم نبوت میں محض، سید عالم ختمی مرتبت حضور ﷺ کی عزت و ناموس کے لیے بھرپور حصہ لیا۔ ضلع منٹگمری (ساہی وال) اور پنجاب کی سرکردہ شخصیت تھے، حکومت نے قید کر دیا۔ دس ماہ منٹگمری جیل میں رہے۔ اسیری کے ان ایام میں حضرت مولانا کے دو فرزند، منیر احمد اور تنویر احمد جن کی عمر بالترتیب تین سال اور سَوا سال تھی، انتقال کر گئے۔ یہ دونوں مولانا کے پہلے فرزند تھے۔ ان کی وفات کے سبب گھریلو حالات پریشان کن تھے۔ کچھ با اثر لوگوں نے ڈپٹی کمشنر ساہی وال سے مل کر سفارش کی۔ ڈپٹی کمشنر نے جیل کا دورہ کیا۔ گرفتار شدگان سے ملاقات کی اور مولانا اوکاڑوی کو بالخصوص الگ بلا کر کہا کہ: ”بچوں کی وفات کی وجہ سے آپ کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ میرے پاس آپ کے لیے بہت سی سفارشیں ہیں۔ آپ معافی نامے پر دستخط کر دیں۔ آپ کا معافی نامہ عوام سے پوشیدہ رکھا جائے گا اور آج ہی آپ کو رہا کر دیا جائے گا“۔ مولانا نے جواباً کہا کہ: ”میں نے عزت و ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے کام کیا ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ لہٰذا معافی مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بچے اللہ کو پیارے ہو گئے، میری جان بھی چلی جائے تب بھی اپنے عقیدے پر قائم رہوں گا اور معافی نہیں مانگوں گا“۔ اس جواب پر حکومت برہم ہوئی اور مزید سختی کی گئی۔ دفعہ ۳ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور ملاقات وغیرہ پر بھی سختی سے پابندی لگا دی گئی۔

مولانا نے آخر وقت تک صبر و استقلال سے تمام صعوبتیں برداشت کیں۔
☆ اوکاڑا میں قیام کے دوران دینی و مذہبی اور ملی سماجی امور میں ہمیشہ نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔
☆ ۱۹۵۵ء میں کراچی کے مذہبی حلقوں کے شدید اصرار پر کراچی آئے۔ کراچی کی سب سے بڑی مرکزی میمن مسجد (بولٹن مارکیٹ) کے خطیب و امام مقرر ہوئے اور ہمہ جاں، تادم آخر شب و روز دین و مسلک کی تبلیغ میں مصروف رہے۔
☆ میمن مسجد کی امامت و خطابت کے بعد تقریباً تین برس جامع مسجد عید گاہ میدان (ایم اے جناح روڈ) اور سوا دو سال جامع مسجد آرام باغ اور بارہ برس نور مسجد نزد جوبلی سنیما میں بلا معاوضہ خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور نماز جمعہ پڑھاتے رہے۔ ہر مقام پر زبردست اجتماع ہوتا۔ ان تمام مساجد میں بالترتیب تفسیر قرآن کا درس دیتے رہے اور تقریباً ۲۸ برس میں قرآنی نو پاروں کی تفسیر بیان کی۔
☆ اس دوران ۱۹۶۴ء میں پی ای سی ایچ سوسائٹی میں مسجد غوثیہ ٹرسٹ سے ملحق (جس کے آپ بانی اور چیئرمین بھی تھے)۔ ایک دینی درس گاہ قائم کی جس کا نام دارالعلوم حنفیہ غوثیہ ہے۔ الحمدللہ وہاں سے متعدد طلبہ علوم دینیہ حاصل کر کے چہار سمت تبلیغ دین و مسلک کر رہے ہیں۔
☆ ۱۹۷۲ء میں ڈولی کھاتہ، گلستان شفیع اوکاڑوی (سولجر بازار) کراچی میں ایک قطعہ زمین پر جو گزشتہ سو برس سے مسجد کے لیے وقف تھا، مولانا نے تعمیر مسجد کی بنیاد رکھی اور بلا معاوضہ خطابت شروع کی۔ ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ جس کا نام گلزار حبیب ﷺ ٹرسٹ رکھا۔ مولانا اس کے بانی و سربراہ تھے۔ اس ٹرسٹ کے زیر اہتمام جامع مسجد گلزار حبیب اور جامعہ اسلامیہ گلزار حبیب زیر تعمیر ہے۔ اسی مسجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے۔
☆ مسلسل چالیس برس تک ہر شب مولانا محترم مذہبی تقاریر فرماتے رہے ہیں۔ مولانا کی علمی استعداد، حسن بیان، خوش الحانی اور شان خطابت نہایت منفرد اور ہر دل عزیز تھی۔ ہر تقریر میں ہزاروں، لاکھوں افراد کے اجتماعات ہوتے تھے۔ ماہ محرم کی شب عاشور میں ملک کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع مولانا کے خطاب کی مجلس کا ہوتا تھا۔ پاکستان کا کوئی علاقہ شاید ہی ایسا ہو

جہاں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی خطابت سے قلب وجاں کو آسودہ نہ کیا ہو۔

☆ دین ومسلک کی تبلیغ کے لیے مولانا نے شرق اوسط، خلیج کی ریاستوں، بھارت، فلسطین، جنوبی افریقہ، ماری شس اور دوسرے کئی غیر ملکی دورے کیے۔ صرف جنوبی افریقا میں ۱۹۸۰ء تک مولانا کی تقاریر کے ساٹھ ہزار کے سٹس فروخت ہو چکے تھے۔ دوسرے ممالک میں فروخت ہونے والی کے سٹس کی تعداد بھی کم نہیں اور اب مولانا کی تقاریر کی ویڈیو کے سٹس بھی پھیل رہی ہیں۔

☆ مولانا اوکاڑوی کی عالمانہ تحقیق، فقہی بصیرت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مبنی متعدد تصانیف ہیں جو مذہبی حلقوں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ہر کتاب ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر نہایت مقبول ہوئی۔ ان کے نام یہ ہیں: ذکر جمیل، ذکر حسین (دو حصے) راہ حق، درس توحید، شام کربلا، راہ عقیدت، امام پاک اور یزید پلید، برکات میلاد شریف، ثواب العبادات، نماز مترجم، سفینہ نوح (دو حصے) مسلمان خاتون، انوار رسالت، مسئلہ طلاقِ ثلاثہ، نغمہ حبیب، مسئلہ سیاہ خضاب، انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، اخلاق و اعمال (نثری تقاریر) تعارف علمائے دیوبند، میلاد شفیع، جہاد وقتال، آئینہ حقیقت، نجوم الہدایت، مسئلہ بیس تراویح، مقالات اوکاڑوی اور متعدد فتووں پر مشتمل رسائل وغیرہ۔

☆۱۶ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں کراچی کے علاقہ کھڈا مارکیٹ (لیاری) میں ایک سازش کے تحت اختلاف عقائد کی بنا پر کچھ لوگوں نے محض تعصب کا شکار ہو کر دوران تقریر مولانا اوکاڑوی پر چھریوں اور چاقوؤں سے شدید قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ کی گردن، کندھے، سر اور پشت پر پانچ بہت گہرے زخم آئے۔ کراچی کے سول ہسپتال میں دو دن کے بعد پولیس آفیسر کو اپنا بیان دیتے ہوئے مولانا نے کہا ''مجھے کسی سے کوئی ذاتی عناد نہیں۔ نہ میں مجرم ہوں۔ اگر میرا کوئی جرم ہے تو صرف یہ کہ میں دین اسلام کی تبلیغ کرتا ہوں اور سید عالم محسن انسانیت حضور رحمت دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وثنا کرتا ہوں۔ میں کسی سے بدلہ لینا نہیں چاہتا اور نہ میں حملہ آوروں کے خلاف کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خون ناحق بہایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور میری نجات کا ذریعہ بنائے، میں حملہ آوروں کو معاف کرتا ہوں۔ باقی آپ لوگ

بقائے امن کے لیے جو مناسب ہو، وہ کریں تا کہ ایسی کارروائیاں آئندہ نہ ہوں‘‘۔مولانا نے اس مقدمے کے لیے کوئی وکیل نہیں کیا نہ کسی مقدمے کی پیروی کی،صرف ایک گواہ کی حیثیت سے اپنا بیان دیا۔مولانا کا اس حملہ سے جاں بر ہونا محض ایک کرشمہ تھا۔انگریزی روزنامہ ڈیلی نیوز کراچی کا پہلا شمارہ ۱۷/اکتوبر ۱۹۶۲ء کو جاری ہوا۔جس کی بڑی سرخی مولانا پر قاتلانہ حملہ سے متعلق تھی۔مولانا ڈھائی مہینے ہسپتال میں زیر علاج رہے اور ہسپتال سے فارغ ہوتے ہی پھر تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔اس قاتلانہ حملہ کے خلاف ملک بھر میں شدید احتجاج ہوا۔

☆ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے موقع پر آپ نے پورے ملک میں جوش و جذبۂ جہاد کے لیے ملت کی رہ نمائی کی۔قومی دفاعی فنڈ میں ہزاروں روپے دیے اور اپنی تقاریر کے اجتماعات میں لاکھوں روپے کا سامان جو لباس اور اشیائے خوردونوش پر مشتمل تھا،جمع کیا اور ہزاروں روپے نقدی سمیت علمائے کرام کے ایک وفد کے ساتھ آزاد کشمیر گئے اور مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مہاجرین کے کیمپوں وغیرہ میں بدست خود سامان تقسیم کیا۔

☆ آزاد کشمیر کے بائیس مقامات اور سیالکوٹ،چھمب جوڑیاں،لاہور،واہگہ اور کھیم کرن کے متعدد محاذوں پر جا کر مجاہدین میں جہاد کی اہمیت اور مجاہد کی عظمت وشان اور فی سبیل اللہ جہاد کے موضوع پر وَل وَلہ انگیز تقاریر کیں۔

☆ حضرت مولانا اوکاڑوی نے ۱۹۵۶ء میں مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان قائم کی، حضرت مولانا اس جماعت کے بانی اور امیر اوّل تھے۔

☆ ۱۹۷۰ء میں قومی اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے کراچی کے سب سے بڑے حلقے سے مولانا نے انتخاب میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

☆ قیام پاکستان سے تادم آخر مولانا ایک مخلص اور محب وطن پاکستانی اور سچے پکے مسلمان ہونے کا بھرپور مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ان کی شخصیت ملک بھر میں بالخصوص اور دنیا بھر میں بالعموم محبوب و محترم اور مقبول و ممتاز رہی۔

☆ حضرت مولانا محترم،تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قافلہ سالار تھے۔آج اس تحریک کو

جو مرتبہ ومقام حاصل ہے، اس میں ان کی خدمات اور مساعی جمیلہ بنیادی اہمیت وحیثیت رکھتی ہیں۔

☆ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے معزّز رکن نامزد ہوئے اور قوانین اسلامی کے ترتیب وتشکیل اور تنفیذ کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ علاوہ ازیں وزارت امور مذہبی کی قائمہ کمیٹیوں کے رکن رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل مرکزی محکمہ اوقاف پاکستان کے نگران اعلیٰ اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے رکن مقرر ہوئے۔

☆ حضرت مولانا (حکومت پاکستان کی قائم کردہ) قومی سیرت کمیٹی کے بنیادی رکن رہے۔

☆ اتحاد بین المسلمین کے لیے ملک بھر میں نمایاں خدمات انجام دیں، قومی دفاعی فنڈ، افغان مجاہدین، فلسطین کے متاثرین، سیلاب زدگان اور ہر ناگہانی سانحے سے متاثر ہونے والے افراد کی امداد میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

☆ سولہ مرتبہ سفر حج وزیارت اور عمرہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

☆ ۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ عارضہ قلب کی شکایت ہوئی مگر تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ کچھ زیادہ جذبہ وجوش سے شب وروز چہار سمت میں صدائے حق بلند کرتے رہے۔

☆ حضرت مولانا نے کراچی شہر میں اہل سنت وجماعت کی طرف سے دس روزہ مجالس محرم اور جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلوس وجلسہ کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا۔

☆ تین ہزار سے زائد افراد مولانا مرحوم کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور لاکھوں افراد کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی۔

☆ حضرت مولانا مرحوم کو طریقت کے تمام سلاسل میں متعدد مشائخ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کے مریدین ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں موجود ہیں۔

☆ حضرت مولانا قبلہ نے ۱۹۷۶ء میں جنوبی افریقا میں انجمن اہل سنت وجماعت قائم کی۔

☆ پاکستان میں سنی تبلیغی مشن، انجمن محبان صحابہ واہل بیت، تنظیم ائمہ وخطبا مساجد اہلسنت اور متعدد ادارے قائم کیے۔

☆ چالیس برس میں حضرت خطیب پاکستان نے اٹھارہ ہزار سے زائد بڑے اجتماعات

سے سیکڑوں موضوعات پر خطاب کیا جو اب تک ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

☆ ۱۹۷۵ء میں دوران سفر، دوسری مرتبہ دل کا دورہ پڑا، اسی حالت میں کراچی آئے اور تقریباً چھ ہفتے ہسپتال میں زیر علاج رہے۔

☆ ۱۹۸۳ء میں آخری بیرون ملک سفر، بھارت کے لیے کیا۔ اپنے دورے میں ممبئی، اجمیر، دہلی اور بریلی شریف گئے۔

☆ مارچ ۱۹۸۴ء میں شرق پور شریف گئے اور اپنے پیر و مرشد کی درگاہ پر حاضری دی جو وہاں ان کی آخری حاضری ثابت ہوئی۔

☆ ۲۰ اپریل ۱۹۸۴ء کو آخری خطاب مسجد گل زار حبیب میں نماز جمعہ کے اجتماع سے کیا۔ اسی شب تیسری بار دل کا شدید دورہ پڑا اور قومی ادارہ برائے امرض قلب میں داخل ہوئے۔ تین دن بعد سہ شنبہ، ۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۴ء بمطابق ۲۴، اپریل ۱۹۸۴ء کی صبح ۵۵ برس کی عمر میں اذان فجر کے بعد با آواز بلند درود و سلام پڑھتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

☆ ۲۵ اپریل کو نشتر پارک، کراچی میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کی امامت میں ظہر کی نماز کے بعد لاکھوں افراد نے حضرت خطیب اعظم پاکستان کی نماز جنازہ ادا کی۔ اور پیارے کملی والے تاج دار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عاشق صادق کو کمال محبت و احترام سے رخصت کیا۔

اسی سہ پہر حضرت مولانا مرحوم مسجد گل زار حبیب کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

"رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دائماً ابداً"

(۱۴۰۴ ہجری)

حضرت مولانا قبلہ علیہ الرحمۃ کی دینی، مسلکی، علمی اور ملّی خدمات کو جاری رکھنے اور پھیلانے کے لیے ۲۷/اپریل ۱۹۸۴ء کو مولانا اوکاڑوی اکادمی (العالمی) قائم کی گئی۔

فہرست

شہادت	21
شہادت کی قسمیں	22
شہید کا معنی	23
آپ شہید اعظم ہیں	23
آپ کو زہر دیا گیا	24
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو پھول	25
مظہرِ جمال وکمال	26
امام کی شہادت کا اعلان	27
خاک کربلا	27
حاضرینِ کربلا مدد کریں	29
حضرت علی کی نِدا، صبر کرنا	30
شہیدانِ کربلا بلاحساب جنت میں جائیں گے	31
امتحان وآزمائش	31
اہل اللہ اہل عشق ہیں	33
اسبابِ شہادت	35
حکم یزید	36
امام کا یزید کی بیعت سے انکار	37
مروان کا مشورۂ قتل	37
محمد بن حنفیہ کا مشورہ	39
ایک شبہ اور جواب	40
عقل وعشق	41
مدینہ منورہ سے رحلت	42
ابن مطیع سے ملاقات	43
مکہ مکرمہ آمد	44
اہل کوفہ کے خطوط اور وفود	44
شیعانِ علی وحسین	46
امام عالی مقام کا خط	47
امام کا فیصلہ	48
حضرت مسلم کوفہ میں	49
یزید کو حالات کی اطلاع	49
ابن زیاد کا تقرر اور امام کے قتل کا حکم	50
قاصد امام کا قتل	51
ابن زیاد کا کوفہ آنا	51
ابن زیاد کی تقریر	52
امام مسلم ہانی بن عروہ کے گھر میں	53
شریک بن اعور	53
تلاش مسلم اور کردارِ جاسوس	55
ہانی اور ابن زیاد	56
ہانی زخمی ہو گئے	58
ہانی کے قتل کی افواہ	58
امام مسلم اور قصرِ امارت کا محاصرہ	59
ابن زیاد کی تدبیر	60
اہل کوفہ کی بے وفائی	61

امام مسلم سخت پریشانی میں 63
امام مسلم ،طوعہ نامی عورت کے گھر 63
شہر کی ناکہ بندی 64
ابنِ طوعہ کی مخبری 64
امام مسلم کا مقابلہ 64
امام مسلم قصرِ امارت کے دروازہ پر 67
ٹھنڈے پانی کی طلب 68
امام مسلم قصرِ امارت میں 68
حضرت مسلم اور ابن زیاد 69
حضرت مسلم کی شہادت 70
ہانی کی شہادت 71
فرزندانِ مسلم کی تلاش 71
فرزندانِ مسلم جیل میں 73
داروغہ جیل کی ہمدردی 73
حارث کے گھر میں 74
داروغہ جیل کا قتل 76
حارث اور مال دنیا 76
فرزند مسلم کا خواب 76
حارث کا ظلم 78
حارث کا گھر برباد 79
بچوں کی شہادت 79
حارث کا انجام 81
روانگیٔ امام عالی مقام 82
صحابہ کے مشورے 83
امام پاک کا عزم مستحکم 84
فرزدق شاعر سے ملاقات 87
حضرت محمد وعون کا خط لے کر آنا 87
عبداللہ بن جعفر حاکم مکہ کے پاس 87
حاکم مکہ کی امان 88
امام پاک کا خواب اور حکم رسول 88
حاکم مکہ کو امام پاک کا جواب 89
درسِ عبرت 90
حضرت قیس کی شہادت 91
ابن مطیع سے ملاقات 91
زہیر بن قین البجلی 92
شہادتِ مسلم کی خبر 94
امام پاک کی تقریر 94
ایک شخص کا روکنا اور امام کا جواب 95
امام کی دوسری تقریر 95
امام کی تیسری تقریر 97
امام کی چوتھی تقریر 99
درسِ عبرت 101
چار سوار 101
قاصد قتل کر دیا گیا 103
طرماح کا مشورہ 103
امام پاک کا خواب 104
حضرت زین العابدین کا کلمۂ حق 105
ابن زیاد کا خط 106

سرزمین کربلا 107
خونی زمین 108
عمرو بن سعد 109
رَے کی حکومت 109
درسِ عبرت 111
حرص وطمع کی برائی 111
امام کے محب ہی مقابلے میں آ گئے 112
ابن سعد کا پیغام 113
پانی بند کرنے کا حکم 114
امام پاک کی کرامت 115
امام اور ابن سعد کے درمیان گفتگو
تین شرطیں 115
ابن سعد کا خط ابن زیاد کے نام 117
ابن زیاد کو شمر کا مشورہ 117
ابن زیاد کا آخری حکم 118
ایک رات کی مہلت 120
رفقاء سے امام پاک کا خطاب 121
رفقاء کا جواب 122
امام نے بار بار چند اشعار پڑھے 125
سیدہ زینب کا حال 125
جنگ کی تیاری 126
دس محرم اور قیامت صغریٰ 128
امام پاک کی دعا 128
شمر کی گستاخی 129
اتمام حجت 129
امام پاک کا خطبہ 130
درسِ عبرت 130
حُر کا آنا 136
حر کا خطاب 138
آغازِ جنگ 138
عبداللہ بن عمیر کلبی 140
کرامت 141
یزید بن معقل اور بریر کا مباہلہ 142
رفقاء کی شہادت 143
حر کی شجاعت 143
حبیب ابن مظاہر 144
زہیر بن قین 148
رفقا کی عقیدت 150
ہاشمی جوانوں کا جہاد 155
حضرت عبداللہ بن مسلم 155
پسران حضرت عقیل 156
فرزندانِ حضرت علی مرتضیٰ 157
فرزندان امام حسن مجتبیٰ 160
حضرت قاسم بن امام حسن 160
حضرت محمد وعون 164
حضرت عباس علم دار 166
اتمام حجت 167
حضرت سیدنا علی اکبر 171

حضرت علی اصغر 179
زمین کربلا میں جھاڑو 184
تاج دارِ کربلا حضرت سیدنا امام حسین 184
صبرورضا کی تلقین 187
حضرت سکینہ کی زاری 188
امام پاک کا میدان میں جانا 188
اتمام حجت 190
امام پاک کی شہادت 192
زخموں سے چور چور اور شہادت 195
نعش مقدس اور اہل بیت کی بے حرمتی 198
شہادت کے بعد کے واقعات 199
آسمان وزمین خون کے آنسو روئے 200
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان کربلا میں 203
ابن عباس اور حضرت ام سلمہ کا خواب 204
جنوں کا رونا 205
ایک اعتراض اور جواب 206
حضرت سیدتنا ام سلمہ 207
حضور اور حضرت علی کا خواب میں تشریف لانا 212
شام کربلا 213
کوفہ روانگی 217
شہداء کی تدفین 218
سرانور پرنور اور سفید پرندے 218
کوفہ میں سرانور اور ابن زیاد 219
دربارِ ابن زیاد اور اسیران کربلا 221
امام زین العابدین پر نظر عتاب 222
مسجد کوفہ میں اعلان فتح اور ابن عفیف کی شہادت 223
سرانور نیزے پر 223
اہل کوفہ کا ماتم 224
اسیران اہل بیت کے خطبے 224
یزید پلید کی طرف روانگی 226
اہل کتاب کا عبادت خانہ اور ایک شعر 228
راہب اور سرانور 229
درہم ودینار ٹھیکریاں ہو گئے 230
درسِ عبرت 231
دربارِ یزید میں 232
یزید کے متعلق پانچ روایات 232
نتیجہ 238
اعتراض وجواب 240
دورانِ گشت سرانور نیزے پر بولا 242
سرانور دمشق میں لٹکایا گیا 243
یزید کے گھر ماتم 244
یزید کا سلوک 244
قافلہ اہل بیت کی واپسی 245
کربلا سے گزر 246
مدینہ منورہ آمد 250
تعزیت اور زاری 251

تعداد شہداء کربلا 253
تعداد اسیرانِ کربلا 253
یزیدی مقتولین کی تعداد 255
مدفن سرِ انور 256
کرامت سرِ انور 257
واقعہ کربلا کے بعد یزید کا کردار 259
مدینہ منورہ پر حملہ 260
احادیث مبارکہ 262
مکہ مکرمہ پر حملہ 265
معاویہ اصغر 268
قارئین کرام 268
قاتلین کا انجام 272
عمرو بن سعد 283
خولی بن یزید 284
شمر ذی الجوشن 285
حکیم بن طفیل الطائی 287
زید بن رقاد 289
عمرو بن صبیح 289
مختار کا دعویٰ نبوت 293
فضیلت عاشورا 296
اعمال عاشورا 296
ذکرِ شہادت پر آنسو بہانا 303
مجالس محرم و نذر و نیاز اور سبیل لگانا 306
مرثیہ مشروع پڑھنا 310
تعزیہ داری 311
صبر اور جزع و فزع 314
شیعہ مذہب کی کتب سے ائمہ اہل بیت کے ارشادات 317
ذکر شہادت کے مختصر فوائد 326
التجاء مصنف 327
منقبت 328

☆☆☆

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شہادت

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی
وہ خوش قسمت ہیں مل جائے جنہیں دولت شہادت کی
شہید اس دارِ فانی میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں
زمین پر چاند تاروں کی طرح تابندہ رہتے ہیں

☆☆☆

یہ شہادت اک سبق ہے حق پرستی کے لیے
اک ستونِ روشنی ہے بحرِ ہستی کے لیے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

''اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ ورسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ ساتھی کیا ہی اچھے ہیں''۔

اس آیت سے دو امور ثابت ہوئے ایک یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع وفرمان بردار ہیں ان کو نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی رفاقت و معیت حاصل ہوگی۔ دوسرا یہ کہ نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔

حضور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس میں ہر وہ انعام اور ہر وہ کمال جو کسی بھی مخلوق کو عطا ہوا بدرجہ اتم موجود تھا۔

ہر رتبہ کہ بود در امکان بروست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام (☆)

بلکہ جس کسی کو کوئی انعام و کمال ملا وہ آپ ہی کی بدولت ملا۔ تمام انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء میں جس قدر بھی جمال و کمال ہے وہ ظل اور عکس ہے جمال و کمالِ محمدی ﷺ کا۔

آن چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کیوں کہ آپ اصل کائنات ہیں۔ آپ کی ذات کائنات کے ہر ہر فرد کے لیے تمام فیوض و برکات کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ جس طرح جڑ پورے درخت کی تازگی اور پھلوں کے جمال و کمال کا باعث ہوتی ہے اسی طرح آپ کی ذات تمام عالمین کے لیے ہر قسم کے انعامات و کمالات کا باعث ہے۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست (☆☆)

شہادت کی قسمیں

شہادت جَہری اور شہادت سِرّی یعنی اعلانیہ اور پوشیدہ، شہادت جہری یہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ کی راہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے لڑتا ہوا اور طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتا ہوا اعلانیہ جان دے دے یا مظلومانہ طور پر قتل ہو جائے۔ اور شہادت سری یہ ہے کہ کسی کے زہر دینے سے یا طاعون کی وبا سے یا اچانک کسی حادثہ کا شکار ہو جائے مثلاً کوئی عمارت گر جائے اور یہ نیچے آکر دب جائے یا کہیں آگ لگ جائے اور یہ جل جائے۔ یا دریا اور سمندر میں تیرتا اور نہاتا ہوا یا سیلاب کی وجہ سے ڈوب جائے یا طلب علم دین یا سفر حج، یا پیٹ، اور سل اور دق کے مرض

☆ ترجمہ:۔ عالم امکان میں جو بھی درجہ مرتبہ تھا وہ آپ پر ختم ہو گیا اور ہر نعمت جو اللہ تعالیٰ نے رکھی وہ آپ پر پوری ہوئی۔

☆☆ اصل میں (یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) آپ ہی کا وجود (کائنات میں) سب سے پہلے ہے اور دوسری ہر چیز جو موجود ہے وہ آپ ہی کی فرع (شاخ) ہے یعنی آپ ہی کی بدولت ہے۔

میں انتقال کرجائے اور عورت حالت نفاس میں مرجائے۔

شہید کا معنی

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الشھید فعیل بمعنی الفاعل ھو الذی یشھد بصحۃ دین اللہ تارۃ بالحجۃ والبیان و اخری بالسیف والسنان و یقال للمقتول فی سبیل اللہ شھید من حیث انه بذل نفسه فی نصرۃ دین اللہ و شھادته له بانه ھو الحق (تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۲۶۲)

''شہید بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے اور شہید وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی صحت و صداقت کی کبھی تو دلیل و برہان اور قوتِ بیان سے اور کبھی شمشیر و سنان سے شہادت دے اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو بھی اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی جان قربان کرکے اللہ کے دین کی حقانیت کی شہادت (گواہی) دیتا ہے''۔

اس معنی کے مطابق تسلیم کرنا پڑے گا کہ شہادت کا انعام وکمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی حقانیت کی جس طرح آپ نے بے شمار دلائل و براہین اور روشن بیانات ومعجزات کے ساتھ شہادت دی ہے اور کسی نے نہیں دی۔ کون نہیں جانتا کہ اسی دین حق کی صداقت کی شہادت کے سلسلے میں ہی آپ نے مکہ مکرمہ میں مسلسل تیرہ سال تک سخت کرب ناک اذیتیں برداشت کیں۔ گلیوں، بازاروں اور طائف کے میدان میں پتھر کھائے اور نہایت نازیبا قسم کے کلمات سنے۔ چناں چہ فرمایا: ''جس قدر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستایا گیا ہوں کوئی پیغمبر نہیں ستایا گیا''۔ (مسند احمد: 1207) یہاں تک کہ وطن اور گھر بار چھوڑ دیا۔ مدینہ منورہ میں آکر بہت سی جنگوں میں بنفس نفیس شرکت فرما کر شمشیر و سنان کے ساتھ بھی گواہی دی۔ دندان مبارک شہید ہوا، زخمی بھی ہوئے۔ فرق رہ گیا صرف روح اقدس کے نکلنے کا اور وہ میدانِ جنگ میں اس لیے نہیں نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ فرمایا تھا: **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** (المائدہ: ٦٧) اور اللہ آپ کی جان کو لوگوں سے بچائے گا۔ تو اگر کسی جنگ میں آپ کسی کافر کے ہاتھ سے قتل

ہو جاتے اور آپ کی روح انور پرواز کر جاتی تو کافروں کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور قرآن کی تکذیب کا موقع مل جاتا کہ اس نبی کے خدا نے تو لوگوں سے ان کی جان بچانے کا وعدہ کیا تھا تو پھر اس نے کیوں نہیں بچائی۔ ہم نے تو فلاں جنگ میں ان کا کام تمام کر دیا۔ (معاذ اللہ) ثابت ہوا کہ شہادت جہری کی حقیقت آپ کی ذات پر بدرجہ اتم پوری ہوئی۔

آپ کو زہر دیا گیا

غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ عورت زینب بنت الحارث نے بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا تو اس بھنے ہوئے گوشت نے آپ کو خبر دی کہ میں زہر آلود ہوں۔ آپ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا لیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے صحابی حضرت بشر بن براء نے بھی کھایا تھا جو اسی وقت اس کے اثر سے شہید ہو گئے۔

آپ نے اس یہودیہ کو بلا کر پوچھا کہ تجھے اس حرکت پر کس چیز نے اکسایا؟ اس نے کہا: اَردتُ ان اَعلَمَ اِنْ کُنتَ نبیًا لَم یَضرکَ وَاِنْ کُنتَ مَلِکًا اَرحتُ النّاسَ مِنکَ۔ ''میں نے چاہا کہ میں (بطور امتحان) معلوم کروں کہ (آپ نبی ہیں یا بادشاہ) اگر آپ نبی ہوں گے تو (زہر) آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر آپ بادشاہ ہوں گے تو میں لوگوں کو آپ سے راحت و آرام دلا دوں گی''۔ (مسند احمد: ۲۷۸۴، دارمی: ۶۸، مستدرک: ۴۹۶۷)

چناں چہ وہ عورت، حضرت بشر کی شہادت کے قصاص میں آپ کے حکم سے قتل کر دی گئی۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم مات شہیداً لاکلۃ یوم خیبر من شاۃ مسمومۃ سما قاتلا من ساعۃ حتیٰ مات منہ بشر ابن البراء بن معرور و صار بقاؤہٗ صلی اللہ علیہ وسلم معجزۃ فکان بہ الم السم

اور بے شک یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی اس لیے کہ آپ نے خیبر کے دن ایسی زہر ملائی ہوئی بکری کے گوشت میں سے کھایا جس کا زہر ایسا قاتل تھا کہ اسی وقت موت واقع ہو جائے۔ چناں چہ اس زہر

یتعاھدہ احینا الی ان مات بہ

(زرقانی علی المواہب، جلد ۸، صفحہ ۳۱۳)

کے اثر سے بشر بن براء بن معرور اسی وقت فوت ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باقی رہنا معجزہ ہو گیا وہ زہر آپ کو اکثر تکلیف دیتا رہتا تھا یہاں تک کہ اسی کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی۔

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واخرج البخاری والبیھقی عن عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی مرضه الذی توفی فیه لم ازل اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا اوان انقطع ابھری من ذلك السم

(انباء الاذکیا بحیاۃ الانبیاء، صفحہ ۱۴۹، کنز العمال: ۳۲۱۸۸)

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہر آلود گوشت کھایا تھا اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں تو اب وہ وقت آ پہنچا کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جان منقطع ہو۔

معلوم ہوا کہ جس طرح شہادت جہری کی حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر پوری ہوئی تھی اسی طرح شہادت سِرّی کی حقیقت بھی آپ کی ذات پر پوری ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا گیا مگر اس کے اثر سے فی الفور آپ کی وفات واقع نہ ہوئی اس لیے یہاں بھی وہی وعدۂ خداوندی **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** اس کے لیے مانع ہوا اور زہر کا آپ پر فوری اثر انداز نہ ہونا آپ کا معجزہ ہو گیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ دونوں شہادتوں کی حقیقت آپ کی ذات پر پوری ہوئی۔ تو اب یہ دیکھیے کہ ان شہادتوں کا ظہور کہاں جا کر ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ان الحسن والحسین ھما ریحانتای من الدنیا (مشکوٰۃ: ۶۱۶۴، ترمذی: ۳۷۷۰)

”کہ بے شک حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں“۔

اور ظاہر ہے پھل اور پھول میں جمال و کمال حقیقت میں اصل ہی کا ہوتا ہے تو ان دونوں پھولوں کو اصل سے جمال کا فیض بھی ملا اور کمال کا فیض بھی۔ چناں چہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

الحسن اشبه برسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين الصدر الى الرأس والحسين اشبه برسول الله صلى الله عليه وسلم ما كان اسفل من ذلك

حسن سینے سے لے کر سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ اور حسین سینے سے لے کر نیچے تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں۔

(ترمذی شریف: ۳۷۷۹)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک سینہ تک مشابہ اِک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خطِ توَاَم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

تو جس طرح یہ دونوں شاہ زادے مظہر جمال مصطفیٰ تھے اسی طرح مظہر کمال مصطفیٰ بھی تھے۔ یعنی جس طرح ان دونوں میں جمال مصطفیٰ تقسیم ہوا اسی طرح کمال مصطفیٰ بھی تقسیم ہوا۔ چناں چہ بڑے شاہ زادے کو شہادت سری کا فیض ملا اور چھوٹے کو شہادت جہری کا۔ ثابت ہوا کہ حسنین کریمین کی ذات مظہر جمال مصطفیٰ بھی ہے اور مظہر کمال مصطفیٰ بھی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چوں کہ بڑے شاہ زادے کے حصہ میں شہادت سری آئی تھی اور ''سر'' خفا و پوشیدگی کو کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کو پوشیدہ رکھا اور کسی کو اس کی اطلاع نہ دی یہاں تک کہ خود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی زہر دینے والے کا نام نہ بتلایا اور فرمایا کہ میں اس کا بدلہ خدا تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں وہ منتقم حقیقی ہے۔

اور چھوٹے شہزادہ کے حصہ میں شہادت جہری آئی تھی اور ''جہر'' اعلان واظہار کو کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اعلان عام فرمادیا تھا چناں چہ:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اخبرنی جبریل ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف و جاء نی ھذہ التربة فاخبرنی ان فیھا مضجعة۔

(صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۰، سر الشہادتین، صفحہ ۲۴، خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵، کنز العمال: ۳۴۲۹۹)

مجھ کو جبریل امین نے خبر دی کہ میرا بیٹا حسین میرے بعد زمین طف میں قتل کر دیا جائے گا اور جبرئیل امین میرے پاس (اس زمین کی) یہ مٹی لائے ہیں اور انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ وہی ان کے لیٹنے (مدفون ہونے) کی جگہ ہے۔

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حسین کو لے کر حاضر ہوئی تو میں نے حسین کو آپ کی گود میں رکھ دیا پھر جو میں نے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

فقال اتانی جبریل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا و اتانی بتربة من تربتہ حمراء (خصائص کبری، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵، صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۰، سر الشہادتین، صفحہ ۲۶، المستدرک: ۴۸۱۸، کنز العمال: ۳۴۳۰۰)

تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے خبر دی ہے، کہ عنقریب میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کر دے گی اور انہوں نے مجھے اس زمین کی تھوڑی سی سرخ مٹی دی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لقد دخل علی البیت ملك لم یدخل قبلھا فقال لی ان ابنك ھذا حسین مقتول وان شئت اریتك من تربة الارض التی یقتل بھا فاخرج تربة

کہ میرے گھر میں ایک فرشتہ آیا جو اس سے پہلے کبھی میرے پاس نہ آیا تھا۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا حسین قتل کیا جائے گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں

حمراء (البدایہ والنہایہ، جلد۸، صفحہ ۱۹۹، خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵، سر الشہادتین، صفحہ ۲۵، صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۰)

آپ کو اس زمین کی مٹی دکھاؤں جہاں یہ قتل کیا جائے گا پھر اس نے تھوڑی سی سرخ مٹی نکالی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش پر موکل فرشتہ نے اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دی وہ آیا تو حسین بھی آپ کی خدمت میں آئے اور آپ کے کندھوں پر چڑھ گئے آپ نے ان سے پیار کیا۔

فقال الملك اتحبه؟ قال نعم! قال ان امتك تقتله وان شئت اريتك المكان الذی يقتل فيه فضرب بيده فاراه ترابا احمر فاخذته ام سلمة فصرته فی طوف ثوبها قال فكنا نسمع انه يقتل بكربلاء (خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۹، سر الشہادتین، صفحہ ۲۵، صواعق محرقہ ۱۹۰، کنز العمال: ۳۷۶۷۲، ذخائر العقبی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۷، سبل الہدی والرشاد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۴)

تو فرشتہ نے کہا کیا آپ اس کو محبوب رکھتے ہیں؟ فرمایا ہاں! فرشتہ نے کہا: بے شک آپ کی امت اس کو قتل کر دے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ مکان دکھا دوں جہاں یہ قتل کیے جائیں گے پس اس نے اپنا ہاتھ مارا اور آپ کو سرخ مٹی دکھائی تو وہ مٹی ام سلمہ نے لے لی اور اپنے کپڑے کے کونے میں باندھ لی۔ راوی فرماتے ہیں ہم سنا کرتے تھے کہ حسین کربلا میں شہید ہوں گے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اضطجع ذات يوم فاستيقظ وهو خاثر و فی يده تربته حمراء يقلبها قلت ما هذه التربة يا رسول الله قال اخبرنی جبريل ان هذا يعنی الحسين يقتل

کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کروٹ سو رہے تھے کہ اچانک جاگ اٹھے اور آپ پریشان وملول تھے اور آپ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مٹی کیا ہے؟ فرمایا مجھے جبریل نے

بارض العراق و هذه تربتها
(خصائص کبریٰ، صفحہ ۱۲۵، سر الشہادتین صفحہ ۲۷، ذخائر العقبی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۷، کنز العمال: ۳۷۶۷۰)

خبر دی ہے کہ یہ حسین عراق کی زمین پر قتل کر دیا جائے گا اور یہ وہاں کی مٹی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حسن اور حسین دونوں میرے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جبریل امین نازل ہوئے اور کہا:

یا محمد ان امتك تقتل ابنك هذا من بعدك و اومی بیده الی الحسین و اتاه بتربة فشمها وقال ریح کرب و بلاء فبکیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم وضمه الی صدره ثم قال یا ام سلمة اذا تحولت هذه التربة دما فاعلمی ان ابنی قد قتل فجعلتها ام سلمة فی قارورة ثم جعلت تنظر الیها کل یوم و تقول ان یوما تحولین دما لیوم عظیم (تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۴۷، خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵، صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۱، سر الشہادتین، صفحہ ۲۸، ذخائر العقبی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۷، سبل الہدی والرشاد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۴)

اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک آپ کی امت آپ کے اس بیٹے حسین کو آپ کے بعد قتل کر دے گی اور آپ کو (وہاں کی تھوڑی سی) مٹی دی۔ آپ نے اس مٹی کو سونگھا اور فرمایا اس میں رنج و بلا کی بو ہے پس آپ نے حسین کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا اور روئے۔ پھر فرمایا اے ام سلمہ جب یہ مٹی خون ہو جائے تو جان لیجیو کہ میرا یہ بیٹا قتل ہو گیا۔ ام سلمہ نے اس مٹی کو بوتل میں رکھ دیا اور وہ ہر روز اس کو دیکھتیں اور فرماتیں جس دن یہ مٹی خون ہو جائے گی وہ دن عظیم دن ہوگا۔

حضرت انس بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرمایا:

ان ابنی هذا یعنی الحسین یقتل بارض یقال لها کربلاء فمن شهد ذلك منکم فلینصره فخرج انس بن الحارث الی کربلاء فقتل بها مع

بے شک میرا بیٹا حسین قتل کر دیا جائے گا اس زمین میں جس کا نام کربلا ہے سو جو شخص تم لوگوں میں سے وہاں موجود ہو تو اس کو چاہیے وہ اس کی مدد کرے تو انس

الحسین (خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۹، سر الشہادتین، صفحہ ۲۹، دلائل النبوت ابونعیم، صفحہ ۴۸۶، کنزالعمال: ۳۴۳۱۴، ذخائر العقبی، جلد ۲، صفحہ ۱۴۶)

بن حارث کربلا گئے اور (امام) حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

ما کنا نشك و اهل البيت متوافرون ان الحسين بن على يقتل بالطف (المستدرک: ۴۸۲۶، خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶، سر الشہادتین، صفحہ ۳۰)

ہمیں اور اکثر اہل بیت کو اس بات میں کوئی شک وشبہ نہ تھا کہ حسین زمینِ طف (کربلا) میں شہید ہوں گے۔

حضرت یحییٰ حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفر صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا:

فلما حاذى نينوى نادى صبرا ابا عبدالله بشط الفرات قلت ماذا قال ان النبى صلى الله عليه وسلم قال حدثنى جبريل ان الحسين يقتل بشط الفرات وارانى قبضة من تربة (خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶، صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۱، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۹، سر الشہادتین صفحہ ۳۰، تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۴۷)

جب آپ نینوا کے برابر پہنچے تو آپ نے پکارا اے ابوعبداللہ فرات کے کنارے صبر کرنا۔ میں نے عرض کیا یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل نے بتایا ہے کہ حسین فرات کے کنارے قتل ہوگا اور مجھے وہاں کی مٹھی بھر مٹی دکھائی۔

حضرت اصبغ بن بغاتہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اتينا مع على علىٰ موضع قبر الحسين فقال ههنا مناخ ركابهم و موضع رحالهم و ههنا مهراق دمائهم فتية من

ہم (حضرت) علی کے ساتھ قبر حسین کی جگہ پر آئے تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے کجاوے

ال محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقتلون بھٰذہ العرضۃ تبکی علیھم السماء والارض (خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶، سر الشہادتین، صفحہ ۳۱، دلائل النبوت ابونعیم، صفحہ ۵۰۹)

رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون بہنے کا مقام ہے کتنے جوان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھلے میدان میں قتل کیے جائیں گے ان پر زمین و آسمان روئیں گے۔

ابوعبداللہ الضبیی فرماتے ہیں کہ جب علی بن ہرثم جنگ صفین سے واپس آئے تو ہم لوگ ان کو ملنے گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم امیر المومنین حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ صفین سے واپس آرہے تھے تو ہم نے زمین کربلاء پر حضرت علی کے ساتھ نماز فجر ادا کی:

ثم اخذ کفا من بعد الغزلان فشمہ ثم قال اوہ اوہ یقتل بھذا الغائط قوم یدخلون الجنۃ بغیر حساب (تہذیب التہذیب، جلد ۲ صفحہ ۳۴۸، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۹، کنز العمال: ۳۷۷۲۴)

پھر آپ نے مینگنیوں والی زمین سے ایک مٹھی خاک کی لی اور اس کو سونگھا اور فرمایا اوہ، اوہ۔ اس زمین پر ایک جماعت قتل ہوگی وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اظہار و اعلان فرمادیا تھا اور بہت سے صحابہ و اہل بیت کو معلوم تھا کہ حضرت حسین شہید ہوں گے اور ان کی شہادت گاہ کربلا ہے۔

اور یہ کسی روایت میں نہیں پڑھا کہ کسی نے دعا کی ہو کہ الٰہی کربلا میں ہونے والا واقعہ اور آنے والے مصائب نہ آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمادیتے حضرت علی و حضرت فاطمہ و حضرت حسن اور خود حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہی دعا فرمادیتے۔ کیوں کہ کاملین کی دعا تقدیر مبرم کو بھی بدل دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اکثر من الدعاء فان الدعا یرد القضاء المبرم (کنز العمال: ۳۱۲۰) کہ دعا زیادہ کرو بے شک دعا قضائے مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔ تو کسی نے دعا کیوں نہیں فرمائی۔ اس لیے کہ راضی برضاء تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک امتحان اور آزمائش ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کیا کرتا ہے، یہ اس کی سنت ہے۔ چناں چہ فرمایا:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳﴾

’’کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے گا صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ اور بے شک ہم نے ان کو بھی آزمایا جو ان سے پہلے تھے (اور ان کو بھی آزمائیں گے) تاکہ دیکھ لے اللہ (اور ظاہر کر دے) ان کو جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں‘‘۔ (العنکبوت: ۳)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾

’’کیا تم اس (گمان میں ہو کہ یوں ہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالاں کہ تم پر ان لوگوں کی مثل حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے ہوئے ہیں کہ انہیں (اس قدر) سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ یہ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے‘‘۔ (البقرہ: ۲۱۴)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ (آل عمران: ۱۴۲)

’’کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالاں کہ ابھی اللہ نے امتحان نہیں کیا ان کا جو تم میں مجاہد ہیں اور نہ ان کا جو صبر کرنے والے ہیں‘‘۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (البقرہ: ۱۵۵)

''اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کہ کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجئے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں''۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ صرف زبانی کلامی دعویٰ ایمان و اسلام کافی اور ذریعہ نجات نہیں بلکہ طرح طرح کے حوادث و مصائب اور رنج و غم سے دوچار ہونا پڑتا ہے ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بلاشبہ کھرے اور کھوٹے، سچے اور جھوٹے کی پہچان ہوتی ہے تو امتحان کے میدان ہی میں ہوتی ہے اور ہر شخص کا امتحان اس کی دینی و ایمانی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے، جس قدر کوئی دین و ایمان میں مضبوط اور سخت ہوتا ہے اسی قدر اس کے امتحان میں سختی کی جاتی ہے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہے ان کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

اور یہ اہل اللہ اصل میں عشاق ہوتے ہیں اور عشاق کا تو کہنا ہی کیا ہے، ان کی دنیا ہی نرالی ہے۔ وہ محبوب کی راہ میں آنے والی تکلیف و مصیبت میں بھی لذت و راحت ہی پاتے ہیں اور محبوب کی راہ میں جس قدر ان کو ذلت نصیب ہوتی ہے اسی قدر محبوب کی نگاہ میں ان کو عزت حاصل ہوتی ہے چناں چہ روزہ دار کے موبنھ کی بو اللہ کے نزدیک مشک و عنبر کی خوش بو سے بہتر ہے یعنی بہ ظاہر خراب بہ باطن عمدہ۔

لہٰذا جو اللہ کی راہ میں ذلت اٹھاتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک کمال درجہ کی عزت پاتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر گزرے، دیکھا کہ ان کے کان اور ناک وغیرہ سب کاٹ دیئے گئے تھے۔ فقال لولا ان صفیة تجد لترکته حتیٰ یحشرہ اللہ من بطون الطیر و السباع فکفنه فی نمرة

(المستدرک: ۴۸۸۷)

''تو فرمایا اگر صفیّہ کے غم کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا تا کہ ان کو پرندے درندے کھا لیتے اور قیامت کے دن اللہ ان کا حشر درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں سے کرتا، پھر ایک کمبل میں لپیٹ کر ان کو دفن کر دیا''۔ دیکھیے حضور ﷺ کا ارادہ تھا کہ ان کی مقدس لاش اسی طرح بے حرمتی کے ساتھ پڑی رہے اور جانور کھا جائیں تا کہ ذلت کمال درجہ کو پہنچ جائے اور اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کمال درجہ کی عزت کے حق دار ہو جائیں لیکن حضرت صفیّہ کے غم کے خیال سے آپ نے اس قصد کو ترک فرما دیا۔ مگر اس کے باوجود وہ سید الشہداء کا مقام و مرتبہ پا گئے۔

امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور ﷺ اور آپ کے اہل بیت کرام نے راضی برضا ہو کر یہی چاہا کہ ان کا امتحان ہو اور ایسا امتحان ہو کہ تکالیف و مصائب کے پہاڑ ٹوٹیں اور بے بسی و بے کسی کی انتہا ہو جائے اور یہ رضائے الٰہی کے لیے مثالی صبر کا مظاہرہ کریں۔

چناں چہ زحر بن قیس جو واقعہ کربلا میں لشکر یزید میں تھا، جب یزید کو فتح کی خوش خبری سنانے آیا تو من جملہ اور واقعات کے یہ بھی سنایا:

فهاتيك اجسادهم مجردة و ثيابهم مرملة و خدودهم معفرة تصهر هم الشمس و تسفی عليهم الريح زوارهم العقبان والرخم بقی سبسب

(ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۴)

کہ ان کے اجساد برہنہ اور ان کے کپڑے خون میں لت پت اور ان کے رخسار خاک آلود ہیں اور دھوپ ان کے جسموں کو پگھلا رہی ہے اور ہوائیں ان پر خاک ڈال رہی ہیں اور ان کی زیارت کرنے والے مردار خور پرندے ہیں اور وہ چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔

گویا ظاہر بینوں کے نزدیک ذلت کی انتہا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عزت و رفعت کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ جائیں اور سید الشہداء حضرت حمزہ کی شہادت کے وقت جو بات رہ گئی ہے اس کی بھی تکمیل ہو جائے۔

آں امامِ عاشقاں پورِ بتول
سروِ آزاد زبستانِ رسول

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیِ ذبحِ عظیم آمد پسر

سرِّ ابراہیم و اسماعیل بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

خونِ او تفسیر ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگِ اربابِ باطل خوں کشید

نقشِ الاّ اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں(☆)

(اقبال)

اسباب شہادت

جب کوئی چیز یقینی ہونے والی ہوتی ہے تو اس کے ہونے کے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ امام عالی مقام کی شہادت کے اسباب اس طرح پیدا ہوئے کہ رجب ۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور یزید (جس کے لیے وہ اپنی زندگی ہی میں بیعت لے چکے تھے☆☆) ان کا جانشین ہوا۔ تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس کے لیے سب

☆ فارسی اشعار کا ترجمہ:۔ وہ عاشقوں کے امام (سیدنا حسین) حضرت سیدہ زہرا بتول کے بیٹے ہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ سے آزادی کا سرو یعنی قد آور درخت ہیں۔
اللہ اللہ (یعنی کیا شان ہے) آپ کے والد کا مرتبہ بسم اللہ میں با کا سا ہے اور ذبح عظیم کا معنی (آپ سا) بیٹا آیا ہے (اے امام پاک) آپ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا بھید تھے یعنی آپ ان کے اجمال کی تفصیل تھے۔ آپ کے خون نے ان اسرار کی تفسیر کی ہے (ان رازوں کو کھولا ہے) اور سوئی ہوئی ملت کو بیدار کیا ہے۔ لا کی تلوار جب آپ نے میان سے باہر نکالی یعنی باطل کو قبول کرنے سے انکار کیا اور لا الٰہ الا اللہ کی حفاظت کی تو باطل قوتوں کی رگوں سے خون نکال دیا یعنی ان کی قوت کاٹ دی ان کے پنپ نے کی گنجائش نہیں رہنے دی۔
لا یعنی باطل کی نفی کر کے الا اللہ کا نقش صحرا پر نقش کر دیا اور ہماری نجات کے عنوان کی سطر لکھ دی یعنی باطل کو مٹا کر حق کو واضح کر دیا۔ اے صبا (اے ہوا) دُور بسنے والوں کی پیغام رساں! عقیدت و محبت کے ہمارے آنسوان کی پاک خاک یعنی ان کی پاک تربت پر پہنچا دے۔
☆☆ تفصیل کے لیے میری کتاب امام پاک اور یزید پلید ملاحظہ فرمائیں۔

سے اہم مسئلہ حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا بیعت کا تھا۔ کیوں کہ ان حضرات نے یزید کی ولی عہدی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ علاوہ ازیں ان حضرات سے یزید کو یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں ان میں سے کوئی خلافت کا دعویٰ نہ کر دے اور ایسا نہ ہو کہ سارا حجاز میرے خلاف اٹھ کھڑا ہو اور حضرت امام حسین کے دعویٔ خلافت کی صورت میں عراق میں بغاوت کا سخت اندیشہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر یزید کے پیش نظر سب سے بڑا مسئلہ اپنی حکومت کی بقا اور تحفظ کا تھا۔ اس لیے اس نے ان حضرات سے بیعت لینا ضروری سمجھا۔ چناں چہ اس نے ولید بن عقبہ گورنر مدینہ کو امیر معاویہ کی وفات کی خبر دی اور ساتھ ہی ان حضرات سے بیعت لینے کے لیے سخت تاکیدی حکم بھیجا۔

فخذ حسینا و عبداللہ بن عمر و ابن الزبیر بالبیعة اخذا لیس فیه رخصة حتی یبایعوا (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۴)	پس حسین، عبداللہ بن عمر اور ابن الزبیر کو بیعت کے لیے اس طرح پکڑو کہ جب تک بیعت نہ کر لیں مطلق نہ چھوڑو۔

ابھی تک اہل مدینہ کو امیر معاویہ کی وفات کی خبر نہ تھی۔ ولید، یزید کے اس حکم سے بہت گھبرایا، کیوں کہ اس کے لیے اس کی تعمیل بہت مشکل تھی اور وہ اس کے انجام کو بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے نائب مروان بن حکم کو بلایا اور اس سے اس معاملے میں مشورہ طلب کیا۔ مروان سنگ دل اور سخت مزاج تھا۔ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ان تینوں کو اسی وقت بلائیں اور بیعت کا حکم دیں اور اگر وہ بیعت کر لیں تو بہتر اور اگر انکار کریں تو تینوں کا سر قلم کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو جب ان کو وفات معاویہ کی خبر ملے گی یہ تینوں ایک ایک مقام پر جا کر مدعی خلافت بن کر کھڑے ہو جائیں گے پھر ان پر قابو پانا سخت مشکل ہو جائے گا۔ البتہ ابن عمر کو میں جانتا ہوں ان سے توقع کم ہے وہ جدال و قتال کرنا نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ یہ امر خلافت خود بخود ان کو دے دیا جائے۔

اس مشورہ کے بعد ولید نے ان حضرات کو بلا بھیجا۔ اس وقت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر دونوں مسجد نبوی میں تھے اور وہ وقت بھی ایسا تھا کہ اس میں ولید کسی سے ملتا ملاتا نہ تھا۔ قاصد نے ان دونوں کو امیر کا پیغام دیا۔ انہوں نے قاصد سے کہا تم چلو ہم ابھی آتے ہیں۔

ابن زبیر نے امام حسین سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے امیر نے ایسے وقت میں جب کہ وہ کسی سے ملتے ملاتے نہیں، ہمیں کیوں بلایا ہے؟ امام پاک نے فرمایا میرا یہ گمان ہے کہ امیر معاویہ فوت ہو گئے ہیں اور ہمیں اس لیے بلایا ہے کہ ان کی وفات کی خبر عام ہونے سے پہلے وہ ہم سے یزید کی بیعت لے لیں۔ ابن زبیر نے کہا میرا گمان بھی یہی ہے۔ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ فرمایا میں اپنے چند جوانوں کو ساتھ لے کر جاتا ہوں کیوں کہ انکار کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ معاملہ نازک صورت اختیار کر جائے۔ چناں چہ اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے اور مکان کے باہر اپنے جوانوں کو متعین کر دیا اور ان سے کہا کہ اگر میں تمہیں بلاؤں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہو رہی ہے تو فوراً اندر آ جانا اور جب تک میں باہر نہ آؤں یہاں سے ہرگز نہ سرکنا۔ آپ اندر گئے اور سلام کے الفاظ کہہ کر بیٹھ گئے۔ ولید نے آپ کو امیر معاویہ کی وفات کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لیے کہا۔ آپ نے تعزیت کے بعد فرمایا میرے جیسا آدمی اس طرح چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ میرے لیے اس طرح خفیہ بیعت کرنا مناسب ہے اگر آپ باہر نکل کر عام لوگوں کو اور ان کے ساتھ ہمیں بھی بیعت کی دعوت دیں تو یہ ایک بات ہو گی۔ ولید امن اور صلح پسند آدمی تھا اس نے کہا اچھا آپ تشریف لے جائیں آپ اٹھ کر چلنے لگے تو مروان نے بہت برہم ہو کر ولید سے کہا اگر تم نے اس وقت ان کو جانے دیا اور بیعت نہ لی تو پھر ان پر قابو نہ پاسکو گے تاوقتیکہ بہت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں۔ ان کو قید کر دو اگر یہ بیعت کر لیں تو خیر ورنہ ان کو قتل کر دو۔ امام یہ سن کر رک گئے اور فرمایا او ابن الزرقاء کیا تو مجھے قتل کرے گا یا یہ کریں گے؟ خدا کی قسم تو جھوٹا ہے اور کمینہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے آئے۔ مروان نے ولید سے کہا تم نے میری بات نہ مانی۔ خدا کی قسم! اب تم ان پر قابو نہیں پاسکو گے یہ بہترین موقع تھا کہ تم ان کو قتل کر دیتے۔ ولید نے کہا تم پر افسوس! تم مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین کی تباہی ہے کیا میں صرف اس وجہ سے نواسۂ رسول کو قتل کر دیتا کہ وہ یزید کی بیعت نہیں کرتے۔ اگر مجھے دنیا بھر کا مال و متاع مل جائے تو بھی میں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہ کروں، خدا کی قسم! قیامت کے دن جس سے خون حسین کی باز پرس ہو گی وہ ضرور اللہ کے سامنے خفیف المیز ان ہو گا۔ مروان

نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ اس (مروان) نے صرف ظاہر داری کے لحاظ سے کہہ دیا تھا ورنہ دل میں وہ ولید کی بات کو ناپسند کرتا تھا۔ (ابن اثیر، جلد ۳، صفحہ ۱۲۹۔ طبری، جلد ۵، صفحہ ۳۴۰)

ولید کے پاس سے واپس آنے کے بعد امام عالی مقام سخت کشمکش میں مبتلا تھے۔ یزید کی بیعت آپ کو قلبی طور پر سخت ناپسند تھی کیوں کہ وہ نا اہل تھا اور اس کا تقرر بھی خلفائے راشدین کے اسلامی طریقہ انتخاب کے بالکل خلاف اور غیر شرعی طور پر ہوا تھا بلکہ آپ کے نزدیک یہ قیصر و کسریٰ کے طرز کی پہلی شخصی حکومت تھی۔ اس لیے آپ احتجاجاً اس کے خلاف تھے اور دوسری طرف حالات اجازت نہیں دیتے تھے کہ آپ علی الاعلان اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ ادھر عبداللہ بن زبیر طرح طرح کے حیلوں سے ولید کے قاصدوں کو ٹالتے رہے اور ولید کے پاس نہ آئے اور دوسرے دن مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو نکل گئے۔ ولید کا عملہ سارا دن ان کی تلاش میں سرگرداں رہا مگر وہ نہ مل سکے۔ ادھر شام کے وقت پھر ولید نے امام کے پاس آدمی بھیجا۔ آپ نے فرمایا: ”اس وقت تو میں نہیں آ سکتا، صبح ہونے دو پھر دیکھیں گے کیا ہوتا ہے“۔ ولید نے یہ بات مان لی اور آپ نے اسی رات اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ گھر والوں کو فرمایا کہ تم تیاری کرو اور آپ خود مسجد نبوی شریف میں روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہوئے اور نوافل ادا کر کے جوں ہی چہرۂ رسول کے سامنے پہنچ کر دست بستہ سلام کے الفاظ ادا کیے بے ساختہ آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ جوار رسول سے دوری اور شہر رسول سے جدائی کے غم انگیز خیال نے آپ پر رقت طاری کر دی۔ یہی وہ شہر تھا جس میں آپ نے عمر عزیز کا اب تک بیش تر حصہ گزارا تھا۔ بچپن سے اب تک اسی شہر کی پرنور فضاؤں اور معطر ہواؤں میں روز و شب کا سلسلہ رہا تھا۔ یہ شہر آپ کے نانا جان کا شہر تھا آپ اس گلشن رسول کے مہکتے پھول تھے مگر اب اس شہر میں آپ کا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ اسی شہر میں آپ کی والدہ ماجدہ کا مدفن تھا آپ کے بھائی اسی شہر میں آرام فرما تھے۔ اس وقت امام پاک کی کیا کیفیت ہو گی وہ روضۂ رسول پر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کر رہے تھے۔ نانا جان کے روبرو اپنا احوال بیان کر رہے تھے ۔

مزارِ مصطفیٰ پر شام ہوتے ہی امام آئے
اجازت کی غرض سے آخری کرنے سلام آئے
کہا رو کر سلام اے تاج دارِ عالَمِ امکان
سلام اے سیدِ عالَم سلام اے سرورِ ذی شان
ذرا دیکھو تو چہرے سے اٹھا کر گوشۂ داماں
حسین ابنِ علی پر تنگ ہیں طیبہ کی اب گلیاں
ذرا حجرے سے نکلو اے مکین گنبد خضرا
ذرا دیکھو تو اہل بیت پر ہیں سختیاں کیا کیا
یزیدی دور ہے، اسلام ہے سرکار خطرے میں
نواسا آپ کا اس وقت ہے دشمن کے نرغے میں
میں قرباں اے مجھے ناز ونعم سے پالنے والے
مصائب آنے والے دم زدن میں ٹالنے والے
ہماری بے کسی درماندگی کی لاج رکھ لینا
ہمیں نظروں میں اپنی صاحبِ معراج رکھ لینا
بس اب اے قبلۂ دیں مجھ کو جانے کی اجازت ہو
لبِ اطہر سے فرما دو حسین اب جاؤ رخصت ہو
مدینے سے شہِ کونین کا نورِ نظر نکلا
وطن سے بے وطن ہو کر وطن کا تاج ور نکلا

امام پاک اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے☆۔

محمد بن حنفیہ کا مشورہ

حضرت محمد بن حنفیہ نے آپ سے کہا بھائی میں تم سے زیادہ کسی کو محبوب اور عزیز نہیں

☆۔ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۶۔طبری، جلد ۶، صفحہ ۱۹۰

رکھتا اور تمام خلق خدا میں کسی کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا کہ اس کے ساتھ آپ سے زیادہ خیر خواہی کروں لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے آپ یزید کی بیعت اور کسی مخصوص شہر کے ارادہ سے الگ رہیں اور دیہات اور ریگستان میں قیام کریں اور لوگوں کے پاس اپنے قاصد بھیج کر ان کو اپنی بیعت کی دعوت دیں اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو آپ اس پر اللہ کا شکر کریں اور اگر وہ کسی اور شخص پر متفق ہو جائیں تو اس سے آپ کے اوصاف و کمالات اور فضیلت میں اللہ کچھ کمی اور کچھ فرق نہ آنے دے گا۔ مجھے خوف ہے کہ ان حالات میں اگر آپ کسی مخصوص شہر یا کسی مخصوص جماعت کے پاس جائیں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ایک گروہ آپ کے ساتھ ہو گا اور دوسرا آپ کے خلاف۔ پھر ان دونوں میں جنگ و جدال کی نوبت آئے گی اور سب سے پہلے آپ ان کے نیزوں کا نشانہ بنیں گے۔ ایسی صورت میں ایک معزز اور شریف ترین شخص جو بہ لحاظ حسب و نسب اس ساری امت سے بہتر ہے، اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہو جائے گا اور اس کے اہل و عیال کو ذلیل کیا جائے گا۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: بھائی پھر میں کہاں جاؤں؟ محمد بن حنفیہ نے کہا، مکہ! اگر وہاں آپ کو اطمینان حاصل ہو جائے تو کوئی نہ کوئی سبیل پیدا ہو جائے گی اور اگر اطمینان حاصل نہ ہو تو پھر ریگستانوں اور پہاڑوں کی طرف چلے جائیں اور ایک مقام سے دوسری مقام کی طرف منتقل ہوتے رہیں اور لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات دیکھتے رہیں پھر آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کیوں کہ جب واقعات سامنے آ جاتے ہیں تو رائے بہت زیادہ صحیح ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا بھائی تم نے خیر خواہی اور شفقت فرمائی ہے، مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تمہاری رائے درست اور موافق ثابت ہو گی۔ یہ کہہ کر آپ یزید بن مفرغ کے یہ اشعار بطور مثال پڑھتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔

لاذ عرت السوام فی فلق الصبح مغیرا ولا دعیت یزیدا

یوم اعطی من المهابة ضیما والمنایا یرصد ننی ان احیدا

جس دن کہ ظلم و ستم سے میرا اگلا گھونٹ دیا جائے گا اور موت میرا انتظار کر رہی ہو گی اگر میں میدان چھوڑ جاؤں تو (پھر کبھی بھی) صبح کے وقت غارت گری کے لیے اونٹوں کو نہ

چونکاؤں گا اور نہ ہی اپنا نام یزید رکھوں گا۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۶۔طبری، جلد ۶، صفحہ ۱۹۰)

ایک شبہ

’’خلافت معاویہ و یزید‘‘ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: محمد بن حنفیہ، امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے خروج کو طلب حکومت و خلافت کا ایک ایسا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔ (صفحہ ۷۹)

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کے نزدیک خروج امام مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے ناجائز اور نامناسب ہوتا تو پھر وہ امام کو یہ کیوں کہتے کہ یزید کی بیعت سے الگ رہو اور اپنی بیعت کی دعوت دو بلکہ وہ واضح الفاظ میں یوں کہتے کہ تمہارے لیے از روئے شریعت کسی حالت میں بھی یہ خروج جائز نہیں اور نہ تمہیں خلیفہ راشد و عادل کے ہوتے ہوئے یہ حق پہنچتا ہے کہ تم اس کے خلاف بغاوت کرو۔ محمد بن حنفیہ کا ان کو خروج سے نہ روکنا اور تدبیریں بتانا کہ دیہات اور پہاڑوں میں قیام کرو اور لوگوں کے پاس وفود بھیجو اور ان کو اپنی بیعت کی دعوت دو، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک امام کا خروج شرعی طور پر ناجائز نہ تھا بلکہ امام جو طریقہ اختیار کر رہے تھے وہ طریقہ ان کے نزدیک مصلحت کے خلاف اور غیر مفید تھا۔ رہا خود ان کا بیعت کرنا تو وہ بعض صحابہ کی طرح فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے تھا نہ کہ خلیفہ کے کردار کی خوبی یا اس کے برحق ہونے کی بناء پر تھا۔

ثابت ہوا کہ محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) بھی دوسرے بعض صحابہ کی طرح فی نفسہ یزید کے خلاف خروج کو ناجائز یا برا نہیں جانتے تھے بلکہ خارجی اسباب و وجوہ کی بناء پر اسے غیر موثر اور خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔ لہٰذا خلافت معاویہ و یزید کے مولف کا یہ کہنا کہ محمد بن حنفیہ، امام پاک کے خروج کو شرعی طور پر ناجائز سمجھتے تھے، بالکل غلط اور تاریخ کی کھلی تکذیب ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) کا مشورہ دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی تھا ارباب عقل و دانش اس قسم کی مصلحت آمیزیوں اور دور اندیشیوں سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں اور بعض موقعوں پر مصلحت سے کام لینا کوئی بری

بات بھی نہیں ہے۔لیکن اہل عشق و محبت کا مزاج کچھ اس سے مختلف ہی واقع ہوا ہے۔ اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

عقل در پیچاک اسباب و علل   عشق چوگاں باز میدانِ عمل

عقل اسباب وعلل کے پیچ وخم میں الجھی رہتی ہے۔عشق عمل کے میدان کے کھلاڑی کا کھیل ہے۔

عقل را سرمایۂ از بیم و شک است   عشق را عزم و یقین لاینفک است

عقل کا سرمایہ خوف وڈر اور شک وشبہ ہے۔عشق کا سرمایہ غیر متزلزل عزم ویقین ہے۔

عقل محکم از اساسِ چون چند   عشق عریاں از لباس چون چند

عقل اگر مگر اور کیوں اور کیسے کی بنیاد پر قائم ہے۔عشق اگر مگر کے پہناوے سے برہنہ وآزاد ہے۔

عشق صید از زور بازو افگند   عقل مکّار است و دامے می زند

عشق اپنے زور بازو سے شکار مارتا ہے۔عقل مکار ہے جال لگاتی ہے۔

عقل چوں باداست ارزاں در جہاں   عشق کم یاب و بہائے او گراں

عقل ہوا کی مانند ہے اور جہاں میں سستی وعام ہے۔عشق کم یاب ہے اور بہت قیمتی ہے۔

جملہ عالم ساجد و مسجود عشق   سومناتِ عقل را محمود عشق

سارا جہان ساجد اور عشق مسجود ہے۔عشق عقل کے سومنات کے لیے محمود (غزنوی) ہے۔

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر   در طریقِ عشق اوّل منزل است

مال وجان اور سر دینا۔راہ عشق کی پہلی منزل ہے۔

عشق سلطان است و برہانِ مبیں   ہر دو عالَم عشق را زیرِ نگیں

عشق بادشاہ اور روشن برہان ہے۔دونوں عالم عشق کے زیر نگیں ہے۔

مدینہ منورہ سے رحلت

امام عالی مقام مدینہ منورہ کو چھوڑتے وقت جب اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضہ انور

پر حاضر ہوئے ہوں گے اور صلوٰۃ وسلام عرض کر کے رخصت واجازت طلب کی ہوگی۔ اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ بلاشبہ دیدۂ خون بار نے اشک غم کی بارش کی ہوگی۔ قلب حزیں صدمہ جدائی وفراق سے گھائل ہورہا ہوگا اور لبوں پر یہ الفاظ ہوں گے۔ کندھوں پر چڑھا کر کھلانے والے نانا، آغوش رحمت ومحبت میں لے کر لوریاں سنانے والے نانا، ماتھے، رخسار اور لبوں کو چومنے والے نانا، اے میرے ناز اٹھانے والے نانا، آج میرا حال دیکھیے، میں غم گین وپریشان ہوں، اشک بار ہوں۔ اس لیے کہ آپ کا یہ مقدس شہر چھوڑ رہا ہوں۔ وہ شہر جو مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے لیکن میں کیا کروں، میرا یہاں رہنا دشوار ہوگیا ہے۔ میں جارہا ہوں مجھے اجازت دیجئے اور ادھر روضۂ اقدس میں نازوں سے پالنے والے نانا جان حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا حالت ہوگی۔ یہ تصور دلوں کو پاش پاش کر دیتا ہے یہ دن کیسا دن تھا۔ سخت رنج والم کا دن تھا کہ نواسہ نبی جگر گوشہ علی، نور دیدۂ زہرا، سرور قلب حسن مجتبیٰ جارہا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جارہا ہے ؎

ہاں نگاہِ غور سے دیکھ اے گروہِ مومنیں — جا رہا ہے کربلا خیر البشر کا جانشیں
آسماں ہے لرزہ براندام جنبش میں زمیں — فلک پر ہے سایہ افگن شہپر روح الامیں
اے شگوفو السلام اے خفتہ کلیو الوداع — اے مدینہ کی نظر افروز گلیو الوداع

پھر آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے شعبان ۶۰ھ میں مع اہل وعیال مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے۔ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ (القصص:۲۱) تو وہ اس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے کہا اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات

راستہ میں حضرت عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کو مع اہل وعیال مدینہ منورہ سے جاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں، آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ فرمایا فی الحال تو مکہ مکرمہ جارہا ہوں۔ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے استخارہ

کروں گا کہ کہاں جاؤں؟ عبداللہ نے کہا۔ اللہ آپ کو خیر و عافیت سے رکھے اور ہمیں آپ پر فدا کرے۔ جب آپ مکہ پہنچ جائیں تو کوفہ کا ہرگز ارادہ نہ فرمائیں کیوں کہ وہ ایک منحوس شہر ہے، وہیں آپ کے والد ماجد شہید ہوئے اور وہیں آپ کے بھائی حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور ان پر برچھی کا وار کیا گیا قریب تھا کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو جاتے۔ آپ مکہ ہی میں رہیں اس کو نہ چھوڑیں۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ اہل حجاز آپ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ ہر طرف سے لوگ آپ کے پاس آئیں گے۔ میرے چچا اور ماموں آپ پر نثار ہوں، آپ حرم کعبہ کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیئے گا۔ خدا کی قسم! اگر خدانخواستہ آپ قتل ہو گئے تو آپ کے بعد ہم سب غلام بنائے جائیں گے۔

مکہ مکرمہ آمد

جب امام پاک مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو یہ آیت پڑھی۔ **وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾** ۔اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوا کہا امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ چلائے گا۔(القصص:۲۲)

آپ کے مکہ مکرمہ پہنچنے کی خبر سن کر لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آنے لگے اور زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر بھی مکہ ہی میں تھے وہ بھی آپ کے پاس آتے جاتے۔ اہل مکہ کو آپ کے آنے کی بہت خوشی ہوئی تھی وہ آپ کے دیدار پر انوار سے اپنے دیدہ و دل کو روشن و منور کرتے ہوئے کہہ رہے تھے ؎

آمدی و آمدنت بس خوشی است — دیدن روئے تو عجب دل کشی است
دولت وصل تو دائم ز خدا می جستیم — کعبۂ کوئے تو از راہ صفا می جستیم (☆)
مرحبا سرورِ عالَم کے پسر آئے ہیں — سیّدہ فاطمہ کے لختِ جگر آئے ہیں

☆ ترجمہ:۔(اے سیدنا امام پاک) آپ آئے اور آپ کا آنا بہت بڑی خوشی ہے، آپ کے چہرے اور جمال کو دیکھنا عجب دل کشی ہے۔
آپ کے وصل ہی کی دولت ہم خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ کعبے کو آپ ہی کی گلی جاتی ہے خلوص سے ہم اسے ہی ڈھونڈ رہے ہیں۔

نخلِ بستانِ نبوت کے ثمر آئے ہیں　　جن سے روشن ہے زمانہ وہ قمر آئے ہیں
واہ قسمت کہ چراغِ حرمین آئے ہیں　　اے مسلمانو مبارک کہ حسین آئے ہیں

اہل کوفہ کے خطوط اور وفود

کوفہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شیعوں اور محبوں کا مرکز اور گڑھ تھا اس لیے کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے منتقل کر کے کوفہ میں قائم کیا تھا۔ لہٰذا آپ کے سب محب وہیں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی امام عالی مقام کی خدمت میں کوفہ تشریف آوری کی درخواستیں بھیج چکے تھے۔ اب جب اہل کوفہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال کرنا اور امام عالی مقام اور عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر کا بیعت یزید سے انکار کرنا معلوم ہوا تو کوفہ کے تمام شیعہ سلیمان بن صرد الخزاعی کے گھر جمع ہوئے۔ محمد بن بشر ہمدانی کا بیان ہے:

اجتمعت الشیعة فی منزل سلیمان بن صرد فذکرنا هلاك معاویة فحمدنا الله علیه فقال لنا سلیمان بن صرد ان معاویة قد هلك وان حسینا قد تقبض علی القوم ببیعته و قد خرج الی مکة وانتم شیعته و شیعة ابیه فان کنتم تعلمون انکم ناصروه و مجاهد و عدوه فاکتبوا الیه وان خفتم الوهل والفشل فلا تغروا الرجل من نفسه قالو الابل نقاتل عدوه و نقتل انفسنا دونه قال فاکتبوا الیه فکتبوا الیه (طبری، جلد ۶، صفحہ ۱۹۷)

”تمام شیعہ سلیمان صرد کے گھر جمع ہوئے اور معاویہ کے مرنے کا ذکر کر کے سب نے اللہ کا شکر کیا پھر سلیمان بن صرد نے سب سے کہا کہ معاویہ ہلاک ہو گیا ہے اور امام حسین نے یزید کی بیعت سے انکار کیا ہے اور مکہ چلے گئے ہیں اور تم لوگ ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہو۔ پس تم خوب جان لو کہ اگر تم ان کے مددگار بن سکتے ہو اور ان کے دشمنوں سے جہاد کر سکتے ہو تو ان کو لکھو اور اگر تمہیں اپنی کم زوری

اور بز دلی کا اندیشہ ہو تو ان کو دھوکا نہ دو۔ سب نے کہا نہیں ہم ان کو دھوکا نہیں دیں گے بلکہ ہم ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور ان پر اپنی جانیں نثار کریں گے۔ سلیمان نے کہا پھر لکھو تو انہوں نے آپ کی طرف لکھا''۔

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب ''جلاء العیون'' مصنفہ ملّا باقر مجلسی اصفہانی میں ہے:

''جب یہ خبریں اہل کوفہ کو پہنچیں شیعان کوفہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے حمد و ثنائے الٰہی بجالائے اور در بارۂ فوت معاویہ و بیعت یزید میں گفتگو کی۔ سلیمان نے کہا کہ جب کہ معاویہ مر گیا اور امام حسین بیعت یزید سے انکار کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے اور تم ان کے شیعہ ہو اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہو اگر جانتے ہو کہ ان کی نصرت کر سکو گے اور بہ جان و مال ان کی نصرت میں کوشش کر سکو گے ایک عریضہ ان کی خدمت میں لکھ کر یہاں بلا لو اور اگر ان کی نصرت میں سستی و کاہلی کرو گے یہ جان لو کہ شرط نیک خواہی اور متابعت کی بجا آوری نہ کرو گے تو ان کو فریب نہ دو اور ہلاکت میں نہ ڈالو۔ شیعوں نے کہا جب حضرت اس شہر کو اپنے نور قدوم سے منور کریں گے ہم سب بہ قدم اخلاص ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کریں گے اور ان کی نصرت میں جان فشانی اور دشمنوں سے حفاظت میں کوشش کریں گے''۔

(جلاء العیون مترجم، جلد ۲، صفحہ ۱۳۸، شائع کردہ شیعہ جنرل بک ایجنسی محلہ شیعہ لاہور)

ثابت ہوا کہ امام عالی مقام کو کوفہ میں بلانے والے سب شیعہ ہی تھے۔ چناں چہ خطوط اور وفود کا تانتا لگ گیا۔ یہاں تک کہ بقول ملّا باقر مجلسی بارہ ہزار خطوط شیعہ مومنین کے امام کے پاس پہنچے۔ مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ جلد از جلد کوفہ تشریف لائیں مسند خلافت آپ کے لیے خالی ہے مومنین شیعوں کے اموال اور ان کی گردنیں آپ کے لیے حاضر ہیں سب کے سب آپ کے منتظر اور مشتاق دید ہیں۔ آپ کے سوا کوئی ہمارا امام و پیشوا نہیں ہے آپ کی مدد کے لیے یہاں لشکر مہیا و حاضر ہے۔ نعمان بن بشیر حاکم کوفہ دار الامارت میں بیٹھا ہے ہم جمعہ و عیدین کی نماز وہاں پڑھنے نہیں جاتے۔ جب آپ تشریف لائیں گے ہم اس کو کوفہ سے نکال دیں گے۔ (جلاء العیون، جلد ۲، صفحہ ۱۳۹)

آخری خط آنے کے بعد امام عالی مقام نے ان کو جواب لکھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ یہ خط حسین بن علی، شیعوں مومنوں مسلمانوں اہل کوفہ کی طرف ہے امابعد! بہت سے قاصدوں اور خطوط کے آنے کے بعد جو تم نے خط ہانی وسعید کے ہاتھ مجھے بھیجا ہے وہ مجھے پہنچا سب خطوط میں مجھے لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں بہت جلد ہمارے پاس تشریف لایئے خدا آپ کی برکت سے ہم کو بحق ہدایت کرے واضح ہو کہ میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادرعم و محل اعتماد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں اگر مسلم مجھے لکھیں جو کچھ تم نے مجھے خطوط میں لکھا ہے بمشورہ عقلاء ودانایان واشراف و بزرگان قوم لکھا ہے اس وقت میں بہت جلد ان شاء اللہ تمہارے پاس چلا آؤں گا میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ امام وہی ہے جو درمیان مردم بہ کتاب خدا حکم اور بعدالت قیام کرے اور قدم جادۂ شریعت مقدسہ سے باہر نہ رکھے اور لوگوں کو دین حق پر مستقیم رکھے۔ والسلام۔ (جلاء العیون، جلد ۲، صفحہ ۱۴۰)

امام عالی مقام نے جب اہل کوفہ کے خطوط اور وفود سے ان کے جذبات عقیدت و محبت جان و مال قربان کرنے کی تمناؤں اور کوفہ آنے کی التجاؤں کو دیکھا تو فیصلہ کیا کہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجنا چاہیے۔ چناں چہ آپ نے ان کو ایک خط دیا جو آپ نے اہل کوفہ کے نام تحریر فرمایا تھا اور فرمایا کہ آپ کوفہ جا کر بذات خود براہ راست حالات کا صحیح اندازہ لگائیں اور اطلاع دیں اگر حالات سازگار ہوں گے تو میں بھی آجاؤں گا اور اگر حالات درست نہ ہوں تو واپس آجائیں۔

صدرالافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگرچہ امام کی شہادت کی خبر مشہور تھی اور کوفیوں کی بے وفائی کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا مگر جب یزید بادشاہ بن گیا اور اس کی حکومت وسلطنت دین کے لیے خطرہ تھی اور اس وجہ سے اس کی بیعت ناروا تھی اور وہ طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا کہ لوگ اس کی بیعت کریں ان حالات میں کوفیوں کا بپاس ملت یزید کی بیعت سے دست کشی کرنا اور حضرت امام سے بیعت ہونا امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں۔ جب ایک قوم ظالم وفاسق کی بیعت پر راضی

نہ ہو اور صاحب استحقاق اہل سے درخواست بیعت کرے اس پر اگر وہ ان کی استدعا قبول نہ کرے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ امام اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے تو بارگاہ الٰہی میں کوفیوں کے اس مطالبے کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا کہ ہم ہر چند درپے ہوئے مگر امام بیعت کے لیے راضی نہ ہوئے۔ بدیں وجہ ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنا پڑی اگر امام ہاتھ بڑھاتے تو ہم ان پر جانیں فدا کرنے کے لیے حاضر تھے۔ یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا جس کا حل بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ حضرت امام ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔ اگرچہ اکابر صحابہ کرام حضرت ابن عباس و حضرت ابن عمر و حضرت جابر و حضرت ابو واقد لیثی وغیرہم حضرت امام کی اس رائے سے متفق نہ تھے اور انہیں کوفیوں کے عہد و مواثیق کا اعتبار نہ تھا۔ امام کی محبت اور شہادت امام کی شہرت ان سب کے دلوں میں اختلاج پیدا کر رہی تھی گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی، کہ شہادت کا یہی وقت ہے اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہوگا لیکن اندیشہ مانع تھا۔ حضرت امام کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت درپیش تھی کہ اس استدعا کو رد کرنے کے لیے عذر شرعی کیا ہے؟ ادھر ایسے جلیل القدر صحابہ کے شدید اصرار کا لحاظ۔ ادھر اہل کوفہ کی استدعا رد فرمانے کے لیے کوئی عذر شرعی نہ ہونا حضرت امام کے لیے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا جس کا حل بجز اس کے کچھ نظر نہ آیا کہ پہلے حضرت امام مسلم کو بھیجا جائے اگر کوفیوں نے بدعہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی دی جا سکے گی۔ (سوانح کربلا، صفحہ ۵۲)

شاہ نے اپنی نیابت کے لیے ان کو چنا
اہل کوفہ کو یہ خود شاہ نے نامہ لکھا
آپ لوگوں کی طلب پر انہیں ہم نے بھیجا
ان کی سب لوگ اعانت و حمایت کرنا

چل دیئے مکّہ سے اس نامہ کو لے کر مسلم
آخرش پہنچ گئے کوفہ کے اندر مسلم

☆☆☆

اتباعِ اہلِ بیتِ پاک کر سکتے نہیں
عشق کا دعویٰ ہے پر تقلید کر سکتے نہیں

حضرت مسلم کوفہ میں

حضرت مسلم اپنے دونوں صغیر السّن صاحب زادوں محمد اور ابراہیم کو ساتھ لے کر کوفہ پہنچے (☆)، کوفہ والے منتظر اور چشم برراہ تھے۔ انہوں نے آپ کے آنے پر بے پناہ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا۔ آپ نے مختار بن ابو عبیدہ ثقفی اور بقول بعض ابن عوسجہ کے ہاں قیام فرمایا۔ محبان اہل بیت بڑے جوش عقیدت سے بیعت کرنے لگے اور بیعت کے وقت بڑی بڑی قسمیں کھاتے تھے کہ جان ومال قربان کر دیں گے اور آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ امام مسلم نے جب ان کے جذباتِ عقیدت ومحبت کو دیکھا تو امام عالی مقام کی خدمت میں عریضہ لکھا، اس میں حالات کی اطلاع دی اور یہ کہ اب تک اٹھارہ ہزار آدمی بیعت کر چکے ہیں آپ ضرور تشریف لائیں تاکہ ملت اسلامیہ کو یزید کے ناپاک تسلط سے نجات ملے اور لوگ امام برحق اور خلیفہ عادل وراشد کی بیعت کے شرف سے مشرف ہوں اور دین حق کی تائید ہو۔

کیا اظہار اربابِ عقیدت نے مسرت کا — ہوا سامان گھر گھر خیر سے مسلم کی دعوت کا
بہ کثرت نزدِ مسلم لوگ آئے شادماں ہوکر — امامِ پاک کا یہ خط سناتے ترجماں ہوکر
ترقی رات دن ہونے لگی اہلِ عقیدت کی — ہزاروں کوفیوں نے حضرت مسلم سے بیعت کی
موافق جب فضائے کوفہ مسلم کو نظر آئی — جماعت لڑنے مرنے کے لیے بھی مستعد پائی
لکھے حالات سب مسلم نے فرزندِ پیمبر کو — بلایا جانبِ کوفہ حسین و آلِ حیدر کو

☆ بعض نے لکھا ہے کہ فرزند ساتھ نہیں گئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (کوکب غفرلہ)

یزید کو اطلاع

حضرت مسلم کے آنے کا چرچا اور اہل کوفہ کا جوش عقیدت سے بیعت کرنا اور دن بہ دن ان کے جوش میں اضافہ دیکھ کر یزید کے حامیوں عبداللہ بن مسلم اور عمارہ بن ولید نے یزید کو اطلاع کر دی کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے مسلم بن عقیل کوفہ میں آ گئے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور نعمان بن بشیر گورنر کوفہ نے ان کے خلاف اب تک کوئی خاص کارروائی نہیں کی اور نہ ہی وہ کوئی انسدادی تدابیر عمل میں لائے ہیں لہٰذا اگر سلطنت کی بقاء منظور ہے تو فوراً اس کا تدارک کیا جائے اور سخت قدم اٹھایا جائے ورنہ فی الحال عراق ہاتھ سے جاتا ہے۔

یہ اطلاع پاتے ہی یزید سخت غضب ناک ہوا اور اس نے اپنے خاص دوستوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ فوراً کسی سخت ترین آدمی کو مقرر کیا جائے جو کسی کا لحاظ اور پرواہ نہ کرے اور وہ عبیداللہ بن زیاد ہے، چناں چہ یزید نے حضرت نعمان بن بشیر گورنر کوفہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ ابن زیاد کو (جو ان دنوں بصرہ کا گورنر تھا) مقرر کر دیا اور اس کو حکم دیا کہ فوراً کوفہ جائے اور مسلم کو گرفتار کر لے اور ملک بدر کر دے اور اگر وہ اس میں مزاحمت کریں تو قتل کر دے اور بیعت کرنے والوں کو ڈرائے اور دھمکائے کہ وہ باز آ جائیں ورنہ ان کو بھی ختم کر دے اور حسین آئیں تو ان سے بھی میری بیعت طلب کرے اگر وہ بیعت کر لیں تو بہتر ورنہ ان کو بھی قتل کر دے۔ (معاذ اللہ) ☆

ابن زیاد کو یزید کا یہ حکم نامہ بصرہ میں ملا۔ اتفاق سے اسی دن امام عالی مقام کی جانب سے ایک قاصد اہل بصرہ کے نام آپ کا ایک خط لایا تھا کیوں کہ اہل بصرہ بھی آپ کی طرف مائل تھے آپ نے اس خط میں اہل بصرہ کو لکھا تھا:

قَدْ بَعَثْتُ رَسُوْلِیْ اِلَیْکُمْ بِھٰذَا الْکِتَابِ وَاَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وَ سُنَّۃِ نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ السُّنَّۃَ قَدْ اُمِیْتَتْ وَاِنَّ الْبِدْعَۃَ

☆ (تاریخ اسلام، ص 571 ج 2، سیر اعلام النبلاء، ص 305 ج 3، الوافی بالوفیات، ص 263 ج 12، ابن عساکر، ص 214 ج 14، ص 396 ج 65، تاریخ الخلفاء، ص 157 ج 1)

قَدْ أُحْيِيَتْ وَإِنْ تَسْمَعُوْا قَوْلِیْ وَ تُطِیْعُوْا اَمْرِیْ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ

''میں نے اپنا قاصد تمہارے پاس یہ مکتوب دے کر بھیجا ہے اور میں تمہیں کتاب اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف بلاتا ہوں۔ اس لیے کہ سنت مٹا دی گئی ہے اور بدعت کو زندہ کیا گیا ہے اگر تم لوگ میری بات سنو گے اور مانو گے تو میں تمہیں راہ ہدایت پر چلاؤں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ''۔

اشراف بصرہ نے اس خط کو پڑھا اور اس کو پوشیدہ رکھا مگر منذر ابن الجارود کو یہ اندیشہ گمان ہوا کہ یہ قاصد کہیں ابن زیاد کا جاسوس نہ ہو اور اس نے امتحاناً اشراف بصرہ کے پاس بھیجا ہو وہ خط اور قاصد کو لے کر ابن زیاد کے پاس آیا اور اس کو خط بھی دکھایا۔ ابن زیاد نے اسی وقت امام کے قاصد کو گرفتار کر کے قتل کروا دیا اور جامع بصرہ میں لوگوں کے سامنے سخت تہدید آمیز تقریر کی۔ امابعد!

''امیر المومنین نے مجھے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی عطا فرمائی ہے، اس لیے میں کوفہ جا رہا ہوں میری غیر موجودی میں میرا بھائی عثمان بن زیاد میرا نائب ہوگا تم لوگ اختلاف اور بغاوت سے اجتناب کرو ورنہ خدا کی قسم! جس شخص کے متعلق بھی مجھے معلوم ہوگا کہ وہ اختلاف اور بغاوت میں حصہ لے رہا ہے اس کو اس کے سب حامیوں اور دوستوں کو بھی نہیں چھوڑوں گا میں قریب کو بعید کے عوض پکڑوں گا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا یہاں تک کہ تم سب لوگ راہ راست پر آ جاؤ اور مخالفت کا نام ونشان نہ رہے یاد رکھو میں زیاد کا بیٹا ہوں اور ٹھیک اپنے باپ کے مشابہ ہوں''۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۰۰)

ابن زیاد کا کوفہ میں آنا

ابن زیاد نے اپنے گھر والوں کے علاوہ پانچ سو آدمی اپنے ساتھ لیے اور بصرہ سے چلا، ان میں سے کچھ راستے ہی میں ٹھہر گئے مگر اس نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور برابر چلتا رہا۔

قادسیہ پہنچ کر اس نے اپنے سپاہیوں کو وہیں چھوڑا اور براہ فریب حجازی لباس پہنا، اونٹ پر سوار ہوا۔ اور بیس آدمی اپنے ساتھ لے کر اس راستہ سے جو حجاز سے کوفہ آتا تھا، مغرب و عشاء کے درمیان رات کی تاریکی میں کوفہ آیا۔ اس مکر و فریب سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت کوفیوں میں بہت جوش ہے، یزید کے خلاف ایک لہر دوڑی ہوئی ہے ایسے طور پر داخل ہونا چاہیے کہ لوگ نہ پہچانیں بلکہ یہ سمجھیں کہ امام حسین تشریف لے آئے اور وہ اس طرح امن و عافیت کے ساتھ کوفہ میں داخل ہو جائے نیز لوگوں کے جذبات کا بھی پتا چل جائے گا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ زیادہ کون لوگ پیش پیش ہیں۔

اہل کوفہ جو ہمہ تن چشم انتظار برائے حضرت امام ابرار تھے انہوں نے شب کی تاریکی میں حجازی لباس اور حجازی راہ سے آتے دیکھ کر دھوکا کھایا، سمجھے کہ حضرت امام تشریف لے آئے، نعرہ ہائے مسرت بلند کیے، مراسم عقیدت و سلام بجا لائے اور مَرْحَبًا بِكَ یَا ابْنَ رَسُولِ اللہ اور قَدِمْتَ خَیْرَ مَقْدَمٍ کہتے ہوئے اس کے آگے پیچھے چلے، شور سن کر اور لوگ بھی گھروں سے باہر آ گئے اور ایک اچھے خاصے جلوس کی شکل بن گئی۔ ابن زیاد بدنہاد دل میں جلتا اور کڑھتا ہوا چپ چاپ چلتا رہا، اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ لوگ امام کے بے چینی اور شدت سے منتظر ہیں اور ان کے دل کس قدر ان کی طرف مائل ہیں۔ جب وہ دار الامارت (گورنر ہاؤس) کے قریب پہنچا تو حضرت نعمان بن بشیر نے شور و غل سن کر اور کثرت ہجوم دیکھ کر سمجھ لیا کہ امام تشریف لے آئے انہوں نے دروازہ بند کر لیا اور چھت پر چڑھ کر پکارے، اے ابن رسول اللہ! آپ یہاں سے چلے جائیں۔ خدا کی قسم! میں اپنی امانت آپ کے حوالے نہیں کروں گا اور نہ میں آپ سے لڑوں گا۔ یہ سن کر ابن زیاد قریب ہوا اور کہا ارے دروازہ کھول تیرا بھلا نہ ہو، اس کے پیچھے ایک آدمی کھڑا تھا اس نے اس کی آواز سے اس کو پہچان لیا اور پیچھے ہٹ کر لوگوں سے کہا، خدا کی قسم یہ تو ابن مرجانہ ہے۔ نعمان نے دروازہ کھول دیا۔ ابن زیاد نے قصر امارت میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور لوگ بڑے افسوس اور مایوسی کے ساتھ منتشر ہو گئے۔ رات گزار کر صبح ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی:

''امیر المومنین یزید نے مجھے کوفہ کا گورنر مقرر کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں مظلوم کے ساتھ انصاف کروں اور مطیع و فرمان بردار کے ساتھ احسان کروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کروں میں اس حکم کی سختی سے پابندی کروں گا۔ جو شخص مطیع وفرمان بردار ہے اس کے ساتھ شفقت سے پیش آؤں گا اور جو شخص نافرمان ہے اس کے لیے میرا چابک اور میری تلوار ہے تمہیں چاہیے تم اپنی خیر مناؤ اور اپنے اوپر رحم کرو''۔

اس تقریر کے بعد اس نے مشاہیر کوفہ کو گرفتار کیا اور ان سب سے کہا کہ تحریری ضمانت دو کہ تم اور تمہارے قبیلے کے لوگ کسی مخالف کو اپنے ہاں پناہ نہیں دیں گے اور نہ کسی قسم کی مخالفانہ سرگرمیوں میں حصہ لیں گے اور اگر کسی نے کسی مخالف کو پناہ دے رکھی ہے تو وہ اس کو پیش کرے گا۔ جو لکھ کر دے گا اور اس پر پابندی کرے گا وہ بری ہو جائے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا اس کا مال و جان دونوں ہم پر حلال ہوں گے۔ ہم اس کو قتل کر کے اسی کے دروازہ پر لٹکا دیں گے اور اس کے تمام متعلقین کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

ابن زیاد کے آنے اور ڈرانے دھمکانے سے اہل کوفہ گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو گئے اور ان کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی۔ حالات کے پیش نظر حضرت مسلم نے مختار بن عبیدہ کے ہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور رات کے وقت وہاں سے نکل کر اکابر کوفہ میں سے ایک محبِّ اہل بیت ہانی بن عروہ مذحجی کے ہاں آئے۔ ہانی کو آپ کا آنا سخت ناگوار ہوا، کہنے لگا اگر آپ یہاں نہ آتے تو اچھا تھا۔ آپ نے فرمایا میں خاندان رسالت کا ایک غریب الوطن مسافر ہوں، مجھے پناہ دو۔ ہانی نے کہا اگر آپ میرے مکان میں داخل نہ ہو گئے ہوتے تو میں یہی کہتا کہ آپ چلے جائیں۔ لیکن اب یہ میری غیرت کے خلاف ہے کہ آپ کو گھر سے نکال دوں۔ ہانی نے مکان کے زنانہ حصے کے ایک محفوظ کمرے میں آپ کو چھپا دیا۔

شریک ابن اعور

شریک بن اعور سلمی جو محبان اہل بیت میں سے ایک بڑا محب تھا اور روسائے بصرہ میں

سے ایک رئیس اور معزز شخص تھا اور ابن زیاد کے ساتھ بصرہ سے کوفہ آیا تھا، وہ بھی ہانی بن عروہ کا مہمان تھا۔ ابن زیاد اور دیگر امراء کے نزدیک وہ بڑا مکرم تھا، وہ بیمار ہو گیا۔ ابن زیاد نے اس کو پیغام بھیجا کہ میں شام کو تمہاری عیادت کو آؤں گا۔ شریک نے حضرت مسلم سے کہا کہ اگر میں آپ کو ابن زیاد کے قتل کا موقع فراہم کر دوں تو آپ اسے قتل کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! شریک نے کہا وہ مردود آج شام کو میری عیادت کے لیے آرہا ہے آپ تلوار ہاتھ میں لے کر چھپ کر بیٹھ جائیں اور جب میں کہوں مجھے پانی پلا دو تو آپ ایک دم اس پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دیں پھر بڑی آسانی کے ساتھ دار الامارات اور کوفہ پر قبضہ ہو جائے گا اور اگر میرا مرض اچھا ہو گیا تو بصرہ جا کر آپ کے لیے وہاں کا سب انتظام میں کر لوں گا۔

شام کو ابن زیاد خاص محافظ (باڈی گارڈ) کے ساتھ ہانی کے گھر آیا اور شریک کے بستر کے پاس بیٹھ کر مزاج پرسی کرنے لگا۔ اس کا محافظ بھی اس کے پاس کھڑا تھا۔ شریک نے بلند آواز سے کہا مجھے پانی پلاؤ، پانی پلاؤ۔ تیسری مرتبہ کہا افسوس تم پر تم لوگ مجھے پانی سے پرہیز کراتے ہو پانی پلا دو خواہ اس میں میری جان چلی جائے۔ حضرت مسلم نہ نکلے تو شریک کو افسوس ہوا کہ کیسا زریں موقع کھو رہے ہیں تو وہ شعر پڑھنے لگے۔

مَا تَنْظُرُوْنَ بِسَلْمٰی اَنْ تُحَیُّوْهَا اِسْقِنْیِهَا وَاِنْ کَانَتْ فِیْهَا نَفْسِیْ

سلمٰی (مطلوب) کو سلام کرنے میں تمہیں اب کیا انتظار ہے مجھے پانی پلا دو خواہ اس میں میری جان بھی چلی جائے۔ محافظ تاڑ گیا اور اس نے ابن زیاد کو آنکھ سے اشارۃً چلنے کو کہا، ابن زیاد اٹھ کھڑا ہوا۔ شریک نے کہا اے امیر میں تمہیں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا۔ میں پھر آؤں گا۔ محافظ اسے دھکیلتا ہوا باہر لے گیا اور کہا خدا کی قسم تمہارے قتل کی سازش تھی۔ ابن زیاد نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تو شریک کی خاطر و عزت کرتا ہوں اور پھر یہ ہانی بن عروہ کا مکان ہے اور اس پر میرے باپ کے احسانات ہیں۔ محافظ نے کہا جو میں کہتا ہوں وہ بالکل درست ہے، آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ابن زیاد کے جانے کے بعد مسلم پردہ سے باہر آئے تو شریک نے کہا افسوس! آپ کو

اس کے قتل سے کس چیز نے روکا؟ فرمایا دو باتوں نے، ایک تو میرے میزبان ہانی کو یہ پسند نہیں تھا کہ اس کے گھر میں ابن زیاد کا قتل ہو۔ دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان نے کہ کسی کو دغا سے قتل کرنا مومن کی شان نہیں۔

اللہ اللہ! ان پاک لوگوں کے عدل وانصاف اور پابندی شریعت وسنت کو دیکھیے کہ ایسے بدترین دشمن کے ساتھ خلاف سنت سلوک کو مناسب نہیں سمجھتے ورنہ ایک سخت ترین دشمن کو ختم کرنے کا یہ بہترین موقع تھا اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے سنا کوئی کہتا ہے:

یَا مُسْلِمُ لَا تَخْرُجْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَهٗ

''اے مسلم نہ نکل یہاں تک کہ کاتب تقدیر کا لکھا ہوا اپنی مدت کو پہنچ جائے''۔

تین دن کے بعد شریک نے وفات پائی اور ابن زیاد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد میں جب اس کو معلوم ہوا کہ شریک نے مسلم کو اس کے قتل کرنے کے لیے کہا تھا تو اس نے کہا خدا کی قسم میں کسی عراقی کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ اور واللہ اگر میرے باپ زیاد کی قبر وہاں نہ ہوتی تو میں ضرور شریک کی قبر کھدوا ڈالتا۔

مسلم کی تلاش اور جاسوس کی جاسوسی

حضرت مسلم ہانی کے گھر میں چھپے ہوئے تھے اور معتقدین وہاں بھی خفیہ طور پر ملاقات کے لیے آتے جاتے تھے اور بیعت کا سلسلہ برابر جاری تھا بعض روایتوں میں آتا ہے کہ چالیس ہزار افراد نے بیعت کر لی تھی۔

ادھر ابن زیاد برابر اس تجسس میں تھا کہ پتا چلے کس نے ان کو پناہ دے رکھی ہے؟ اور ہانی پر اس کو شبہ تک بھی نہیں تھا۔ آخر اس نے اپنے غلام معقل کو اس کام پر مامور کیا اور اس کو تین ہزار درہم دے کر سراغ لگانے کے طریقے سمجھا دیئے۔ اس قسم کے راز معلوم کرنے کے لیے بہترین مقامات مسجدیں ہوتی ہیں کیوں کہ مسجدوں میں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں چناں چہ وہ غلام بھی سیدھا جامع مسجد میں پہنچا اور بیٹھا رہا۔ اس نے دیکھا کہ ایک صاحب

مسلسل نماز پڑھ رہے ہیں، یہ مسلم بن عوسجہ الاسدی تھے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ معقل آپ کے پاس گیا اور کہنے لگا میں ایک شامی غلام ہوں اور محب اہل بیت ہوں میرے پاس یہ تین ہزار درہم ہیں، میں نے سنا ہے کہ خاندان رسالت کے ایک صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں اور لوگوں سے فرزند رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بیعت لیتے ہیں، میں ان کی خدمت میں یہ رقم بطور نذرانہ عقیدت پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ اس کو کسی کار خیر میں صرف کریں اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ حضرت کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ مسلم بن عوسجہ نے کہا مسجد میں اور لوگ بھی تھے تم نے ان سے یہ کیوں نہیں کہا، مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا: آپ کے چہرے پر خیر و برکت کے آثار یہ بتا رہے ہیں کہ آپ یقینا ان کے دوستوں میں سے ہیں اس لیے میں نے آپ سے پوچھا ہے، خدارا آپ مجھے اس سعادت سے محروم نہ کریں اور ان کا پتا ضرور بتا دیں۔

غرض مسلم بن عوسجہ پر اس کی پُر فریب گفتگو اثر کر گئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ واقعی اہل بیت کا محب و معتقد ہے۔ دوسرے دن وہ اس کو حضرت مسلم کے پاس لے گئے اور اس کی عقیدت مندی کی خود توثیق بھی کر دی۔ اس نے تین ہزار درہم نذر پیش کر کے بیعت کی۔ بیعت کے بعد وہ عقیدت سے روزانہ آپ کی خدمت میں صبح سب سے پہلے آتا اور رات کو سب کے بعد جاتا اور جو کچھ دیکھتا سنتا اس کی پوری تفصیل ابن زیاد تک پہنچا دیتا۔ حضرت مسلم نے وہ تین ہزار درہم ابوثمامہ صائدی کو دیئے کہ ان سے ہتھیار خرید و۔

ہانی کی گرفتاری

ہانی بن عروہ کوفہ میں ایک مقتدر شخصیت تھے اور ابن زیاد کے ساتھ ان کے پہلے کچھ تعلقات بھی تھے۔ حضرت مسلم کے آنے سے پہلے وہ ابن زیاد کے پاس جاتے اور ملتے رہے۔ جب سے حضرت مسلم ان کے ہاں آئے اس دن سے انہوں نے بیماری کا بہانہ کر کے آنا جانا اور ملنا چھوڑ دیا تھا۔ ادھر ابن زیاد کو سب حالات معلوم ہو چکے تھے۔ ایک دن اس کے پاس محمد اشعث (جعدہ کا بھائی جس نے امام حسن کو زہر دیا تھا) اور اسماء بن خارجہ

آئے۔ابن زیاد نے ان سے پوچھا، ہانی کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا بیمار ہیں؟ ابن زیاد نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اچھا بھلا ہے اور سارا دن اپنے دروازہ پر بیٹھا رہتا ہے۔تم جاؤ اور اس سے کہو کہ اطاعت اور ملاقات دونوں ضروری ہیں انہیں ترک نہ کرے۔ وہ گئے اور جا کر کہا کہ ابن زیاد کو اطلاع ملی ہے کہ آپ اچھے بھلے ہیں اور سارا دن اپنے دروازہ پر بیٹھے رہتے ہیں اور ملاقات کو نہیں آتے ، ان کو کچھ بدگمانی سی ہوگئی ہے تو آپ ابھی ہمارے ساتھ چلیں تا کہ صفائی ہوجائے اور بدگمانی دور ہوجائے۔ ہانی اندر گئے اور حضرت مسلم سے یہ بات کی اور تیار ہوکر آ گئے اور ان کے ساتھ چلے گئے۔ دار الامارت کے اندر پہنچ کر ابن زیاد کو سلام کیا مگر اس نے جواب نہ دیا۔ ہانی اس خلاف معمول سلوک پر متعجب ہوئے اور دل میں کھٹکا اور خوف محسوس کیا، وہ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑے رہے۔ ابن زیاد نے کہا: ہانی یہ کیسی بات ہے کہ تم نے مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے اور روزانہ تمہارے گھر میں امیر المومنین یزید کی حکومت کے خلاف منصوبے بنتے رہتے ہیں اور ہتھیار خریدے جاتے ہیں اور لوگوں سے جنگ کرنے پر بیعت لی جاتی ہے؟ ہانی نے کہا یہ بالکل غلط ہے۔ ابن زیاد نے اسی وقت اس جاسوس معقل کو طلب کیا۔ وہ آ گیا تو کہا، اس کو پہچانتے ہو؟ معقل کو دیکھ کر ہانی کے ہوش اڑ گئے۔ اب وہ سمجھے کہ یہ ظالم عقیدت ومحبت کے پس پردہ دشمنی اور جاسوسی کر رہا تھا۔ اس عینی شاہد کے ہوتے ہوئے انکار کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے اقرار کر کے صاف صاف بیان کر دیا کہ خدا کی قسم میں نے مسلم کو بلایا نہیں اور نہ انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ میں تمہارے گھر آ رہا ہوں۔ اچانک جب وہ میرے دروازہ پر آ گئے اور مجھ سے پناہ طلب کی تو مجھے شرم آئی کہ خاندان رسالت کے ایک فرد کو گھر سے نکال دوں۔ اب میں تم سے پکا وعدہ کرتا ہوں اور جیسی ضمانت تم چاہو پیش کر دیتا ہوں، میں ابھی جا کر ان کو اپنے گھر سے نکال دیتا ہوں تا کہ جہاں ان کی مرضی ہو وہ چلے جائیں اور پھر تمہارے پاس واپس آ جاتا ہوں، مجھے اتنی دیر کے لیے مہلت دو۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم تم اس جگہ سے اس وقت تک حرکت نہیں کر سکتے جب تک یہ عہد نہ کرو کہ تم مسلم کو ہمارے حوالے کرو گے۔ ہانی نے کہا خدا کی قسم میں اپنے اس مہمان کو جس کو میں پناہ دے

چکا ہوں قتل کے لیے کبھی تمہارے حوالے نہ کروں گا۔ ابن زیاد نے کہا تمہیں حوالے کرنا ہو گا۔ ہانی نے کہا خدا کی قسم میں تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ تکرار سے جب بات بڑھنے لگی تو مسلم ابن عمر الباہلی اٹھا اور کہا خدا امیر کا بھلا کرے ذرا مجھے ہانی سے گفتگو کا موقع دیا جائے؟ ابن زیاد نے اجازت دی تو باہلی، ہانی کو لے کر ایک طرف کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا، ابن زیاد دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ باہلی نے ہانی کو بہت سمجھایا کہ تم مسلم کو امیر کے حوالے کر دو اور انکار کر کے اپنی جان اور اپنی قوم کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ امیر نہ ان کو قتل کریں گے اور نہ ان کو ضرر پہنچائیں گے۔ ہانی نے کہا اس میں میری سخت ذلت اور رسوائی ہے، باہلی نے کہا کوئی ذلت نہیں ہے۔ ہانی نے کہا اب تو میں خود بھی باہمت و طاقت ور ہوں اور میرے اعوان وانصار بھی بہت موجود ہیں، خدا کی قسم اگر میں تنہا ہوتا اور میرا کوئی یار و مددگار نہ ہوتا تو بھی میں پناہ دیے ہوئے مہمان کو دشمن کے حوالے نہ کرتا۔ باہلی ان کو مجبور کر رہا اور قسمیں دے رہا تھا مگر ہانی برابر انکار کر رہے تھے۔ ابن زیاد یہ دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور باہلی سے کہنے لگا اسے میرے پاس لاؤ۔ چناں چہ ہانی کو اس کے پاس لے گئے اس نے غضب ناک ہو کر ہانی سے کہا: مسلم کو میرے حوالے کر دو ورنہ میں تمہاری گردن مار دوں گا۔ ہانی نے کہا پھر تو تمہارے اردگرد بھی چمکتی ہوئی تلواریں ہوں گی ☆۔ یہ سن کر ابن زیاد نے ہانی کے موتھ پر پے در پے ڈنڈے مارے کہ ہانی کی ناک پھٹ گئی اور ابرو کی ہڈی ٹوٹ گئی اور کپڑے خون میں لت پت ہو گئے۔ ہانی نے ایک سپاہی کی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا مگر اس نے زور سے چھڑا لیا۔ ابن زیاد نے کہا اب تو تُو نے اپنا خون بھی ہمارے لیے مباح کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ ان کو ایک کمرے میں بند کر دو اور پہرا بٹھا دو۔ اسماء بن خارجہ اٹھے اور ابن زیاد سے کہا او دغا باز ان کو چھوڑ دے تو نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم انہیں تیرے پاس لائیں۔ جب ہم لے آئے تو تو ان کا موتھ توڑ دیا اور ان کا خون بہایا اور ان کے قتل کرنے کو بھی کہہ رہا ہے۔ ابن زیاد نے کہا اس کو بھی پکڑو اور مارو، چناں چہ سپاہیوں نے ان کو بھی بہت مارا پیٹا اور پھر ان کو بھی قید کر دیا۔ محمد بن اشعث نے کہا کہ امیر جو کچھ بھی کرے ہم تو اس پر راضی ہیں۔

☆۔ ہانی کو یقین تھا کہ اس کا قبیلہ ضرور اس کی مدد کو نکلے گا۔ ۱۲

شہر میں یہ افواہ اڑ گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ اس افواہ کو سن کر ہانی کے قبیلہ والے ہزاروں کی تعداد میں انتقام انتقام کا نعرہ لگاتے ہوئے آئے اور انہوں نے قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ اس قبیلہ کے سردار عمر بن الحجاج نے پکار کر کہا میں عمر ابن الحجاج ہوں اور میرے ساتھ قبیلہ مذحج کے شہ سوار ہیں، ہم نے کبھی اطاعت سے انحراف نہیں کیا اور نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے پھر بھی ہمارے سردار کو قتل کر دیا گیا ہے، ہم انتقام لیں گے۔ سب نے پھر انتقام انتقام کے نعرے بلند کیے۔ ابن زیاد اس نازک صورت حال کو دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اس نے قاضی شریح سے کہا آپ ہانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور پھر ہانی کے قبیلہ والوں سے کہہ دیں کہ وہ زندہ ہے اور قتل کی افواہ غلط ہے۔

قاضی صاحب ہانی کو دیکھنے گئے۔ ہانی اپنے قبیلہ کے لوگوں کا شور و ہنگامہ سن رہے تھے انہوں نے قاضی صاحب کو دیکھ کر کہا یہ آوازیں میرے قبیلہ کے لوگوں کی ہیں۔ آپ ان سے میرا حال بتا کر صرف اتنا کہہ دیں کہ اگر دس آدمی بھی اس وقت اندر آ جائیں تو میں چھوٹ سکتا ہوں۔ اس وقت بھی ان کا خون بہہ رہا تھا۔ قاضی صاحب باہر آئے تو ابن زیاد نے اپنا ایک خاص جاسوس حمید بن بکر احمری ان کے ساتھ کر دیا اور کہا آپ لوگوں سے صرف اتنا کہیں کہ ہانی زندہ ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں خدا کی قسم! اگر وہ جاسوس میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ہانی کا پیغام ضرور ان کے قبیلہ تک پہنچا دیتا۔ غرض قاضی صاحب نے لوگوں کے سامنے آ کر کہا کہ ہانی زندہ ہے۔ اس کے قتل کی خبر جو تم تک پہنچی ہے وہ غلط ہے۔ قاضی صاحب کی شہادت سن کر ان لوگوں نے کہا اگر وہ قتل نہیں کیے گئے تو خدا کا شکر ہے اور سب منتشر ہو گئے۔

ادھر حضرت مسلم نے عبداللہ بن حازم کو قصر امارت کی طرف بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ ہانی پر کیا گزری؟ انہوں نے جا کر حالات معلوم کیے اور حضرت مسلم کو آ کر بتایا کہ ابن زیاد نے ہانی کو مار مار کر زخمی کر دیا ہے اور اب وہ قید میں ہیں۔ ہانی کے قبیلہ کی عورتیں اس وقت فریاد و واویلا کر رہی تھیں۔ حضرت مسلم نے عبداللہ بن حازم سے کہا یا منصود امت پکار کر اپنے مددگاروں کو جمع کرو۔ جوں ہی انہوں نے پکارا تو وہ چار ہزار افراد جو خاص محبان اہل بیت

تھے اور اردگرد کے مکانوں میں چھپے ہوئے اسی وقت کے انتظار میں تھے، فوراً نکل آئے۔ آن کی آن میں یہ نعرہ پورے کوفہ میں گونج گیا اور وہ سب لوگ جنھوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، جمع ہو گئے۔

اٹھارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ حضرت مسلم آگے بڑھے اور قصر امارت کو گھیر لیا اور لوگ بھی آ کر محاصرین کے ساتھ شریک ہوتے گئے یہاں تک کہ چالیس ہزار ہو گئے اور یہ سب ابن زیاد اور اس کے باپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

ابن زیاد کے پاس اس وقت صرف پچاس آدمی تھے۔ تیس پولیس کے افراد اور بیس روسائے کوفہ۔ ان کے علاوہ اور کوئی طاقت مدافعت کے لیے نہ تھی۔ وہ سخت گھبرایا اور اس نے قصر امارت کا دروازہ بند کرا دیا۔

وہ وقت ایسا تھا کہ اگر حضرت مسلم حملہ کرنے کا حکم دے دیتے تو اسی وقت قصر امارت پر قبضہ ہو جاتا اور ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کو جان بچانے کے لیے کوئی راہ نہ ملتی اور یہی لشکر سیلاب کی طرح آگے بڑھتا اور یزید کے اقتدار کو تنکے کی طرح بہا کر لے جاتا۔ مگر آپ نے حملے کا حکم نہ دیا۔

اگر چہ یزید و ابن زیاد کی عداوت اظہر من الشّمس تھی مگر پھر بھی آپ نے احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اس انتظار میں رہے کہ پہلے گفتگو سے حجت کر لی جائے۔ شاید کوئی صلح کی صورت پیدا ہو جائے اور مسلمانوں میں کشت و خون نہ ہو۔ لیکن یہ انتظار دشمن کے لیے بڑا مفید ثابت ہوا۔ اس نے اس سے فائدہ اٹھایا اور ان اشراف کوفہ سے کہا جو اس کے پاس تھے کہ تم لوگ قصر امارت کی چھت پر چڑھ کر اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو میری اور یزید کی حمایت میں انعام و اکرام کا طمع و لالچ دلاؤ اور نافرمانی کرنے پر انعام و احسان سے محروم رہنے اور سخت سزا پانے کا خوف دلاؤ اور ان کو یہ بتاؤ کہ یزید کی فوجیں شام سے روانہ ہو چکی ہیں جو پہنچنے ہی والی ہیں۔ پھر تم سمجھ لو کہ تمہارا کیا حال ہوگا۔ غرض جس طرح بھی ہو سکے ان کو مسلم سے الگ کر دو۔ چناں چہ کثیر بن شہاب الحارثی، محمد بن اشعث، قعقاع بن شور الذہلی، شبث بن ربعی تمیمی، حجار بن ابجر العجلی، شمر بن ذی الجوشن ضبابی وغیرہ نے قصر امارت

کی چھت پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہنا شروع کیا۔

"لوگو! اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ شر اور فساد نہ پھیلاؤ، خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، امیر المومنین یزید کی فوجیں شام سے کوفہ کے لیے روانہ ہو چکی ہیں تم کس طرح ان کا مقابلہ کر سکو گے۔ امیر ابن زیاد نے خدا سے عہد کر لیا ہے اگر تم اسی وقت واپس نہ ہوئے اور جنگ پر آمادہ رہے تو وہ تم سے بہت برا سلوک کرے گا اور سخت ترین سزائیں دے گا۔ تمہارے بچوں کو قتل کرے گا، تمہارا مال لوٹ لے گا، تمہاری جائیدادیں ضبط کر لے گا، تم لوگ اپنے انجام پر نظر ڈالو اور اگر تم اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں اعزازات اور انعامات دے گا۔ تم اپنے اور ہمارے حال پر رحم کرو اور اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ"۔

اشراف کوفہ کی خوف زدہ کر دینے والی تقریروں سے متاثر ہو کر لوگ متفرق اور منتشر ہونے لگے۔ عورتوں اور مردوں نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو بلا بلا کر سمجھانا اور ساتھ چھوڑنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ لوگ جانے لگے۔ دس ادھر سے بیس ادھر سے، اس طرح لوگ ساتھ چھوڑتے گئے یہاں تک کہ مغرب کی نماز کے وقت تک صرف تیس آدمی حضرت مسلم کے ساتھ رہ گئے۔ جب آپ نے اپنے حامیوں کی یہ غداری اور بدعہدی دیکھی تو بہت مایوس ہوئے۔ نماز کے بعد ان تیس آدمیوں کے ساتھ آپ کندہ کے محلہ کی طرف چلے۔ اس محلہ تک پہنچتے پہنچتے یہ تیس آدمی بھی ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ گئے اور حضرت مسلم تنہا رہ گئے۔ کس مپرسی کا عالم ہے۔ جس محب کے دروازے پر جاتے ہیں دروازہ بند پاتے ہیں۔ بھرے شہر میں کوئی محفوظ جگہ نظر نہیں آتی جہاں رات گزار سکیں۔

نہ مونسے نہ شفیقے نہ ہم دمے دارم ۔۔۔ حدیثِ دل بکہ گویم عجب غمے دارم (☆)

اللہ اللہ یہ مسلم تھے وہ پیارے مہماں ۔۔۔ کس قدر جن کو تمناؤں سے بلوایا یہاں

جن سے کیں بیعتیں کتنے کیے عہد و پیماں ۔۔۔ آج وہ تنہا ہیں رخصت ہوئے ہمدرد کہاں

☆ ترجمہ:۔ نہ غم خوار، نہ مہربان، نہ ہی میں ساتھی رکھتا ہوں، دل کی بات کس سے کہوں؟ عجب غم رکھتا ہوں۔

ہائے جاتی ہی رہی شرم و حیا کوفہ کی
ہائے رخصت ہوئی بالکل ہی وفا کوفہ کی

آج کوفہ کے مکانات بھی سب بند ہوئے   آج کوفہ کے مقفل ہوئے سب دروازے
آج سب چھپ گئے کوفہ کے گھرانے والے   آج روپوش ہیں مسلم کو بلانے والے

ایک ہی شب میں ہوئی ساری محبت کافور
آزمائش جو ہوئی ہو گئی الفت سب دور

آہ! یہ اہل کوفہ وہی محبانِ اہل بیت اور شیعانِ علی تھے جنہوں نے سیکڑوں خطوط اور وفود بھیج کر اور بے پناہ عقیدت و محبت کا اظہار کر کے بلایا تھا۔ یہ وہی تھے جنہوں نے بڑی بڑی قسمیں اٹھا اٹھا کر بیعت کی تھی کہ جان و مال قربان کر دیں گے مگر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور آج یہ حالت ہے کہ معمولی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اور دنیا کے مال و زر کے لالچ میں آ کر ساتھ چھوڑ گئے۔ محبوّں نے گھروں کے اندر گھس کر دروازے بند کر لیے اور خاندان رسالت کے چشم و چراغ حضرت امام عالی مقام کے نائب اور بھائی عالم غربت و مسافرت میں سخت پریشان ہیں کہ کدھر جائیں۔ اس پریشانی کے ساتھ ایک اور تصور جو دل کو تڑپا رہا تھا وہ یہ کہ میں نے تو حضرت امام حسین کو خط لکھ دیا ہے اور تشریف آوری کی پُر زور التجا کی ہے، یقیناً امام میری التجا رد نہیں فرمائیں گے اور ضرور مع اہل و عیال تشریف لے آئیں گے تو ان کوفیوں کی بے وفائی کی وجہ سے ان پر کیا کیا مصائب آئیں گے:

نہ قاصدے کہ سلامی بہ نزد یار برد   نہ محرمے کہ پیامے بآن دیار برد
فتادہ ایم بہ شہرت غریب دیارے نیست   کہ قصہ زغریبی بہ شہر یار برد (☆)
غم یہی حضرت مسلم کو بہت کافی تھا   اتنے میں آ گئے یاد ان کو امام الشہداء
درد سینے میں اٹھا دل نے بہ صد رنج کہا   تو نے افسوس کہ حضرت کو ہے نامہ لکھّا

☆ ترجمہ:۔ نہ کوئی قاصد ہے جو میرے یار کے پاس میرا سلام لے جائے، نہ کوئی محرم (اعتبار والا) ہے جو میرا پیغام ان کے شہر میں لے جائے۔ ہم ایسے شہر میں اجنبی پڑے ہیں جہاں ہمارے لیے کوئی گھر نہیں ہے، کون ہماری مسافری کا قصہ (حال) ہمارے شہر یار کے پاس لے جائے۔

اہل کوفہ کی عقیدت کا ہے نقشہ اس میں
حال سب ان کی محبت کا ہے لکّھا اس میں
مل گیا ہو گا اُنھیں میرا یہ خط اور سلام
مطمئن ہو گئے ہوں گے مری باتوں سے امام
رد نہ فرمائیں گے حضرت کبھی میرا پیغام
چل پڑے ہوں گے مع اہل کے وہ شاہ امام
آہ پہنچیں گے یہاں ان کو مصائب و بلا
کتنا ہو گا نہ خبر ان پہ یہاں جورو جفا

حضرت مسلم ان تصورات میں کھوئے ہوئے انتہائی پریشانی کے عالم میں تھے کہ ایک عورت طوعہ نامی اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھی نظر آئی، وہ اپنے بیٹے کے انتظار میں تھی، آپ نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے پانی لاکر دیا، آپ نے پیا۔ وہ برتن اندر رکھ کر پھر باہر آئی تو آپ کو وہیں بیٹھے پا کر کہا، اے اللہ کے بندے کیا تو نے پانی نہیں پی لیا؟ آپ نے فرمایا، ہاں پی لیا ہے! کہنے لگی تو اب اپنے گھر جاؤ؟ آپ خاموش رہے، اس نے تین بار یہی کہا۔ پھر آپ خاموش رہے تو اس نے کہا آپ کا رات کے وقت میرے دروازے پر بیٹھنا مناسب نہیں، میں کہتی ہوں اپنے گھر جاؤ۔ آپ نے فرمایا اس شہر میں میرا کوئی گھر اور ٹھکانا نہیں، میں ایک مسافر ہوں اور اس وقت سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ ایسے میں کیا تم میرے ساتھ کوئی نیکی کر سکتی ہو؟ شاید میں کسی وقت اس کا بدلہ دے سکوں ورنہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھیں اس کا اجر دیں گے۔ اس نے کہا کس قسم کی نیکی؟ فرمایا میں مسلم بن عقیل ہوں۔ کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی ہے، مجھے دھوکا دیا اور سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اب میں جس حال میں ہوں تم دیکھ رہی ہو۔ کوئی جگہ میرے لیے ایسی نہیں جہاں میں رات گزار سکوں! اس نے کہا، آپ مسلم بن عقیل ہیں؟ فرمایا، ہاں! اس خدا ترس نیک عورت نے آپ کو اندر بلا لیا اور اپنے مکان کے ایک کمرے میں فرش بچھا دیا۔ آپ اس پر بیٹھ گئے۔ اس نے کھانا پیش کیا آپ نے کھایا نہیں اور اس کو دعائیں دیں۔

ادھر کچھ دیر کے بعد اس عورت (طوعہ) کا وہ لڑکا جس کی وہ منتظر تھی، آ گیا، جب اس نے اپنی ماں کو بار بار اس کمرے میں آتے جاتے دیکھا تو سبب پوچھا۔ بڑھیا نے پہلے تو چھپایا لیکن جب بیٹے سے بہت زیادہ اصرار کیا تو رازداری کا عہد و پیمان لے کر بتا دیا۔ یہ

لڑکا شرابی اور آوارہ قسم کا تھا۔

ادھر جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ تمام اہل کوفہ مسلم کا ساتھ چھوڑ گئے اور اب کوئی ان کے ساتھ نہیں رہا تو اس نے اعلان کیا کہ جس نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دی اس کے لیے امان نہیں اور جو ان کو گرفتار کر لائے یا گرفتار کرائے اسے انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد اس نے رئیس الشرط (آئی جی پولیس) حصین بن نمیر کو حکم دیا کہ شہر کی ناکہ بندی کر کے گلی کوچوں میں آدمی مقرر کر دو اور گھر گھر تلاشی لو اور خبردار یہ شخص (مسلم) کسی راستے اور کسی طریقے سے بھی جانے نہ پائے۔ اگر یہ شخص کسی طرح نکل گیا اور تم اس کو گرفتار کر کے میرے پاس نہ لائے تو تمہاری بھی خیر نہیں۔

ابن زیاد کا یہ اعلان وہ ظالم لڑکا سن چکا تھا اور گھر میں حضرت مسلم کو پا کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ حصول انعام کا لالچ اس کے دل میں ایسا پیدا ہوا کہ رات کاٹنی مشکل ہو گئی۔ صبح ہوتے ہی وہ گھر سے نکلا اور عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے پاس گیا۔ ابن اشعث ابن زیاد کے پاس قصر امارت میں تھا یہ دونوں وہاں پہنچے، عبدالرحمن نے اپنے باپ ابن اشعث کو ایک طرف بلا کر سب بات بتا دی اور ابن اشعث نے ابن زیاد کو بتا دیا۔ اس طرح ابن زیاد کو حضرت مسلم کا پتا چل گیا۔

ابن زیاد نے اسی وقت ابن اشعث سے کہا کہ ابھی جاؤ اور مسلم کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ اور عمرو بن عبیداللہ بن عباس السلمی کو بنو قیس کے ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) آدمی دے کر اس کے ہمراہ کر دیا۔ انہوں نے اس بڑھیا کے مکان پر پہنچ کر احاطہ کر لیا اور آپ کو گرفتار کرنے کے لیے چند آدمی تلواریں لے کر اندر داخل ہوئے۔ آپ نے ان کا مقابلہ کیا اور ان کو باہر نکال دیا۔ انہوں نے اندر گھس کر سخت حملہ کیا۔ آپ نے نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ ان سب کا مقابلہ کیا اور ان کو پھر نکال باہر کیا، اسی طرح آپ ان سب کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ ان کے بہت سے آدمی زخمی ہو گئے۔ اتنے میں بکیر بن حمران احمری نے آپ کے چہرے پر ایسا وار کیا کہ اوپر اور نیچے کا ہونٹ کٹ گیا اور سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت مسلم نے اس کے سر پر تلوار ماری جس سے اس کا سر

پھٹ گیا دوسرا وار اس کے کندھے پر ایسا کیا کہ آپ کی تلوار اس کے سینہ تک اتر گئی۔

جب ان لوگوں نے آپ کی شجاعت و بہادری کا عالم دیکھا تو آپ کی تلوار خون خوار اور ضرب حیدری سے بچنے کے لیے کچھ تو باہر بھاگ گئے اور کچھ مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور اوپر سے آپ پر سنگ باری کرنے اور لکڑیاں جلا جلا کر پھینکنے لگے۔ جب آپ نے ان کی یہ بزدلانہ طرزِ لڑائی دیکھی تو تلوار لیے ہوئے مکان سے باہر گلی میں آ گئے اور ان لوگوں سے لڑنے لگے جو باہر تھے۔

سرِ میداں عجب جوشِ جہادِ مردِ میداں تھا
جلال ہاشمی زورِ ید اللٰہی نمایاں تھا
بڑھا خنجر بکف جب یہ برادر زادۂ حیدر
مقابل چند ساعت بھی نہ ٹھہری فوجِ غارت گر
دکھائی بزدلوں نے پیٹھ ہوئے مفرور آگے سے
لپک کر بکر بن حمران نے یک بار پیچھے سے
کیا تلوار کا اِک وار اس شدت سے چہرہ پر
کٹا جبڑا گرے دو دانت فوراً ٹوٹ کر باہر
سنان و تیغ سے ٹکڑے اڑائے نامرادوں کے
دکھایا جوشِ حق چھکے چھڑائے بد نہادوں کے

محمد بن اشعث نے جب آپ کی شجاعت اور اپنے ساتھیوں کی بزدلی و کم زوری دیکھی تو پُرفریب چال چلی اور آگے بڑھ کر کہنے لگا کہ اکیلے کب تک مقابلہ کرو گے خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ سنو آپ کے لیے امان ہے۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپس میں تلوار چلے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ آپ ابن زیاد کے پاس تشریف لے چلیں تا کہ گفتگو کے ذریعے معاملہ طے ہو جائے مگر آپ یہ اشعار پڑھتے ہوئے برابر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

اَقۡسَمۡتُ لَا اَقۡتُلُ اِلَّاحُرًّا وَاِنۡ رَاَیۡتُ الۡمَوۡتَ شَیۡئًا نُکۡرًا
کُلُّ امۡرِئٍ یَوۡمًا مُلَاقٍ شَرًّا وَ یَخۡلُطُ الۡبَارِدُ سُخۡنًا مُرًّا
رُدَّ شُعَاعُ الشَّمۡسِ فَاسۡتَقَرَّا اَخَافُ اَنۡ اُکۡذَبَ اَوۡ اُغَرَّا

میں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے شریف اور آزاد کے کسی کو قتل نہ کروں گا۔ اگر چہ میں دیکھتا ہوں موت کو ایک سخت نا مرغوب چیز، ہر شخص کو ایک نہ ایک دن ضرور سختی ومصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ٹھنڈا میٹھا، گرم وتلخ سے ضرور مخلوط ہوتا ہے۔ جب آفتاب کی چمکتی ہوئی شعاع (جیسی حقیقت) کو رد کیا گیا ہے پھر ثابت رہنا (کیسے ہوسکتا ہے) مجھے اندیشہ ہے کہ مجھ سے جھوٹ کہا جائے گا یا مجھے دھوکا دیا جائے گا۔

ابن اشعث نے یقین دلایا کہ آپ کے ساتھ نہ کوئی جھوٹ بولے گا نہ دھوکا وفریب کرے گا، نہ کوئی آپ کو مارے گا اور نہ قتل کرے گا، یہ سب آپ کی برادری کے لوگ ہیں۔ حضرت مسلم لڑتے لڑتے زخموں سے چور چور ہو چکے تھے اور مزید مقابلہ کی طاقت بھی نہ رہی تھی اسی لیے اسی مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرا ارادہ بھی جنگ نہیں جب میرے ساتھ چالیس ہزار تھے اور ہم نے دار الامارت کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس وقت بھی میں نے جنگ نہیں کی اور اسی انتظار میں رہا کہ گفتگو کے ذریعے مصالحت کی کوئی شکل پیدا ہو جائے اور خون ریزی نہ ہو۔

ابن اشعث نے قریب آ کر کہا۔ آپ کے لیے امان ہے۔ فرمایا میرے لیے امان ہے؟ ابن اشعث اور سب نے کہا آپ کے لیے امان ہے۔ لیکن عمرو بن عبید اللہ السلمی نے اس سے اتفاق نہ کیا۔

غرض اسی حالت میں آپ کو ایک خچر پر سوار کیا گیا اور تلوار آپ سے چھین لی گئی۔ تلوار چھن جانے سے آپ کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی، آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا یہ پہلا دھوکا ہے۔ ابن اشعث نے پھر اطمینان ویقین دلایا کہ آپ کے لیے امان ہے۔ آپ کو کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ آپ نے فرمایا اب امان کہاں، اب تو صرف امید ہی امید ہے، تم نے میری تلوار چھین لی اب میں بے دست و پا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ رونے لگے اور

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔

عمرو بن عبید اللہ نے رونے پر طعنہ کرتے ہوئے کہا روتے کیوں ہو؟ جو شخص مدعی حکومت وخلافت ہو کر مخالفین سے ٹکر لے اس کو مصائب سے گھبرا کر رونا نہیں چاہیے؟ آپ نے فرمایا میں اپنے لیے نہیں روتا بلکہ اپنے اہل وعیال اور حسین اور آل حسین کے لیے روتا ہوں، جو تمہارے بلانے پر یہاں آ رہے ہیں۔ یہ خیال مجھے رلا رہا ہے کہ ان پر کیا کیا مصیبتیں آئیں گی؟

کہا مسلم نے میں روتا نہیں رونا تو اس کا ہے
حسین ابنِ علی کو میں نے خط لکھ کر بلایا ہے
چلا دنیا سے میں کعبے سے وہ اب چلنے والے ہیں
یہ رونا ہے کہ احکام قضا کب ٹلنے والے ہیں
مجھے آتا ہے رونا اس قیامت خیز منظر پر
مصیبت آئے گی میری بدولت آل اطہر پر

آپ نے محمد بن اشعث سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد تم اپنی دی ہوئی امان کو پورا کرنے میں عاجز ہو جاؤ گے۔ بہر حال میرے ساتھ اتنا سلوک تو کر دو کہ کسی طرح حضرت امام عالی مقام حسین کے پاس میرے یہ حالات اور پیغام بھیج دو کہ محبان اہل کوفہ نے میرے ساتھ غداری و دھوکا کیا ہے، یہ وہی اہل کوفہ ہیں جن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آپ کے والد ماجد موت یا قتل کی آرزو کرتے تھے، یہ جھوٹے ہیں ان کے پاس ہرگز نہ آئیں بلکہ اپنے اہل بیت کے ساتھ واپس چلے جائیں، ابن اشعث نے کہا خدا کی قسم میں ضرور ایسا کروں گا۔ چناں چہ اس نے یہ وعدہ پورا کیا، کما سیأتی۔

ابن اشعث حضرت مسلم کو لیے ہوئے قصر امارت کے پاس پہنچا۔ آپ کو دروازے کے پاس چھوڑ کر خود اندر گیا اور ابن زیاد سے سارا حال بیان کیا اور کہا کہ میں نے ان کو امان دی ہے۔ ابن زیاد نے کہا تم امان دینے والے کون ہو؟ میں نے تو تمہیں صرف گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا، امان دینے کے لیے نہیں؟ ابن اشعث دم بخود ہو گیا۔

حضرت مسلم بہت پیاسے تھے آپ نے قصر امارت کے دروازے پر ٹھنڈے پانی کا ایک گھڑا دیکھ کر فرمایا مجھے اس سے پانی پلا دو؟ مسلم ابن عمرو الباہلی نے کہا: دیکھتے ہو کیسا ٹھنڈا پانی ہے مگر خدا کی قسم تمہیں اس میں سے ایک بوند بھی نہ دیں گے اب تو تمہاری قسمت میں جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہی ہے۔ آپ نے فرمایا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں وہ ہوں جس نے حق کو پہچانا جب کہ تم نے اسے ترک کر دیا، میں وہ ہوں جس نے امت مسلمہ اور امام کی خیر خواہی کی جب کہ تم نے نافرمانی اور سرکشی کی۔ (معاذ اللہ)۔ میں مسلم بن عمرو الباہلی ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کرے تیری ماں تجھے روئے تو کیسا ظالم اور سنگ دل ہے اے باہلہ کے بچے تو مجھ سے زیادہ نار جحیم اور ماء حمیم کا مستحق ہے۔

عمارہ بن عقبہ کو آپ کی حالت پر ترس آیا، اس نے اپنے غلام کو بھیجا وہ ٹھنڈے پانی کی ایک مٹکی اور کٹورا لایا۔ کٹورا بھر کر آپ کو دیا، جوں ہی آپ نے اس کو مونھ لگایا اس میں آپ کے مونھ سے خون گرا اور سارا پانی خون ہو گیا۔ غلام نے دوسری مرتبہ کٹورا بھر کر دیا وہ بھی خون سے بھر گیا۔ تیسری مرتبہ پھر دیا، جب پینے لگے تو سامنے کے دو دانت مبارک جو مونھ میں اٹکے ہوئے تھے وہ کٹورے میں آ رہے۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ میرے مقدر میں اب دنیا کا پانی نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ کو اسی تشنہ لبی کی حالت میں جب کہ آپ کا مونھ اور کپڑے خون میں لت پت تھے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ آپ نے قاعدہ کے مطابق اس کو سلام نہ کیا۔ ایک سپاہی بولا کیا تم امیر کو سلام نہیں کرتے؟ فرمایا اگر امیر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس پر میرا اسلام نہیں اور اگر قتل کا ارادہ نہیں تو پھر اس پر بہت سے سلام ہوں گے۔ ابن زیاد نے کہا، بلا شبہ میں تمہیں ضرور قتل کروں گا۔ فرمایا واقعی! ابن زیاد نے کہا ہاں! فرمایا اچھا پھر مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنی قوم کے کسی شخص کو کچھ وصیت کر لوں؟ اس نے کہا ہاں کر لو؟ آپ نے عمرو بن سعد سے فرمایا میرے تمہارے درمیان قرابت ہے اس لیے میں تم سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ابن سعد نے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے ابن سعد سے کہا تمہیں اپنے ابن عم کی بات سننے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ابن سعد اٹھ کر آپ کے ساتھ ایک طرف چلا گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے کوفے میں فلاں شخص سے سات سو درہم

قرض لے کر اپنی ضرورتوں میں صرف کیے ہیں وہ قرض ادا کر دینا اور میرے قتل ہونے کے بعد میری لاش کو دفن کر دینا اور حضرت حسین کے پاس کسی شخص کو بھیج دینا جو ان کو راستے سے واپس کر دے۔

ابن سعد نے ابن زیاد سے ان وصیتوں کے بارے میں پوچھا۔ ابن زیاد نے کہا جو وصیت قرض سے متعلق ہے اس میں اختیار ہے جیسا چاہو کرو۔ حسین کے متعلق یہ ہے اگر وہ یہاں نہیں آئیں گے تو ہم بھی ان کا پیچھا نہیں کریں گے اور اگر وہ یہاں آئے تو پھر ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت مسلم اور ابن زیاد

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت مسلم سے کہا: لوگ آپس میں متحد اور متفق تھے تم نے آ کر ان میں تفرقہ اور اختلاف پیدا کر دیا اور ان کو ہماری مخالفت پر برانگیختہ کیا۔ آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں، میں اس لیے نہیں آیا بلکہ یہاں کے باشندے یہ کہتے ہیں کہ تمہارے باپ نے ان کے بزرگوں اور صالحین لوگوں کو قتل کیا اور خون ریزی کی اور ان پر قیصر و کسریٰ کی طرح حکومت کی، اس لیے ان لوگوں نے ہمیں بلایا اور ہم یہاں آئے کہ لوگوں سے عدل و انصاف کریں اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے کی دعوت دیں۔

ابن زیاد یہ سن کر غضب ناک ہو گیا، اس نے کہا او فاسق (معاذ اللہ) تو اور یہ دعویٰ؟ جس زمانہ میں تو مدینہ میں شراب پیا کرتا تھا اس وقت تو تجھے خیال نہ آیا تھا کہ لوگوں میں عدل و انصاف کرنے آئے؟ آپ نے فرمایا کیا میں شراب پیتا تھا؟ خدا کی قسم! خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے اور خود تجھے بھی یقین ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور شدید اتہام لگا رہا ہے، میں ہرگز ایسا نہیں ہوں۔ شراب نوشی کرنے والا اور شرابی کہلانے والا وہ شخص ہے جس نے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا ہے، محض ذاتی عداوت اور غیظ و غصہ سے ان کو قتل کرتا ہے جن کا قتل اللہ نے حرام فرمایا ہے اور اس ظلم و ستم کو اس نے لہو و لعب سمجھ رکھا ہے۔

ابن زیاد نے کہا خدا مجھ کو مارے اگر میں تجھے اس طرح قتل نہ کروں کہ آج تک اسلام

میں اس طرح کوئی قتل نہ ہوا ہو۔ فرمایا بے شک اسلام میں ایسی برائیوں اور بدعتوں کے جاری کرنے میں تجھ سے زیادہ کوئی مستحق نہیں۔ ہاں تم مجھے بہت بری طرح قتل کرنا۔ برے طریقہ سے مثلہ کرنا اور کوئی برائی نہ چھوڑنا کیوں کہ یہ تمہیں زیادہ سزاوار ہے۔ ان تلخ حقائق سے ابن زیاد جھلا اٹھا اور بالکل بے قابو ہو گیا۔ ظالم نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد حضرت عقیل کو اور حضرت علی اور حسین رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ آپ خاموش رہے اور پھر اس سے کوئی کلام نہ کیا۔

حضرت مسلم کی شہادت

اس کے بعد ابن زیاد نے جلادوں کو حکم دیا کہ ان کو اس محل کی چھت پر لے جا کر قتل کر دو اور سر اور دھڑ اس طرح نیچے پھینکو کہ ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں۔ آپ نے ابن اشعث سے کہا اگر تو نے امان نہ دی ہوتی تو میں اس طرح اس کے قبضے میں نہ آتا۔ اب تو میرے واسطے اپنی تلوار اٹھا اور بری الذمہ ہو مگر وہ خاموش رہا۔

جلاد آپ کو بالائے قصر لے گئے، آپ اس وقت تسبیح و تکبیر اور درود و سلام پڑھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے:

اے اللہ! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان تو ہی فیصلہ فرمانے والا ہے جنہوں نے ہم سے جھوٹ بولا اور ہمیں دھوکا دیا اور ہمارا ساتھ چھوڑ کر ذلیل کیا اور پھر ہمیں قتل کیا۔

آپ نے اپنا رخ انور مکہ مکرمہ کی طرف کیا اور فرمایا ؎

اے باد صبا برائے خدا تعالیٰ بسوئے کعبہ ذرا گزر کر
فرزند نبی حسین ہیں واں تو ان کو تلاش دربدر کر
ان کو میرا سلام پہنچا کر پھر بیاں حال سر بسر کر
جفائیں اہل کوفہ کی بتانا اور مرے قتل کی خبر کر
ظالم و بے وفا ہیں یہ کوفی ان کی باتیں نہ سن حذر کر
اور کہہ دے کہ اے جفا رسیدہ از بہر خدا نہ رخ ادھر کر

مسلم نے تو تجھ پہ جاں فدا کی
تو کعبے میں بہ عافیت بسر کر

جلاد نے پے در پے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ) اور آپ کا سر اور دھڑ مبارک نیچے پھینک دیا۔

ہانی کی شہادت

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد ابن اشعث نے حضرت ہانی کے بارے میں ابن زیاد سے کہا آپ جانتے ہیں کہ ہانی کا مرتبہ اس شہر میں اور اس کی قوم میں کیا ہے اور اس کی قوم جانتی ہے کہ میں اور میرے دو ساتھی اس کو تمہارے پاس لائے تھے، میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری خاطر اس کو بخش دو، ورنہ اس کی قوم کی عداوت و انتقام کا مجھے خوف ہے۔ ابن زیاد نے پہلے تو معاف کر دینے کا وعدہ کیا لیکن مسلم کا خیال کرتے ہی اس کا ارادہ بدل گیا اور اس نے ہانی کی گردن مارنے کا بھی حکم دے دیا۔ چناں چہ اس کے ترکی غلام نے حضرت ہانی کو بھی شہید کر دیا۔

ابن زیاد نے حضرت مسلم اور حضرت ہانی کے سروں کو یزید کے پاس بھیج دیا اور سب حالات سے مطلع کر دیا۔ حضرت مسلم کی شہادت ذی الحجہ ۶۰ ھ کو ہوئی۔

چلنے لگی کچھ ایسی ہوا انقلاب کی   کانٹوں میں گھر گئے چمن مصطفیٰ کے پھول
مظلوم مٹنے والوں کو دی ہے خدا نے داد   باغ جناں میں بھیج دیا ان کو بنا کے پھول

فرزندانِ مسلم

حضرت مسلم نے دار الامارت کے محاصرہ کے وقت اور بقول بعض طوعہ کے گھر میں قیام کے وقت اپنے دونوں فرزندوں کو قاضی شریح کے یہاں بھیج دیا تھا اور ان کو کہلوا دیا تھا کہ ان کو کسی طرح بحفاظت مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہنچا دینا۔ جب حضرت مسلم شہید ہو گئے، قاضی صاحب نے آپ کے دونوں صاحب زادوں کو بلا کر پیار کیا اور بادیدہ پُرنم ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا چچا جان! آپ کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور

آپ ہمارے سروں پر یوں ہاتھ پھیر رہے ہیں، کہیں ہم یتیم تو نہیں ہو گئے؟ قاضی صاحب کی ہچکیاں بندھ گئیں فرمایا ہاں! پیارے بچو تمہارے ابا جان کو شہید کر دیا گیا ہے! یہ سنتے ہی دونوں شہزادوں پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ وَا اَبَتَاہُ وَا غَرِیْبَاہ کہہ کر دونوں ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے اور تڑپنے لگے۔ قاضی شریح نے بچوں سے کہا: مجھے ابن زیاد بدنہاد سے تمہارے بارے میں کوئی اچھی امید نہیں اور تمہارا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح تمہاری جان بچ جائے اور تم بحفاظت مدینہ منورہ پہنچ جاؤ۔

عالم غربت میں یتیم ہو جانے والے نونہالوں پر بے کسی کی انتہا ہو گئی۔ ایک طرف باپ کی جدائی کا غم اور دوسری طرف اپنی جانوں کا خوف۔ چمن رسالت کے یہ پھول کمہلا گئے۔

بدرد دل زلب شرح نالہ می شنویم
زسوز جاں جگر دیں کباب می بینیم (☆)

اب قاضی صاحب کے پیش نظر ان دونوں بچوں کی جانوں کا مسئلہ تھا، چناں چہ انہوں نے اپنے بیٹے اسد کو بلا کر کہا: میں نے سنا ہے کہ آج باب العراقین سے ایک کاروان مدینہ منورہ جانے والا ہے، ان دونوں بچوں کو وہاں لے جاؤ اور کسی ہم درد اور محب اہل بیت کے سپرد کر کے اس کو حالات سے آگاہ کر دینا اور تاکید کر دینا کہ ان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے۔ اسد ان دونوں صاحب زادوں کو ساتھ لے کر باب العراقین آیا اور معلوم کیا تو پتا چلا کہ کاروان کچھ دیر پہلے جا چکا ہے۔ وہ دونوں بچوں کے ساتھ اسی راہ پر چلا، کچھ دور گئے تو گردِ کاروان نظر آئی۔ وہ کہنے لگا کہ دیکھو یہ گرد کاروان ہے اور زیادہ دور نہیں، اب تم جلدی سے جا کر اس کاروان میں مل جاؤ اور دیکھو اپنے بارے میں کسی کو بتانا نہیں اور قافلے سے جدا نہ ہونا۔ میں اب واپس جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسد واپس آ گئے اور بچے تیزی سے چلنے لگے، کچھ دیر کے بعد وہ گرد بھی غائب ہو گئی اور کاروان بھی نہ ملا۔

یہ پھول سے یتیم بچے عالم تنہائی میں انتہائی پریشانی کا شکار ہو کر پھر ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے اور نازوں سے پالنے والے ماں باپ کے نام لے کر جان

☆ ترجمہ:۔لبِ شرح سے دردِ دل کا رونا سن رہے ہیں ہم اور سوزِ جان سے اس جگر کو کباب دیکھتے ہیں۔

کھونے لگے۔

پارہ پارہ نہ ہوں کیوں دیکھ کے دونوں کے جگر　　عمر میں دیکھا تھا کب آنکھ سے ایسا منظر
ایسا صدمہ نہیں گزرا کبھی ننھے دل پر　　خاک وخوں میں تڑپتا ہے پدر پیش نظر
سرمگیں آنکھوں سے تھے خون کے آنسو جاری　　کیا بیاں ہو سکے ان بچوں کی آہ وزاری

ادھر ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت مسلم کے ساتھ ان کے دو فرزند محمد وابراہیم بھی آئے تھے اور وہ بھی کوفہ میں کسی گھر میں ہیں، چناں چہ اس بدنہاد نے اعلان کرایا کہ جو مسلم کے دونوں بچوں کو ہمارے پاس لائے گا وہ انعام پائے گا اور جو انہیں چھپائے گا یا ان کو یہاں سے نکالنے میں ان کی مدد کرے گا وہ سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ اس اعلان سے مال وزر کی ہوس رکھنے والے چند سپاہی قسمت آزمائی کے لیے نکلے اور انہوں نے تھوڑی سی محنت کے بعد سراغ لگا کر بچوں کو پالیا اور پکڑ لائے اور کوتوال (چیف پولیس افسر) کے حوالے کر دیا۔ کوتوال ان بچوں کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کو اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک ان کے متعلق میں یزید سے نہ پوچھ لوں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

داروغہ حوالات (سپرنٹنڈنٹ جیل) مشکور نامی ایک پرہیز گار شخص اور محب اہل بیت تھا۔ اس نے جب ان یتیموں کی مظلومی اور بے کسی کا حال دیکھا تو اس کو بہت ترس آیا اور اس کے جذبہ ایمانی میں ایک تلاطم پیدا ہوا۔ اس نے عزم صمیم کر لیا کہ ان بچوں کی جان بچانی ہے خواہ اپنی جان چلی جائے۔ چناں چہ اس نے رات کے اندھیرے میں گلشن عقیل کے ان پھولوں کو جیل سے نکالا اور اپنے گھر میں لا کر کھانا کھلایا اور پھر شہر کے باہر قادسیہ کی راہ پر لا کر اپنی انگوٹھی بطور نشانی دی اور کہا کہ یہ سیدھا راستہ قادسیہ کو جاتا ہے اس راہ پر چلے جاؤ۔ وہاں پہنچ کر کوتوال کا پتا پوچھنا، وہ میرا بھائی ہے اس کو مل کر میری یہ انگوٹھی دکھانا اور اپنا حال سنانا اور کہنا کہ ہمیں مدینہ طیبہ پہنچا دے وہ تمہیں بحفاظت تمام مدینہ پہنچا دے گا۔

مصیبت کے مارے دونوں بھائی چل پڑے لیکن قضا وقدر کے احکام جو نافذ ہو چکے ہوتے ہیں ان کو بندوں کی تدابیر نہیں بدل سکتیں، لَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ۔ رات

بھر بچے چلتے رہے مگر قادسیہ نہ آیا۔ جب صبح کی روشنی ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ اسی قادسیہ کی راہ پر تھے۔ قریب ہی ایک کھوکھلا سا درخت نظر آیا، اس کے پاس ایک کنواں بھی تھا وہ اس درخت کی آڑ میں آ کر بیٹھ گئے، سخت خوف لاحق تھا کہ کہیں پھر نہ کوئی پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے جائے۔ اتنے میں ایک کنیز پانی بھرنے آئی۔ جب اس نے ان کو اس طرح چھپے بیٹھے دیکھا تو قریب آئی اور ان کا حسن و جمال اور شانِ شہزادگی دیکھ کر کہا اے شاہ زادو تم کون ہو اور یہاں کیوں چھپے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تجھے کیا بتائیں کہ ہم کون ہیں ہم یتیم و بے کس اور ستم رسیدہ گم کردہ راہ مسافر ہیں۔ کنیز نے کہا: تم کس کے بچے ہو تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ باپ کا لفظ سنتے ہی ان کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ کنیز نے کہا: میں گمان کرتی ہوں کہ تم مسلم بن عقیل کے فرزند ہو، باپ کا نام سنتے ہی دونوں بچے ہچکیاں بھرنے لگے۔ کنیز نے کہا صاحب زادو غم نہ کرو میں اس خاتون کی کنیز ہوں جو اہل بیت نبوت کے ساتھ سچی عقیدت و محبت رکھتی ہے، بالکل فکر نہ کرو آؤ اور میرے ساتھ چلو میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں۔ دونوں شہزادے اس کے ساتھ ہو گئے، کنیز نے ان کو اس خاتون کے سامنے پیش کیا اور سارا واقعہ سنایا۔ اس خاتون کو بڑی خوشی ہوئی اس نے اس خوشی کے صلہ میں اپنی اس کنیز کو آزاد کر دیا اور شہزادوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئی اور ان کے قدم چومے۔ یتیموں کی داستان غم سن کر آنسو بہائے اور ہر طرح تسلی و تشفی دی کہ فکر نہ کرو اور کنیز سے کہا کہ یہ راز میرے شوہر حارث کو نہ بتائے

گھر میں حارث کے جو وہ یوسفِ زنداں آئے
موت بولی کہ سفر سے میرے مہماں آئے
زنِ حارث نے یتیموں کے قدم چوم لیے
کپڑے دیکھے جو پھٹے سوزنِ مژگاں سے سیئے
پانی بھی گرم کیا پاؤں دھلانے کے لیے
اور بچھا دیا فرش بھی ان کو سلانے کے لیے

نہر پر صبح بڑی دھوم سے مہمانی ہے
حلق ہے، تیغ ہے، جلاد ہے، قربانی ہے

ادھر ابن زیاد کو اطلاع ہو گئی کہ مشکور نے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے مشکور کو بلایا اور پوچھا کہ تو نے پسرانِ مسلم کے ساتھ کیا کیا ہے؟ مشکور نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کو آزاد کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تو مجھ سے نہ ڈرا؟ مشکور نے کہا جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے، وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ ابن زیاد نے کہا تجھے ان کے رہا کرنے میں کیا ملا؟ مشکور نے کہا او ستم گار! ان بچوں کے پدر بزرگوار کو شہید کرنے میں تجھے تو کچھ نہ ملے گا مگر مجھے ان بے گناہ بچوں کو جو اپنے جگر پر یتیمی کا داغ لیے ہوئے قید و بند کی مصیبت میں مبتلا تھے، رہا کرنے میں ان کے جدِ اعلیٰ سے امیدِ شفاعت ہے کہ حضور صدرِ کونین و سید ثقلین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری اس خدمت کو قبول فرمائیں گے اور میری شفاعت فرمائیں گے، جب کہ تو اس دولت سے محروم رہے گا۔ اس پر ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہنے لگا میں ابھی تجھے اس کی سزا دوں گا۔ مشکور نے کہا میری ہزار جانیں بھی ہوں تو آلِ نبی پر فدا ہیں ؎

من در رہ او کجا بہ جان دا مانم　　جان چیست کہ بہر او فدا نہ تو انم
یک جاں چہ بود ہزار جان بایستے　　تا جملہ بیک بار برو افشانم(☆)

ابن زیاد نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو اتنے کوڑے مارو کہ یہ مر جائے اور پھر سر تن سے جدا کر دو۔ جلاد نے کوڑے مارنے شروع کر دیئے۔ پہلے کوڑے پر مشکور نے کہا **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ**۔ دوسرے پر کہا الٰہی مجھے صبر دے۔ تیسرے پر کہا الٰہی مجھے بخش دے۔ چوتھے پر کہا الٰہی مجھے فرزندان رسول کی محبت میں یہ سزا مل رہی ہے۔ پانچویں پر کہا الٰہی مجھے رسول اللہ اور ان کے اہل بیت کے پاس پہنچا دے پھر مشکور خاموش ہو گیا اور جلاد نے اپنا کام پورا کر دیا۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ** ؎

☆ ترجمہ:۔ میں اس کی راہ میں کب جان دینے سے عاجز ہوں، جان کیا ہے جو اس کے لیے میں فدا نہ کرسکوں۔ ایک جان کیا ہے ہزار جان بھی اگر ہوں، تمام کو ایک بار ہی اس پر قربان کردوں۔

جانش مقیم روضۂ دارالسرور درباد گلشن سرائے مرقد او پر زنور باد (☆)

ادھر وہ نیک خاتون دن بھر بہ دل و جان بچوں کی خدمت اور دل جوئی میں مشغول رہی۔ رات کے وقت ان کو ایک علیحدہ کمرے میں سلا کر آئی تھی کہ اس کا شوہر (حارث) آ گیا۔ بہت تھکا ماندہ تھا۔ خاتون نے پوچھا، آج سارا دن تم کہاں رہے کہ اتنی دیر سے آئے؟ کہنے لگا صبح میں امیر کوفہ ابن زیاد کے پاس گیا تھا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ داروغہ جیل مشکور نے پسرانِ مسلم بن عقیل کو قید سے رہا کر دیا ہے اور امیر نے اعلان کیا ہے کہ جو ان کو پکڑ کر لائے یا ان کی خبر دے اس کو گھوڑا و جوڑا اور بہت سا مال دیا جائے گا۔ بہت سے لوگ ان کی تلاش میں نکلے ہیں، میں بھی انہی کی تلاش میں ادھر ادھر سرگرداں رہا اور اس قدر بھاگ دوڑ کی کہ میرے گھوڑے نے دم توڑ دیا اور مجھے پیدل ان کی جستجو میں پھرنا پڑا۔ اس لیے تھکاوٹ سے چور چور ہو گیا ہوں۔ عورت نے کہا۔ اے بندۂ خدا! اللہ سے ڈر تجھے فرزندانِ رسول اللہ سے کیا کام ہے؟ کہنے لگا تو خاموش رہ تجھے نہیں معلوم ابن زیاد نے اس شخص کو گھوڑا و جوڑا اور بہت سا مال دینے کا وعدہ کیا ہے جو ان بچوں کو اس کے پاس پہنچائے یا ان کی خبر دے۔ عورت نے کہا کس قدر بد بخت ہیں وہ لوگ جو مال دنیا کی خاطر ان یتیموں کو دشمن کے حوالے کرنے کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور دین کو دنیا کے عوض میں دے رہے ہیں۔ حارث نے کہا تجھے ان باتوں سے کیا تعلق، تو کھانا لا۔ عورت نے کھانا لا کر دیا وہ کھا کر سو گیا۔

جب آدھی رات ہوئی تو بڑے بھائی (محمد بن مسلم) نے خواب دیکھا اور بیدار ہو کر اپنے چھوٹے بھائی (ابراہیم) کو جگاتے ہوئے کہا بھائی اب سونے کا وقت نہیں رہا، اٹھو اور تیار ہو جاؤ، اب ہمارا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ ہمارے ابا جان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی و حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ بہشت بریں میں ٹہل رہے ہیں کہ اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم دونوں کی

☆ ترجمہ:۔ اس کی جان جنت (دارالسرور) کے باغ میں مقیم رہے، اس کی قبر کی سرائے کا باغ نور سے بھرا رہے۔

طرف دیکھ کر ہمارے ابا جان سے فرمایا مسلم تم چلے آئے ان دونوں بچوں کو ظالموں میں چھوڑ آئے۔ ابا جان نے ہماری طرف دیکھ کر کہا: یارسول اللہ! میرے یہ بچے بھی آنے ہی والے ہیں۔ یہ سن کر چھوٹے نے بڑے بھائی کے مونھ پر اپنا مونھ رکھ کر کہا وَاوَیۡلَاہُ وَامُسۡلِمَاہُ! اور رونا شروع کر دیا۔ بڑے کے صبر کا پیمانہ بھی چھلک اٹھا اور دونوں نہایت درد کے ساتھ روئے اور چلائے۔ ان بچوں کے رونے چلانے کی آواز سے اس کم بخت حارث کی آنکھ کھل گئی، عورت سے کہنے لگا یہ کن کے رونے کی آواز ہے میرے گھر میں؟ یہ کون ہیں جو اس طرح رو رہے ہیں؟ عورت بے چاری سہم گئی اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس ظالم نے خود اٹھ کر چراغ جلایا اور اس کمرے کی طرف چلا جس سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اندر داخل ہو کر دیکھا کہ دونوں بچے گلے مل کر ابّا ابّا کہہ کر تڑپ رہے ہیں۔ کہنے لگا تم کون ہو؟ چوں کہ ان بچوں نے یہی سمجھا کہ یہ محبوں کا گھر اور جائے پناہ ہے اور اہل خانہ ہمارے خیر خواہ ہیں، اس لیے صاف کہہ دیا کہ ہم فرزندانِ مسلم بن عقیل ہیں۔ حارث نے کہا عجیب! میں تو سارا دن تمہاری تلاش میں سرگرداں رہا یہاں تک کہ میرے گھوڑے نے دم توڑ دیا اور تم میرے ہی گھر موجود ہو۔ یہ سن کر اور اس ظالم کے تیور دیکھ کر بچے سہم گئے اور تصویرِ حیرت بن گئے۔ اس عورت نے اپنے شوہر کی جب یہ سنگ دلی اور بے رحمی دیکھی تو اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ کر عاجزی و زاری کرتے ہوئے کہنے لگی ان غریب الوطن یتیموں بے کسوں پر ترس کھا۔

بے داد مسکن بریں یتیماں لطفے بہ نمائے چوں کریماں
ایں ہا بہ فراق مبتلا اند در شہر غریب و بے نوا اند
بہ گزر ز سر جفائے ایشاں پرہیز کن از دعائے ایشاں(☆)

کہنے لگا خبردار! اپنی جان کی خیر چاہتی ہے تو خاموش رہ۔ عورت بے چاری سہم گئی اور خاموش ہوگئی۔ حارث نے کمرہ کا دروازہ مقفل کر دیا تا کہ اس کی بیوی ان بچوں کو کہیں اور

☆ ترجمہ:۔ اے ظالم ان یتیموں پر ظلم نہ کر، کریموں کی طرح مہربانی دکھا، اس شہر میں یہ جدائی میں مبتلا ہیں مسافر اور بے نوا بے سروسامان ہیں۔ ان پر ظلم کرنے سے دُور رہ اور ان کی بددعا سے پرہیز کر۔

منتقل نہ کر سکے۔

جب صبح ہوئی تو اس سنگ دل نے تلوار ہاتھ میں لی اور ان دونوں بچوں کو ساتھ لے کر چلا۔عورت نے جب دیکھا تو اس سے نہ رہا گیا، ننگے پیر پیچھے دوڑی اور منت وسماجت کرتی ہوئی کہہ رہی تھی، اللہ سے ڈر اوران یتیموں پر رحم کر۔

جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار　　دریا پہ چلا لے کے یتیموں کو جفا کار
چلاتی چلی پیچھے ضعیفہ جگر افگار　　بن باپ کے بچّے ہیں یہ، ظالم نہ انہیں مار
کیوں فاطمہ زہرا کو رلاتا ہے کفن میں
دو پھول تو رہنے دے محمد کے چمن میں

ظالم پر بیوی کی زاری کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ الٹا اس کو مارنے کو دوڑا۔ بے چاری رک گئی۔اس ظالم کا ایک خانہ زاد غلام جو اس کے بیٹے کا رضاعی بھائی بھی تھا، اس کو معلوم ہوا وہ پیچھے دوڑا۔جب حارث کے پاس پہنچا، حارث نے اس کو کہا ممکن ہے کہ کوئی ان بچوں کو ہم سے چھین لے اور ہم اس انعام سے محروم ہو جائیں لہٰذا یہ تلوار لو اور ان کو قتل کر دو؟ غلام نے کہا میں ان بے گناہ بچوں کو کس طرح قتل کر دوں۔حارث نے اس کو سختی سے کہا کہ میرے حکم کی تعمیل کر۔اس نے انکار کیا۔

بندہ را با این و با آں کار نیست　　پیشِ خواجہ قوت گفتار نیست(☆)

اور کہا مجھ میں ان کے قتل کرنے کی ہمت نہیں مجھے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس سے شرم آتی ہے، ان کے خاندان کے بے گناہ بچوں کو قتل کر کے کل قیامت کے دن کس مونھ سے ان کے سامنے جاؤں گا۔حارث نے کہا اگر تو ان کو قتل نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔غلام نے کہا قبل اس کے کہ تو مجھے قتل کرے میں تجھے قتل کر دوں گا۔حارث فن حرب میں بہت ماہر تھا اس نے اچانک آگے بڑھ کر غلام کے سر کے بال پکڑ لیے غلام نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور دونوں گتھم گتھا ہو کر بری طرح لڑنے لگے۔آخر ظالم نے اپنے غلام

☆ ترجمہ:۔غلام کو چون وچرا (اگر مگر) سے کچھ کام نہیں ہے۔مالک کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں ہے۔

کوشدید زخمی کردیا۔ اتنے میں اس کی بیوی اور لڑکا بھی پہنچ گئے، لڑکے نے کہا: اے باپ یہ غلام میرا رضاعی بھائی ہے، اس کو مارتے ہوئے تجھے شرم نہیں آئی؟ ظالم نے بیٹے کو تو کوئی جواب نہ دیا اور غلام پر ایک ایسا وار کیا کہ وہ جام شہادت نوش کر کے جنت الفردوس پہنچ گیا۔ بیٹے نے کہا اے باپ میں نے تجھ سے زیادہ سنگ دل اور جفا کار کوئی نہیں دیکھا۔ حارث نے کہا او بیٹے! اپنی زبان روک اور یہ تلوار لے اور ان دونوں بچوں کے سر قلم کر۔ بیٹے نے کہا خدا کی قسم! میں یہ کام ہرگز نہ کروں گا اور نہ تجھے یہ کام کرنے دوں گا۔ حارث کی بیوی نے پھر منت وزاری کرتے ہوئے کہا کہ ان بے گناہ بچوں کے خون کا وبال اپنے سر نہ لے، اگر تو ان کو نہیں چھوڑتا تو اتنی بات مان لے کہ ان کو قتل نہ کر اور ان کو زندہ ابن زیاد کے پاس لے جا، اس سے بھی تیرا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ کہنے لگا مجھے اندیشہ ہے کہ جب اہل کوفہ ان کو دیکھیں گے تو شور وغوغا کر کے ان کو مجھ سے چھڑا لیں گے اور میری محنت ضائع ہو جائے گی۔

آخر وہ ظالم تلوار اٹھائے چمنستان رسالت کے ان پھولوں کو کاٹنے کے لیے ان کی طرف بڑھا ؎

جب سامنے بچّوں کے آیا وہ ستم گار
اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی تلوار
دل ہل گئے ہٹ ہٹ کے یہ کی دونوں نے گفتار
کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بے کس و لاچار
مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے
ظالم نے کہا رحم میرے دل میں نہیں ہے

بیوی دوڑ کر حائل ہوگئی اور کہنے لگی: ظالم! خدا کا خوف کر اور عذاب آخرت سے ڈر۔ ظالم نے بیوی پر وار کر دیا، وہ زخمی ہو کر گر گئی اور تڑپنے لگی۔ بیٹے نے ماں کو خاک وخون میں تڑپتے دیکھا تو آگے بڑھ کر باپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: او باپ ہوش میں آ تجھے کیا ہو گیا۔ ظالم نے بیٹے پر بھی وار کر کے موت کی نیند سلا دیا۔ ماں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے

لخت جگر کو اس طرح کشتہ شمشیر جفا ہوتے دیکھا، اس کا کلیجا بھی پھٹ گیا اور وہ بھی راہی جنت ہوئی۔

اب وہ ظالم پھر دونوں بچوں کی طرف آیا۔ دونوں نے سراپا التجا بن کر کہا اگر تجھے یہ اندیشہ ہے کہ ہمیں زندہ لے جانے کی صورت میں لوگ شور وغوغا کر کے چھڑا لیں گے تو تو مال سے محروم رہ جائے گا تو ایسا کر کہ ہمارے گیسو کاٹ کر غلام بنا کر فروخت کر دے۔ ظالم نے کہا اب تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ جب اس نے تلوار اٹھائی تو چھوٹے نے آگے بڑھ کر کہا پہلے مجھے مار ے

کی بڑے بھائی نے قاتل کی یہ منت اس آن　　تجھ سے اک عرض میں کرتا ہوں اگر تو لے مان
سر مرا پہلے اگر کاٹے تو بڑا ہو احسان　　چھوٹے بھائی پہ میں قربان مرا سر قربان
شوق سے اور ہر اک صدمہ و ایذا دکھلا
پر نہ بھائی کا مجھے ننھا سا لاشا دکھلا

ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر　　بالائے زمین کٹ کے ستارا سا گرا سر
دریا میں ستم گار نے پھینکا تن اطہر　　چلا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر
دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دست عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارا　　چلانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
مادر کو پکارا کبھی بابا کو پکارا　　جلاد نے تن پر سے سر اس کا بھی اتارا
دھبا بھی نہ خوں کا لگا شمشیر عدو میں　　بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں
دونوں لاشوں سے جدا کر دیئے سر ہائے ستم
پھینکے پھر نہر میں ظالم نے وہ لاشے اس دم

مل کے بہنے لگے وہ پیکر نوری باہم　　لہریں پانی کی لگیں چومنے بڑھ بڑھ کے قدم
ڈوب کر نہر میں کوثر کے کنارے پہنچے　　آئی مسلم کی صدا پیارے ہمارے پہنچے

الغرض! جب اس ظالم نے ان معصوموں کوشہید کر دیا اور سروں کو جسم سے جدا کر کے لاشے نہر میں پھینک دیئے تو سروں کو توبرے میں ڈال کر ابن زیاد کی طرف چلا۔ دو پہر کا وقت تھا۔ قصر امارت میں داخل ہو کر رسائی حاصل کی اور توبرا ابن زیاد کے سامنے رکھ دیا۔ ابن زیاد نے کہا اس میں کیا ہے؟ کہنے لگا بامید انعام و اکرام تیرے دشمنوں کے سر کاٹ کر لایا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا یہ دشمن کون ہیں؟ کہا: فرزندانِ مسلم بن عقیل! ابن زیاد نے غضب ناک ہو کر کہا! تو نے کس کے حکم سے ان کو قتل کیا ہے؟ بد بخت میں نے یزید کو لکھا ہے کہ اگر حکم ہو تو زندہ بھیج دوں۔ اگر اس نے زندہ بھیجنے کا حکم دے دیا تو میں کیا کروں گا؟ تو ان کو میرے پاس زندہ کیوں نہیں لایا؟ کہنے لگا مجھے اندیشہ تھا کہ اہل شہر غوغا کر کے مجھ سے چھین لیں گے۔ ابن زیاد نے کہا اگر یہ اندیشہ تھا تو انہیں کسی محفوظ مقام پر ٹھہرا کر مجھے اطلاع کر دیتا میں خود منگوا لیتا، تو نے بغیر میرے حکم کے ان کو کیوں قتل کیا؟ ابن زیاد نے اہل دربار کی طرف دیکھا اور مقاتل نامی ایک شخص سے کہا کہ اس کی گردن مار دے۔ چناں چہ اس کی گردن ماردی گئی اور وہ خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق ہوا ؎

عقبیٰ بھی گئی دنیا بھی گئی نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

(روضۃ الشہداء، صفحہ ۱۵۰)

☆☆☆

☆☆☆

دنیا سے ہاتھ اٹھا لیے سبطِ رسول نے
دامن میں اپنے بھر لیے صبر و رضا کے پھول
تمہارے عزم و ارادہ کی استقامت کو
قدم قدم پہ شجاعت سلام کہتی ہے

روانگی امام عالی مقام

گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ اہل کوفہ کے خطوط اور وفود آنے کے بعد امام عالی مقام نے حضرت مسلم بن عقیل کو حالات کی تحقیق کے لیے کوفہ بھیجا تھا۔ انہوں نے اہل کوفہ کی بے پناہ عقیدت و محبت کو دیکھ کر امام عالی مقام کی خدمت میں یہ لکھ بھیجا تھا کہ ہزاروں افراد نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور یہاں کے سب باشندے آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں، آپ فوراً تشریف لے آئیں۔

امام عالی مقام نے اس اطلاع کے بعد کوفہ جانے کا عزم صمیم کر لیا۔ ادھر کوفہ میں جو تبدیلی آ چکی تھی اس کی آپ کو کوئی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ جب اہل مکہ کو آپ کی تیاری کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کا کوفہ جانا پسند نہ کیا کیوں کہ وہ اہل کوفہ کی بے وفائی و غداری کو خوب جانتے تھے۔ ان کو علم تھا کہ ان کوفیوں نے حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، چناں چہ انہوں نے آپ کو سختی سے روکا۔ سب سے پہلے آپ کی خدمت میں عمر بن عبد الرحمن مخزومی حاضر ہوئے اور عرض کیا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کوفہ جا رہے ہیں، اس لیے میں آپ کی خدمت میں محض خیر خواہی کے لیے حاضر ہوا ہوں، اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟ فرمایا، ہاں کہو، تم سچے ہم درد اور مخلص ہو! انہوں نے کہا آپ ایسے شہر میں جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں جہاں اس حکومت کے امراء و عمال موجود ہیں جس کے قبضے میں بیت المال کا خزانہ ہے۔ اور آپ جانتے ہیں عوام تو درہم و دینار کے بندے ہوتے ہیں، اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو بلایا اور آپ کی نصرت کا وعدہ کیا ہے وہی

مال ودولت کے طمع ولالچ میں آکرآپ سے لڑیں گے،اس لیے آپ کوفہ نہ جائیں۔

امام عالی مقام نے ان کے ہم دردانہ مشورہ کا شکریہ ادا کیا اوران کودعا دی۔

(ابن اثیر،جلد ۴،صفحہ ۱۵،طبری،جلد ۶،صفحہ ۲۱۵)

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور فرمایا: بھائی! لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آپ کوفہ جارہے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں ان شاء اللہ میں ایک دو روز میں جانے والا ہوں۔ ابن عباس نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایسا نہ کیجئے البتہ اگر اہل کوفہ نے موجودہ حکومت کے حاکم کو قتل اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہوتا اور حالات پر ان کا پورا پورا قابو ہوتا تو آپ کا جانا درست تھا لیکن اگر انہوں نے آپ کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا امیر ان میں موجود ہے اوراس کی حکومت قائم ہے اوراس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو آپ جان لیجئے کہ انہوں نے آپ کو صرف جنگ و جدال کے لیے بلایا ہے، مجھے خوف ہے کہ یہ بلانے والے آپ کو دھوکا دیں گے، جھٹلائیں گے، بے یارو مددگار چھوڑ دیں گے بلکہ حکومتِ وقت سے مل کر آپ سے لڑیں گے اور سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔ فَقَالَ الْحُسَيْنُ فَاِنِّيْ اَسْتَخِيْرُ اللهَ وَانْظُرُ مَا يَكُوْنُ۔ امام پاک نے فرمایا میں خدا تعالیٰ سے خیر کا طالب ہوں اور دیکھتا ہوں کیا ہوتا ہے۔

(ابن اثیر،جلد ۴،صفحہ ۱۵،طبری،جلد ۶،صفحہ ۲۱۶)

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آئے اور کہا: آپ کا کیا ارادہ ہے؟ فرمایا، میں کوفہ جانے کے لیے سوچ رہا ہوں کیوں کہ وہاں کے اشراف اور میرے شیعوں نے مجھے بلایا ہے اور میں خدا سے خیر چاہتا ہوں۔ ابن زبیر نے کہا اگر آپ کے شیعوں کی طرح میری وہاں کوئی جماعت ہوتی تو میں ضرور جاتا۔ پھر ابن زبیر کو خیال ہوا کہ میری اس بات سے امام کو میرے متعلق کوئی شبہ یا کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو جائے تو کہا کہ اگر آپ حجاز ہی میں رہ کر حصولِ خلافت کی کوشش فرمائیں تو ہم سب آپ کی بیعت کریں گے اور آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گے اور ہر طرح کی خیر خواہی کریں گے۔ امام نے فرمایا میں نے اپنے والد ماجد سے سنا

ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک مینڈھا ہوگا جو مکہ کی حرمت کو حلال کر دے گا، میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔ غرض ابن زبیر نے بہت اصرار کیا کہ آپ حرم مکہ ہی میں بیٹھے رہیں اور آپ کا سارا کام میں کروں گا۔ امام نے فرمایا مجھے حرم کے باہر قتل ہونا حرم کے اندر قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے اور کسی طرح حرم میں رہنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ ابن زبیر کے جانے کے بعد آپ نے فرمایا، ابن زبیر کو دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں کہ میں حجاز سے چلا جاؤں اور اس کے لیے میدان خالی ہو جائے۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۵، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۱۶)

اسی دن شام کو یا دوسرے دن صبح کو حضرت ابن عباس پھر آئے اور کہا: بھائی! میں چاہتا ہوں کہ صبر کروں مگر مجھے صبر نہیں آتا، اس لیے کہ مجھے اس سفر میں تمہاری ہلاکت کا خوف ہے، اہل عراق ایک غدار قوم ہیں، آپ ہرگز ان کے قریب نہ جائیں بلکہ اسی شہر میں مقیم رہیں۔ آپ اہل حجاز کے سردار ہیں، اگر اہل عراق اپنے دعوی محبت میں سچے ہیں اور واقعی آپ کو چاہتے ہیں تو آپ ان کو لکھیں کہ پہلے اپنے عامل (گورنر) اور دشمنوں کو شہر سے نکال دیں پھر آپ جائیں، لیکن آپ نہیں رکتے اور یہاں سے ضرور ہی جانا چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیں وہ ایک طویل وعریض ملک ہے، اگر وہاں قلعے اور پہاڑ ہیں اور وہاں آپ کے باپ کے شیعہ بھی موجود ہیں وہاں الگ تھلگ رہ کر لوگوں کے پاس اپنا پیغام بھیجیں، مجھے امید ہے کہ اس طرح امن وعافیت کے ساتھ آپ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔

امام عالی مقام نے فرمایا، بخدا مجھے یقین ہے کہ آپ میرے مشفق اور خیر خواہ ہیں لیکن اب تو میں جانے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔ ابن عباس نے کہا اچھا ضرور ہی جانا ہے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی آنکھوں کے سامنے قتل نہ کر دیئے جائیں۔ پھر کہا: آپ نے ابن زبیر کے لیے میدان خالی کر کے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی اس کی طرف التفات نہیں کر سکتا تھا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم! اگر میں یہ سمجھتا کہ میں آپ سے دست وگریبان ہو جاؤں یہاں تک کہ میرا اور آپ کا تماشا دیکھنے کے لیے لوگ جمع ہو

جائیں اور آپ میرا کہنا مان لیں گے تو میں ایسا بھی کر گزرتا۔ چوں کہ قضا وقدر کے احکام نافذ ہو چکے تھے، ہونا وہی تھا جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ اس لیے حضرت ابن عباس کی کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ پھر حضرت ابوبکر بن حارث حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کے والد ماجد مسند خلافت پر متمکن تھے اور مسلمانوں کا ان کی طرف عام رجحان بھی تھا اور ان کے احکام پر سر بھی جھکاتے تھے، شام کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ ان کے ساتھ تھے، باوجود اس اثر واقتدار کے جب وہ معاویہ کے مقابلے میں نکلے تو دنیا کی طمع میں لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور صرف ساتھ ہی چھوڑنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہی۔ ان کے بعد آپ کے بھائی کے ساتھ عراقیوں نے جو کچھ کیا وہ بھی آپ کو معلوم ہے، ان تجربات کے بعد بھی آپ اپنے والد ماجد اور بھائی کے دشمنوں کے پاس اس امید پر جا رہے ہیں کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے! یقین جانیے کہ عراقی، دنیا کی طمع اور مال کی حرص میں آ کر آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہ سگان دنیا فوراً آپ کے دشمنوں سے مل جائیں گے، یہ آپ کی محبت اور مدد کا دعویٰ کرنے والے ہی آپ کے دشمن ثابت ہوں گے۔ (مروج الذہب للمسعودی، جلد ۵، صفحہ ۱۳۴)

ابوبکر بن حارث کی پُرزور تقریر بھی آپ کے عزم واستقلال میں کوئی تزلزل پیدا نہ کر سکی اور آپ نے فرمایا ہاں خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی، غرض کہ اور بھی آپ کے چند احباب نے روکا مگر وہ بھی ناکام ہوئے اور آپ کے عزم راسخ میں کوئی تبدیلی نہ آئی، چناں چہ ذی الحجہ ۶۰ ھ کو اہل بیت نبوت کا قافلہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔

وَلَمَّا بَلَغَ مُحَمَّدًا امَسِيْرُ اَخِيْهِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اِلَى الطَّفِ وَ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ طَسْتٌ يَتَوَضَّاءُ فِيْهِ بَكٰى حَتّٰى مَلَاءُ مِنْ دُمُوْعِهٖ (نورالابصار، صفحہ ۱۱۵)

اور جب محمد (بن حنفیہ) کو اپنے بھائی حسین کے کربلا کی طرف روانہ ہونے کی خبر پہنچی تو اتنا روئے کہ ان کے آگے طشت رکھا تھا جس میں وہ وضو کرتے تھے وہ آنسوؤں سے بھر گیا۔

عمرو بن سعید بن العاص نے جو یزید کی طرف سے حاکم مکہ تھے، اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کے ہاتھ چند سواروں کو اس غرض سے بھیجا کہ قافلہ امام کو روکیں، چناں چہ انہوں نے سخت مزاحمت کی۔ یہاں تک کہ ان میں اور امام کے ہم راہیوں میں مار پیٹ تک ہوئی۔ انہوں نے کہا اے حسین! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ جماعت سے نکلے جاتے ہو اور امت میں تفرقہ ڈالتے ہو؟ جواباً آپ نے فرمایا:

لِیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ اَنْتُمْ بَرِیْئُوْنَ مِمَّا اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ

''یعنی میرا عمل میرے لیے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لیے تم میرے عمل سے بری اور میں تمہارے عمل سے بری''۔

مقام صفاح پر عرب کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس سے عراق کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا: آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا ہے۔ حضرت! ان لوگوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں تاہم قضاء الٰہی آسمان سے نازل ہوتی ہے، خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا:

لِلّٰہِ الْاَمْرُ وَیَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَکُلَّ یَوْمٍ رَبُّنَا فِیْ شَاْنٍ اِنْ نَزَلَ الْقَضَآءُ بِمَا نُحِبُّ فَنَحْمَدُ اللّٰہَ عَلٰی نَعْمَآئِہٖ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ عَلٰٓی اَدَآءِ الشُّکْرِ وَاِنْ حَالَ الْقَضَآءُ دُوْنَ الرَّجَآءِ فَلَمْ یَعْتَدَّ مَنْ کَانَ الْحَقُّ نِیَّتَہٗ وَالتَّقْوٰی سَرِیْرَتَہٗ

''امر اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارے رب کی ہر روز ایک نئی ہی شان ہوتی ہے۔ اگر آسمانی فیصلہ ہماری پسند کے موافق ہوا تو ہم اس کی نعمتوں پر اس کے شکر گزار رہوں گے اور اس ادائے شکر میں بھی وہی معین و مددگار ہے اور اگر فیصلہ امید کے خلاف ہوا تو جس شخص کا مقصود حق ہو اور تقویٰ اس کا بھید اور راز ہو وہ (یہ) نہیں دیکھتا کہ فیصلہ موافق ہوا یا مخالف''۔

(ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۶، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۱۸، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۶۶)

فرزدق سے گفتگو کرنے کے بعد کاروانِ امام آگے بڑھا تو آپ کے بھانجے حضرت عون و محمد رضی اللہ عنہما اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا خط لے کر آئے اور آپ کو راستے میں مل کر خط پیش کیا اس میں لکھا تھا:

میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ میرا یہ خط دیکھتے ہی فوراً واپس آجائیں کیوں کہ جہاں آپ جا رہے ہیں وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی کا مجھے اندیشہ ہے، اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو اسلام کا نور بجھ جائے گا اور دنیا میں اندھیرا ہو جائے گا۔ آپ اہل ہدایت کے رہ نما اور اہل ایمان کی امید ہیں، آپ روانگی میں جلدی نہ کریں۔ اس خط کے پیچھے پیچھے میں بھی آرہا ہوں۔ والسلام۔ (طبری، جلد ۶ صفحہ ۲۱۹)

فرزندوں کے ہاتھ خط روانہ کر کے حضرت عبداللہ خود حاکم مکہ عمرو بن سعید کے پاس گئے اور اس سے گفتگو کر کے کہا، تم اپنی جانب سے ایک خط حضرت حسین کے نام، جس میں انہیں امان دینے اور ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کا وعدہ ہو، لکھ کر انہیں واپس آنے کے لیے کہو۔ عمرو بن سعید نے کہا: مضمون تم خود لکھ لو میں اس پر مہر کر دوں گا۔ چناں چہ حضرت عبداللہ نے عمرو کی طرف سے یہ خط لکھا۔

عمرو بن سعید (گورنر مکہ) کی طرف سے حسین بن علی کے نام۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس ارادہ سے باز رکھے جس میں آپ کے لیے تباہی کا سامنا ہو، آپ کو وہ راہ دکھائے جس میں آپ کے لیے بہتری ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اختلاف و انشقاق سے بچائے اس لیے کہ اس میں آپ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ میں آپ کے پاس عبداللہ بن جعفر اور اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو بھیج رہا ہوں، آپ ان کے ساتھ واپس آجائیں، میں آپ کو امان دیتا ہوں اور آپ کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آؤں گا، اس پر خدا گواہ اور وکیل ہے"۔

گورنر نے اس تحریر پر مہر کر دی اور حضرت عبداللہ اور یحییٰ اس خط کو لے کر امام کے

پاس پہنچے۔ آپ نے اس خط کو پڑھا اور واپس ہونے سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ نے کہا آخر کیا بات ہے آپ جانے پر اس قدر بضد کیوں ہیں؟ فرمایا:

اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ وَقَدْ اَمَرَنِیْ فِیْھَا بِاَمْرٍ وَاَنَا مَاضٍ لَّہٗ عَلَیَّ کَانَ اَوْلِیْ فَقَالَا وَمَا تِلْکَ الرُّؤْیَا؟ قَالَ مَا حَدَّثْتُ بِھَا اَحَدًا وَّمَا اَنَا مُحَدِّثٌ بِھَا حَتّٰی اُلْقِیَ رَبِّیْ۔

''میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، آپ نے اس خواب میں مجھے ایک حکم دیا ہے جس کو میں ضرور پورا کروں گا خواہ وہ میرے خلاف پڑے یا موافق۔ انہوں نے کہا، وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا میں نے اب تک نہ کسی سے بیان کیا ہے اور نہ کروں گا، یہاں تک کہ میں اپنے رب تعالیٰ سے جا ملوں''۔

(طبری، جلد ۶، صفحہ 219، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۷، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۶۷)

چھٹ جائے اگر دولتِ کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محمد (ﷺ)

پھر آپ نے عمرو بن سعید کے نام اس کے خط کا جواب لکھا۔ امابعد!

فَاِنَّہٗ لَمْ یُشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ مَنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَعَمِلَ صَالِحًا اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَقَدْ دَعَوْتَ اِلَی الْاَمَانِ وَالْبِرِّ وَالصِّلَۃِ فَخَیْرُ الْاَمَانِ اَمَانُ اللّٰہِ وَلَنْ یُّؤْمِنَ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ لَّمْ یَخَفْہُ فِی الدُّنْیَا فَنَسْاَلُ اللّٰہَ مَخَافَۃً فِی الدُّنْیَا تُوْجِبُ لَنَا اَمَانَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَاِنْ کُنْتَ نَوَیْتَ بِالْکِتَابِ صِلَتِیْ وَبِرِّیْ فَجُزِیْتَ خَیْرًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَالسَّلَامُ

''جو شخص اللہ عزوجل کی طرف دعوت دے اور نیک اعمال بھی کرے وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرنے والا کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بے شک میں ایک مسلمان ہوں، تم نے مجھے امان، نیکی اور صلہ کی دعوت دی ہے تو سنو، بہترین امان، اللہ کی امان ہے۔ جو شخص دنیا میں اللہ سے نہیں ڈرتا اللہ قیامت کے دن اس

کو ہرگز امان نہ دے گا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دنیا میں اپنا خوف عطا فرمائے تاکہ قیامت کے دن ہم اس کی امان کے مستحق ہو جائیں۔ اگر اس خط سے واقعی تم نے میرے ساتھ نیکی اور صلہ کی نیت کی ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، والسلام''۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۱۹)

اے مسلمان! اے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) غور کر اور خوب کر! امام عالی مقام کے دوستوں اور عزیزوں نے ازراہ عقیدت و محبت کتنا سمجھایا اور زور لگایا کہ آپ کوفہ نہ جائیں، وہ لوگ بے وفا ہیں ان کی محبت کے دعوے صرف زبانوں تک محدود ہیں، قلبی اور عملی طور پر وہ ثابت نہیں کر سکیں گے۔ بلاشبہ دوستوں کے مشورے نہایت مخلصانہ تھے، ان کو امام کے پاکیزہ مقصد سے ہرگز اختلاف نہ تھا بلکہ اہل کوفہ کی بے وفائی کے پیش نظر یہ خدشہ تھا کہ امام تکالیف و مصائب کا شکار ہو جائیں گے اور اگر خدانخواستہ آپ شہید ہو گئے تو اسلام کا نور بجھ جائے گا، دنیا تاریک ہو جائے گی اور ہم نواسہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اپنے رہ نما اور آقا سے محروم ہو جائیں گے مگر بہ صد جان قربان جائیں، امام کے پیش نظر تو نانا جان سید الانس و الجان حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ حکم مبارک تھا جس کو انہوں نے بہرصورت پورا کرنا تھا خواہ کچھ بھی ہوتا، چناں چہ انہوں نے کر دکھایا۔

آج کل کے خائن، بددیانت اور جاہل لوگ جو ان پاک لوگوں کی محبت سے محروم اور اسرار محبت و رموز معرفت سے بالکل بے خبر ہیں، وہ اپنی شقاوت و بدنصیبی کی بناء پر امام عالی مقام پر طرح طرح کے ناپاک الزام اور شدید بہتان لگا رہے ہیں۔ معاذ اللہ۔ وہ امام کے بلند ترین مقام اور آپ کے عظیم الشان کردار کی حقیقت کو کیا جانیں! امام پاک کے ارشادات کو دیکھیے اور حق و صداقت پر استقلال کو دیکھیے۔ بلاشبہ آپ نے آنے والی نسلوں کے لیے عزیمت کی مثال قائم کر دی اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اس طرح ظالموں اور جابروں کے سامنے کلمہ حق کہا اور حق و صداقت کے پرچم کو بلند رکھا جاتا ہے، جس طرح وہ مرتبہ کے لحاظ سے بہت بلند تھے، اسی قدر انہوں نے اپنے بلند کردار کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے دکھا دیا کہ ہلا دینے والے مصائب اور تڑپا دینے والی اذیتیں بھی میرے قدموں میں

تزلزل پیدا نہیں کر سکیں، انہوں نے سبق دے دیا کہ حق وصداقت پر قائم رہتے ہوئے محبوب حقیقی پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا اور اس کے لیے ہر ذلت ومصیبت کو برداشت کر لینا یہ شکست نہیں، یہ ذلت نہیں بلکہ عظیم الشان فتح اور دو جہان کی عزت ہے۔

ہوئی نصیب جو میدان کربلا میں تمہیں وہ کامیاب شہادت سلام کہتی ہے
بہ صد عقیدت، بہ صد افتخار و ادب تمہیں رسول کی امت سلام کہتی ہے

ابن زیاد بدنہاد کو اطلاع مل چکی تھی کہ کاروان امام کوفہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور برابر منزلیں طے کر رہا ہے۔ اس نے اس کاروان سے نپٹنے کے انتظامات شروع کر دیئے، چناں چہ اس نے رئیس الشرط (انسپکٹر جنرل پولیس) حصین بن نمیر تمیمی کو ہدایات دے کر اس کے ساتھ ایک لشکر روانہ کر دیا۔ حصین بن نمیر نے قادسیہ پہنچ کر لشکر کو پھیلا دیا اور راستوں کی ناکابندی کر دی اور چند سوار برائے جاسوسی آگے بھیجے تاکہ آپ کی نقل وحرکت کی خبریں بھی ملتی رہیں اور اہل کوفہ اور آپ کے درمیان پیغام رسانی کا سلسلہ قائم نہ ہو سکے۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت

امام پاک نے مقام حاجر میں پہنچ کر اپنے ایک رفیق قیس بن مسہر الصیداوی کو ایک خط دے کر کوفہ روانہ کیا، اس خط میں آپ نے اہل کوفہ کو اپنے آنے کی اطلاع اور تکمیل مقصد کے سلسلے میں پوری طرح جدوجہد کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ لیکن راستوں کی ناکابندی تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ چناں چہ قیس جب قادسیہ کے قریب پہنچے تو ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ حصین نے ان کو ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد نے ان کو حکم دیا کہ قصر امارت کی چھت پر چڑھو اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی کو گالیاں دو (معاذ اللہ)۔ قیس نے اہل کوفہ کو امام کا پیغام پہنچانے کے لیے موقع غنیمت جانا فوراً اس حکم پر قصر کے اوپر چڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا لوگو! سیدنا حسین بن علی، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر اور خلق خدا میں سب سے بہتر ہیں، میں ان کا قاصد ہوں، وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں، ان کی دعوت قبول کرو، پھر انہوں نے ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے لیے دعائے بخشش کی۔ اس پر ابن زیاد غضب ناک ہو گیا اس نے حکم دیا کہ اس کو بہت اونچا اچھال کر اس طرح نیچے گراؤ کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ چناں چہ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت قیس کو اس طرح بے دردی سے گرایا گیا کہ ہڈیاں بھی ٹوٹ گئیں، کچھ رمق باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر نے آگے بڑھ کر ذبح کر دیا اور امام پاک کا یہ سچا محب آپ پر نثار ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔ بالکل ایسا ہی واقعہ حضرت عبداللہ بن بقطر کے ساتھ پیش آیا جن کو امام نے خط دے کر حضرت مسلم کے پاس بھیجا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۷)

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات

مسافر کربلاء اپنے قافلے کے ساتھ برابر آگے بڑھ رہا تھا۔ بطن ذی الرمہ سے آگے ایک کنوئیں پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے جب آپ کو دیکھا تو آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا اے ابن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ آپ نے اپنے آنے کی وجوہ اور اسباب بیان کیے تو انہوں نے کہا: اے ابن رسول اللہ! میں آپ کو حرمتِ اسلام، حرمتِ قریش اور حرمتِ عرب کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ کوفے نہ جائیں، وہاں آپ یقیناً شہید کر دیئے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ہمیں ہرگز کوئی تکلیف نہ پہنچے گی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ (اخبار الطوال، صفحہ ۲۵۵، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۷)

زہیر بن قین البجلی

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات کے بعد امام پاک نے مقام زرود میں قیام کیا۔ وہاں قریب ہی ایک خیمہ نظر آیا۔ پوچھا: یہ کس کا خیمہ ہے؟ عرض کیا گیا: زہیر بن قین البجلی کا، وہ حج سے فارغ ہو کر کوفہ جا رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بلایا۔ انہوں نے اس بلانے کو ناپسند کیا مگر چلے گئے جب ملاقات کی اور قافلہ اہل بیت کا منظر دیکھا تو دفعتاً ایک بات یاد آئی جس سے خیالات کی دنیا بدل گئی اور چہرہ چمکنے لگا۔ اسی وقت اپنا خیمہ اکھڑوا کے آپ کے خیمہ کے قریب نصب کیا اور بیوی کو طلاق دے کر کہا: تم اپنے بھائی کے ساتھ گھر چلی جاؤ اور

اپنے ہم راہیوں سے کہا تم میں سے جو چاہے چلا جائے اور جو چاہے میرا ساتھ دے۔ وہ سب حیران ہو گئے کہ ماجرا کیا ہے؟ انہوں نے کہا سنو! میں تمہیں بتاؤں ہم نے بلنجر میں جنگ کی تھی، فتح کے بعد بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا جس سے ہم بہت خوش ہوئے (حضرت) سلمان فارسی ہمارے ساتھ تھے انہوں نے فرمایا: (ایک وقت آئے گا)

اِذَا اَدْرَکْتُمْ سَیِّدَ شَبَابِ اَھْلِ مُحَمَّدٍ فَکُوْنُوْا اَشَدَّ فَرَحًا بِقِتَالِکُمْ مَعَهٗ بِمَا اَصَبْتُمُ الْیَوْمَ مِنَ الْغَنَآئِمِ فَاَمَّا اَنَا فَاَسْتَوْدِعُکُمُ اللهَ

''جب تم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر کے جوانوں کے سردار (حضرت حسین) کو پاؤ گے اور ان کے ساتھ مل کر (ان کے دشمنوں سے) جنگ کرو گے تو آج جو تمہیں مال غنیمت کے ملنے پر خوشی ہوئی ہے، اس سے بہت زیادہ خوشی حاصل کرو گے۔ پس میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں، چناں چہ وہ امام کے ساتھ رہے اور کربلا میں جام شہادت نوش کر کے ابدی خوشیوں سے ہم کنار ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ''۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۷، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۲۵)

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے　　حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

شہادت مسلم کی خبر

امام پاک ابھی تک کوفہ کے حالات سے باخبر نہ تھے۔ جب آپ مقام ثعلبیہ میں پہنچے تو آپ کو حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر اس طرح ملی۔ عبداللہ بن سلیم اور مذری بن مشمعل الاسدی فرماتے ہیں کہ ہم دونوں حج کو گئے تھے۔ حج سے فارغ ہوئے تو ہمیں سب سے زیادہ اس بات کی خواہش تھی کہ بہت جلدی جا کر دیکھیں کہ حضرت حسین کو کیا معاملہ پیش آیا ہے؟ ہم اپنی سواریوں کو دوڑاتے ہوئے چلے اور مقام زرود میں آپ کے قافلے کو ملے۔ جب ہم آپ کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی اہل کوفہ میں سے آپ کی طرف آ رہا ہے، آپ اسے دیکھ کر ٹھہر گئے لیکن وہ دوسری طرف مڑ گیا۔ ہم نے آپس میں کہا، چلو اس سے کوفہ کی خبر معلوم کریں۔ ہم اس کے پاس پہنچے اور اس کو سلام کیا اس

نے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میں اسدی ہوں اور میرا نام بکیر بن مثعبہ ہے۔ ہم نے کہا، ہم دونوں بھی اسدی ہیں۔ تعارف کے بعد ہم نے اس سے کوفہ کی خبر پوچھی تو اس نے کہا کہ میں ابھی کوفہ سے نہیں نکلا تھا کہ مسلم اور ہانی قتل ہو چکے تھے، میں نے دیکھا کہ لوگ ان دونوں کے پاؤں پکڑ کر ان کو بازار میں گھسیٹتے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ یہ خبر سن کر ہم دونوں پھر امام کے قافلے کے ساتھ آ ملے۔ شام کو جب امام نے مقام ثعلبیہ میں منزل کی تو ہم نے آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا، اس الم ناک خبر کو سن کر آپ نے بار بار اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اور رحمۃ اللہ علیہما پڑھا ؂

جس دم یہ سناشہ نے مسافر کی زبانی　　آنکھوں سے بہے اشک جگر ہو گیا پانی
فرمایا کہ راحت میں ہماری خلل آیا　　منزل پہ نہ پہنچے کہ پیام اجل آیا

پھر ہم نے عرض کی، ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ لوٹ جائیں۔ کوفہ میں کوئی بھی آپ کا حامی و مددگار نہیں ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ جو آپ کے داعی تھے وہی آپ کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس پر بنو عقیل نے جوش میں آکر کہا، خدا کی قسم! ہم سرزمین کوفہ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک اپنے بھائی مسلم کے خون کا بدلہ نہ لیں گے یا ان کی طرح قتل نہ ہو جائیں گے۔ ان کی بات سن کر امام نے فرمایا لا خیر فی العیش بعد ھولاء۔ ان لوگوں کے بعد زندہ رہنے میں کوئی لطف و بھلائی نہیں ؂

زندگی بہر دیدن یاراست　　یار چوں نیست زندگی عار است(☆)

آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا، واللہ! آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں۔ کجا مسلم کجا آپ؟ جوں ہی آپ کوفہ تشریف لے جائیں گے اور لوگ آپ کو دیکھیں گے سب آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۲۵)

قافلہ یہاں سے آگے چلا۔ آپ جس جس دیہات سے گزرتے تھے لوگ جوق در جوق آپ کے ساتھ ہوتے جاتے تھے۔ زبالہ پہنچے تو آپ کو عبداللہ بن بقطر کی شہادت کی خبر ملی۔

☆ ترجمہ:۔ زندگی یار کے دیدار کے لیے ہے، یار جب نہیں تو زندگی باعث شرم ہے۔

آپ کی تقریر

جب آپ کو اس قسم کی الم ناک خبریں ملیں تو آپ نے اپنے سب رفقاء کو جمع کر کے فرمایا: ہمیں مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبریں مل چکی ہیں۔ ہمارے شیعوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے لہٰذا تم میں سے جو شخص واپس جانا چاہتا ہے وہ خوشی سے جا سکتا ہے، ہماری طرف سے اس پر کوئی الزام نہیں۔

یہ آپ نے اس لیے فرمایا تھا کہ وہ لوگ جو کسی اور خیال کے پیش نظر آپ کے ساتھ ہو گئے تھے وہ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں اور نہ اپنے آپ کو آپ کے ساتھ رہنے پر مجبور سمجھیں بلکہ وہ آزادی سے جہاں چاہیں چلے جائیں اور ساتھ وہی لوگ رہ جائیں جو آپ کے مقاصد کے ساتھ پورے پورے متفق ہوں اور بہ صد شوق راہ حق میں جان دینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ کے اس ارشاد کو سن کر وہ لوگ جو راستے میں ہم راہ ہو گئے تھے منتشر ہو گئے کیوں کہ وہ بہ قصد جنگ نہیں بلکہ یہ سمجھ کر ساتھ ہوئے تھے کہ کوفہ پر ان کا قبضہ ہو گیا ہے۔

زبالہ سے چل کر بطن عقبہ میں پہنچے۔ یہاں بنی عکرمہ میں سے ایک شخص آپ کو ملا، اس نے آپ سے پوچھا، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے بتایا، کوفہ! اس نے عرض کیا: میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں آپ لوٹ جائیں۔ خدا کی قسم! آپ کو نیزوں اور تلواروں سے سابقہ پڑے گا۔ جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے اگر انہوں نے آپ کے لیے راستہ صاف کر دیا ہوتا اور آپ کے ساتھ ہو کر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوتے تو آپ کا جانا درست تھا لیکن جو حالات آپ نے بتائے ہیں ایسے حالات میں جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ فرمایا:

يَا عَبْدُ اللهِ اَنَّهٗ لَيْسَ يَخْفٰى عَلَيَّ الرَّأْىُ مَا رَاَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ لَا يُغْلِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ

(طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۲۶، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۸)

اے بندۂ خدا! جو تم کہتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا کوئی امر مغلوب نہیں کیا جا سکتا

دنیا سے ہاتھ اٹھا لیے سبط رسول نے   دامن میں اپنے بھر لیے صبر و رضا کے پھول

بطن عقبہ کے بعد اشراف میں پہنچے۔ یہاں سے صبح کے وقت کوہ ذی حشم کی طرف چلے اور پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہوئے۔ یہاں حر بن یزید ریاحی تمیمی جو حکومت یزید کی طرف سے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، ایک ہزار مسلح سواروں کے ساتھ پہنچا اور آپ کے مقابل آ کر ٹھہرا۔ ظہر کے وقت امام پاک نے اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد آپ دستہ حر کے سامنے تشریف لے گئے اور حمد وثناء کے بعد یہ تقریر فرمائی۔

تقریر

اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ اور تم لوگوں سے معذرت کرتا ہوں۔ میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا بلکہ میرے پاس تمہارے خطوط اور قاصد پہنچے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ ہمارے پاس آئیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہمیں راہ ہدایت پر لگا دے۔ اب میں آیا ہوں تو تم لوگ اپنے قول و اقرار پر قائم رہتے ہوئے مجھ سے ایسے عہد و پیمان کرو جن سے مجھے پورا اطمینان ہو جائے تو میں تمہارے شہر کو چلوں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

یہ سن کر سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے موذن سے فرمایا اقامت کہو اور حر سے پوچھو میرے ساتھ نماز پڑھو گے یا الگ؟ حر نے کہا الگ نہیں ہم سب آپ کے پیچھے آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ چناں چہ آپ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے اور حر اپنے مقام پر چلا گیا۔ عصر کے وقت آپ نے اپنے قافلے کو تیاری کا حکم دیا اور موذن کو اذان کے لیے فرمایا۔ پھر سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

تقریر

اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّكُمْ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ وَ تَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ يَكُنْ اَرْضٰى لِلّٰهِ وَ نَحْنُ اَهْلُ الْبَيْتِ اَوْلٰى بِوَلَايَةِ هٰذَا الْاَمْرِ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ الْمُدَّعِيْنَ مَا لَيْسَ لَهُمْ وَالسَّآئِرِيْنَ فِيْكُمْ بِالْجَوْرِ وَالْعُدْوَانِ فَاِنْ اَنْتُمْ كَرِهْتُمُوْنَا

وَجَهِلْتُمْ حَقَّنَا وَ كَانَ رَاْيُكُمْ غَيْرَ مَآ اَتَتْنِيْ بِهٖ كُتُبُكُمْ وَرُسُلُكُمْ اِنْصَرَفْتُ عَنْكُمْ

لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور اہل حق کے حق کو پہچانو تو یہ اللہ کی رضا مندی کا باعث ہوگا ہم اہل بیت نبوت ان دعوے داروں کے مقابلہ میں جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں جس کا انہیں حق نہیں، خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر تم لوگ ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق کو نہیں پہچانتے ہو اور (آج) تمہاری رائے اس سے مختلف ہے جو تمہارے خطوط اور تمہارے قاصدوں نے مجھ پر ظاہر کی تھی تو میں تمہارے پاس سے واپس چلا جاؤں گا۔ حر نے کہا خدا کی قسم، ہمیں ان خطوط اور قاصدوں کی جن کا آپ ذکر کر رہے ہیں، خبر نہیں۔ آپ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا وہ تھیلے لاؤ جن میں ان لوگوں کے خطوط ہیں؟ وہ لائے! آپ نے ان تھیلوں کو سب کے سامنے الٹ دیا۔ ان خطوط کو دیکھ کر حر نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو یہ خطوط لکھے ہیں، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جب ہم آپ سے ملیں آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں، یہاں تک کہ آپ کو کوفہ میں ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا تمہاری موت اس سے زیادہ قریب ہے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو سوار ہو کر لوٹنے کا حکم دیا۔ حر نے مزاحمت کی۔ آپ نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے، تو کیا چاہتا ہے؟ حر نے کہا خدا کی قسم! آپ کے علاوہ کوئی اور عرب یہ کلمہ کہتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا تو میں اس کی ماں کے لیے بھی یہی کہتا۔ لیکن خدا کی قسم میں آپ کی والدہ کا ذکر احسن طریقہ سے ہی کروں گا۔ آپ نے فرمایا، اچھا کہو تم کیا چاہتے ہو؟ حر نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے چلوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم! میں اس میں تمہاری موافقت نہیں کروں گا۔ حر نے کہا خدا کی قسم! میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اس طرح آپس میں تکرار اور تلخ کلامی ہوتی رہی۔ حر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں بھی آپ ملیں آپ کو چھوڑوں نہیں جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں، تو آپ ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ آپ کو کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ لوٹائے۔ اس

دوران میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ بھی ابن زیاد یا یزید کو لکھیں شاید اللہ کوئی ایسی عافیت کی صورت پیدا کر دے کہ میں بھی آپ کے معاملہ میں ابتلاء و آزمائش سے بچ جاؤں، آپ عذیب اور قادسیہ کی راہ سے بائیں طرف مڑ کر چلنے لگے۔ حر بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۲۸، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۹)

مقام بیضاء میں پہنچ کر آپ نے اپنے اور حر کے ساتھیوں کے سامنے پھر ایک پُر جوش تقریر فرمائی۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَّاٰی سُلْطَانًا جَائِرًا مُّسْتَحِلًّا لِّحَرَامِ اللّٰہِ نَاکِثًا لِّعَھْدِ اللّٰہِ مُخَالِفًا لِّسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْمَلُ فِیْ عِبَادِ اللّٰہِ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ مَا عَلَیْہِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّدْخِلَہٗ مُدْخَلَہٗ اَلَا وَاِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ قَدْ لَزِمُوْا طَاعَۃَ الشَّیْطَانِ وَتَرَکُوْا طَاعَۃَ الرَّحْمٰنِ وَ اَظْھَرُوا الْفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ وَاسْتَاْثَرُوْا بِالْفَیْءِ وَاَحَلُّوْا حَرَامَ اللّٰہِ وَ حَرَّمُوْا حَلَالَہٗ وَاَنَا اَحَقُّ مَنْ غَیَّرَ وَقَدْ اَتَتْنِیْ کُتُبُکُمْ وَ قَدِمَتْ عَلَیَّ رُسُلُکُمْ بِبَیْعَتِکُمْ وَاَنَّکُمْ لَا تُسْلِمُوْنِیْ وَلَا تَخْذُلُوْنِیْ فَاِنْ اَقَمْتُمْ عَلَیَّ بَیْعَتِکُمْ تُصِیْبُوْا رُشْدَکُمْ فَاَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ وَابْنُ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَفْسِیْ مَعَ اَنْفُسِکُمْ وَاَھْلِیْ مَعَ اَھْلِیْکُمْ فَلَکُمْ فِیَّ اُسْوَۃٌ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ نَقَضْتُمْ عَھْدَکُمْ وَ خَلَعْتُمْ بَیْعَتِیْ مِنْ اَعْنَاقِکُمْ فَلَعُمْرِیْ مَا ھِیَ لَکُمْ بِنُکْرٍ لَقَدْ فَعَلْتُمُوْھَا بِاَبِیْ وَاَخِیْ وَ ابْنِ عَمِّیْ مُسْلِمٍ وَالْمَغْرُوْرُ مَنِ اغْتَرَّبِکُمْ فَحَظَّکُمْ اَخْطَاتُمْ وَ نَصِیْبَکُمْ ضَیَّعْتُمْ وَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَ سَیُغْنِی اللّٰہُ عَنْکُمْ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ

"اے لوگو! بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنے والا ہو، اللہ کے عہد کو توڑنے والا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف کرنے والا ہو، اللہ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی سے حکومت کرتا ہو، تو پھر وہ بہ قدر طاقت فعلاً وقولاً اس کو نہ بدلے، تو اللہ کو حق پہنچتا ہے کہ اس شخص کو بھی اس (بادشاہ) کے مدخل یعنی (دوزخ) میں داخل کر دے۔ آگاہ ہو جاؤ! ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے اور رحمن کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے۔ ملک میں فساد برپا کر دیا ہے، حدود شرع کو معطل کر دیا ہے، مال غنیمت کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے، اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ کو حرام کر دیا ہے اور میں بہ نسبت کسی اور کے زیادہ حق رکھتا ہوں کہ ان کو بدلوں۔ اور بے شک میرے پاس تمہارے خطوط اور قاصد تمہاری بیعت کے (عہد کے) ساتھ آئے اور (اس عہد کے ساتھ آئے کہ) تم مجھے دشمن کے سپرد نہ کرو گے اور بے یارو مددگار نہ چھوڑو گے، پس اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو گے تو رشد و ہدایت پاؤ گے۔ سنو میں حسین ابن علی، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ ہے اور میرے اہل تمہارے اہل کے ساتھ ہیں۔ میری ذات میں تمہارے لیے نمونہ ہے۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور میری بیعت کا حلقہ اپنی گردنوں سے اتار دیا تو میری جان کی قسم! یہ تمہارے لیے کوئی نئی اور انوکھی بات نہ ہو گی بلکہ اس سے پہلے تم میرے باپ اور میرے بھائی اور میرے ابن عم (چچازاد) مسلم کے ساتھ بھی ایسا کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکے میں آ گیا ہے۔ تم بدنصیب ہو، تم نے اپنے حصے کو ضائع کر دیا اور جس نے بدعہدی کی تو سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اس بدعہدی کا وبال اسی کی ذات پر ہے اور مجھے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ"۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۲۹،

ابن خلدون، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۰)

اس تقریر کو سن کر حر نے کہا: میں آپ کو آپ ہی کی جان کے بارے میں خدا یاد دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اگر آپ حملہ کریں گے تو بھی، یا آپ پر حملہ ہوگا تو بھی، آپ ضرور قتل کر دیئے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ اور کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے؟ میں نہیں جانتا کہ میں تمہیں کیا کہوں، لیکن میں وہی کہتا ہوں جو بنی اوس میں سے ایک صحابی رسول نے اپنے ابن عم سے کہا تھا (یہ صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ تو ان کے ابن عم نے ان سے مل کر کہا، کہاں جاتے ہو، مارے جاؤ گے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا)

سَامْضِیْ وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی الْفَتٰی اِذَا مَا نَوٰی خَیْرًا وَّ جَاھَدَ مُسْلِمًا

میں عنقریب اپنے مقصد کو پورا کروں گا اور موت جواں مرد کے لیے باعث ننگ و عار نہیں جب کہ اس کی نیت نیک ہو اور مسلمان رہ کر جہاد کرے۔

وَوَاسیٰ رِجَالًا صَالِحِیْنَ بِنَفْسِہٖ وَخَالَفَ مَثْبُوْرًا وَفَارَقَ مُجْرِمًا

اور اپنی جان سے صالحین بندوں کی مدد کرے اور ہلاک ہونے والے کی مخالفت کرے اور مجرم سے علیحدہ رہے۔

فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدِمْ وَاِنْ مُتُّ لَمْ اَلَمْ کَفٰی بِکَ ذُلًّا اَنْ تَعِیْشَ وَ تَرْغَمَا

اگر میں زندہ رہا تو مجھے کچھ ندامت نہ ہوگی اور اگر مر گیا تو کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ لیکن تجھے یہی کافی ہے کہ تو ذلت و رسوائی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۰)

حر یہ اشعار سن کر آپ سے الگ ہو کر چلنے لگا۔

درسِ عبرت

امام عالی مقام کے ساتھ عقیدت و محبت کا دعویٰ کرنے والوں اور خصوصاً آپ کی اولاد، سادات حضرات کو آپ کے حالات اور آپ کے خطبات سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ آپ نے کس طرح حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے فسق و فجور کا مقابلہ کیا اور آنے والی نسلوں کے

لیے عزیمت کی بے نظیر مثال قائم کی۔ اور فرمایا میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حق دار ہوں کہ گلشن اسلام کی حفاظت کروں، اس لیے کہ یہ گلشن میرے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور میرے نانا جان نے اپنے خون سے اس کی آب یاری کی ہے اور لرزا دینے والی تکلیفوں کو برداشت کر کے اس کو پروان چڑھایا اور تازگی و شگفتگی بخشی اور پھر آپ کے سچے جانشینوں حضرت صدیق و فاروق اور عثمان و حیدر رضی اللہ عنہم نے اس کی حفاظت کا پورا پورا حق ادا کیا اور اب میرا زمانہ ہے اور خزاں چاہتی ہے کہ اس گلشن اسلام کو شکار کرے اور اس کی تازگیاں اور رعنائیاں چھین لے مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، میں اپنا اور اپنے جگر کے ٹکڑوں کا خون دے دوں گا لیکن اس گلشن اسلام کو تازہ اور شگفتہ رکھوں گا۔ بلاشبہ آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا اور اس عمدگی سے کیا کہ رہتی دنیا تک اسلام کی بہاریں آپ کی مرہون منت رہیں گی۔

اسی مقصد کو زندہ یادگار کربلا سمجھو حسین ابن علی کی زندگی کا مدعا سمجھو

اب اگر آپ کی محبت کے دعوے دار خود فسق و فجور میں مبتلا ہوں یا فساق و فجار کا ساتھ دیں تو کیا امام کی بارگاہ میں ان کے زبانی و کلامی محبت کے دعوؤں کی کوئی وقعت یا قدر ہوگی؟ ہرگز نہیں ۔

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

یاد رکھیے! صرف چند شرعی و غیر شرعی رسموں کے بجالانے سے یا آپ پر آنے والے مصائب کو سن کر چند آنسو بہا لینے سے امام پاک کی روح خوش نہیں ہوگی اور نہ ہی امام کی بارگاہ اقدس میں سعادت و قبولیت حاصل ہوگی ۔

ختم ہے آنسو بہانے پر ہی تیری جستجو اور حسین ابن علی نے تو بہایا تھا لہو

اگر واقعی امام پاک سے سچی محبت ہے تو امام کی پیروی کرتے ہوئے حق و صداقت کے پرچم کو بلند کیجئے اور جس مقدس اور عظیم مقصد کے لیے امام نے اتنی بڑی قربانی دی اس مقصد کو زندہ اور قائم رکھیے، خواہ جان و مال اور اپنا سب کچھ ہی کیوں نہ قربان کرنا پڑے ۔

راہ خدا میں عظمت اسلام کے لیے ہم بھی کریں وہی جو کیا ہے حسین نے
یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بلاشبہ گھر والوں پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھر کی حفاظت کریں۔ سادات کرام اور امام پاک کے محبوں کا یہ فرض ہے کہ وہ عملی طور پر گلشن اسلام کی حفاظت کریں، لیکن افسوس کہ بعض سادات اور مدعیان محبت سخت بدعملی کا شکار ہیں اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ امام جو قربانی دے گئے ہیں وہ قیامت تک کے نام نہاد محبوں کی بخشش کے لیے کافی ہے اور اب انہیں عمل کی کوئی ضرورت نہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھ کر قیامت تک پیدا ہونے والے عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے (معاذ اللہ)۔ یاد رکھیے

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

طرماح ابن عدی کی آمد

کاروان اہل بیت عذیب الہجانات پہنچا تو امام پاک نے چار سواروں کو دیکھا جو طرماح ابن عدی کی رہ نمائی میں آپ کی طرف کوفہ کی خبریں لے کر یہ اشعار پڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔

يَا نَاقَتِيْ لَا تَذْعَرِيْ مِنْ زَجْرِيْ وَ شَمِّرِيْ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ

اے میری اونٹنی میرے ڈانٹنے، ہنکارنے سے نہ گھبرا اور بہت تیزی سے چل اور صبح ہونے سے پہلے پہنچ۔

بِخَيْرِ رُكْبَانٍ وَ خَيْرِ سَفَرٍ حَتّٰى تَحُلِّيْ بِكَرِيْمِ النَّجْرِ

اپنے بہترین سواروں کے ساتھ بہتر سفر کرتے ہوئے اس شخص کے پاس جا کر اتار۔

لِمَاجِدِ الْحُرِّ رَحِيْبِ الصَّدْرِ اَتٰى بِهِ اللّٰهُ لِخَيْرِ اَمْرٍ
ثُمَّتَ اَبْقَاهُ بَقَاءَ الدَّهْرِ

جو کریم الحسب شریف النسب اور عزت و مرتبہ میں بہت بلند اور سخاوت و فیاضی میں کشادہ دل ہے۔ اللہ اس کو ایک امر خیر کے لیے لایا ہے وہ اس کو رہتی دنیا تک باقی و سلامت رکھے۔ یہ اشعار سن کر امام پاک نے فرمایا: اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیۡ لَاَرۡجُوۡا اَنۡ یَّکُوۡنَ خَیۡرًا مَّآ اَرَادَ اللّٰہُ بِنَا قُتِلۡنَا اَمۡ ظَفَرۡنَا۔

سنو خدا کی قسم! بے شک مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو کچھ چاہا ہے اس میں ہمارے قتل ہونے یا غالب ہونے میں خیر ہی خیر ہے۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

حر نے آگے بڑھ کر کہا یہ لوگ آپ کے ساتھی نہیں ہیں بلکہ یہ کوفہ سے آئے ہیں میں انہیں آپ سے ملنے نہیں دوں گا بلکہ گرفتار کروں گا یا واپس کروں گا۔ آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں ہونے دوں گا یہ لوگ میرے مددگار ہیں میں اپنی جان کی طرح ان کی حفاظت کروں گا اور تم مجھ سے کہہ چکے ہو جب تک ابن زیاد کا خط تمہارے پاس نہیں آجاتا تو تم مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو گے۔ حر نے کہا یہ درست ہے لیکن یہ لوگ آپ کے ساتھ تو نہیں آئے؟ فرمایا اگرچہ ساتھ نہیں آئے مگر ان کے برابر ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں، اگر تم نے ان سے کچھ بھی تعرض کیا تو میں تم سے جنگ کروں گا۔ یہ سن کر حُر ان سے علیحدہ ہو گیا۔

آپ نے ان سے اہل کوفہ کے حالات پوچھے۔ ان میں سے مجمع بن عبداللہ عامری نے کہا بڑے لوگ تو بہت بڑی بڑی رشوتیں لے کر حکومت کے ساتھ مل گئے اور اب وہ سب آپ کے خلاف متحد و مشتعل ہیں۔ رہے عوام تو ان کے دل تو آپ کی طرف مائل ہیں مگر کل وہ بھی تلواریں لیے ہوئے آپ کے مقابلہ میں آجائیں گے۔

آپ نے ان سے اپنے قاصد قیس بن مسہر الصید اوی کے متعلق پوچھا؟ انہوں نے کہا حصین بن نمیر نے اس کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا تھا۔ ابن زیاد نے اس کو آپ پر اور آپ کے والد ماجد پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا۔ اس نے آپ پر اور آپ کے والد

ماجد پر صلوٰۃ بھیجی اور ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور لوگوں کو آپ کا پیغام اور آپ کے آنے کی خبر دے کر آپ کی نصرت کے لیے پکارا۔ اس پر ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو ایوان کی چوٹی سے نیچے گرایا جائے۔ چناں چہ قیس کو اس طرح گرایا گیا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ سن کر آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور مبارک رخساروں پر اشکوں کی لڑیاں بہنے لگیں اور زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝۲۳

''پس ان میں سے کوئی تو اپنی جان نذر کر گیا اور کوئی منتظر ہے اور انہوں نے کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا''۔ (احزاب)

پھر آپ نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَّنَا وَلَهُمُ الْجَنَّةَ نُزُلًا وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ فِيْ مُسْتَقَرٍّ مِّنْ رَّحْمَتِكَ وَرَغَائِبَ مَذْخُوْرِ ثَوَابِكَ

''اے اللہ ہمیں اور ان کو نعمتِ بہشت عطا فرما اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع فرما اور اپنے ثواب کے ذخیرہ کا بہترین حصہ عطا فرما''۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

طرماح ابن عدی کا مشورہ

طرماح ابن عدی نے عرض کی: حضرت! حالات بہت نازک صورت حال اختیار کر گئے ہیں اور آپ کے ساتھ صرف چند افراد ہیں جو بغرض جنگ بھی نہیں آئے، صرف ان کے مقابلے میں ہی حر کا لشکر ایک ہزار پر مشتمل ہے (اور سب مسلح ہیں) یہ ہی بہت زیادہ ہے اور میں نے تو کوفے سے نکلتے وقت کوفے کے باہر اتنا بڑا لشکر دیکھا کہ اس سے پہلے میری آنکھوں نے کسی مقام پر اتنا بڑا لشکر نہیں دیکھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ لشکر کس کے مقابلے کے لیے جمع ہو رہا ہے؟ تو اس نے کہا حسین بن علی کے مقابلے کے لیے! اس

لیے میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ہو سکے تو ایک قدم بھی کوفہ کی طرف آگے نہ بڑھیں، اگر آپ کسی ایسے مقام پر جانا چاہیں جہاں اللہ آپ کو حفاظت میں رکھے اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق بھی کوئی رائے اور آخری فیصلہ کر لیں تو آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو اپنے بلند پہاڑ پر جسے کوہ آجاہ کہتے ہیں لے چلوں۔ خدا کی قسم وہ پہاڑ ایسا ہے جس کی وجہ سے ہم سلاطین غسان وحمیر،نعمان بن منذر اور ہر اسود و احمر اقوام سے محفوظ رہے ہیں، واللہ ہم کو کبھی کوئی مطیع نہیں کر سکا۔ میں آپ کے ساتھ چل کر آپ کو وہاں پہنچا دوں گا اور پھر کوہ آجاہ وسلمیٰ کے باشندوں میں آپ کی دعوت پہنچاؤں گا۔ خدا کی قسم! دس دن بھی گزرنے نہ پائیں گے کہ آپ کے پاس قبیلہ طے کے سواروں اور پیادوں کا ہجوم ہو جائے گا۔ پھر جب تک آپ کا دل چاہے ہم میں قیام فرمائیں اور اگر آپ جنگ کا ارادہ فرمائیں گے تو میں آپ کی مدد کے لیے بنو طے کے بیس ہزار آدمی فراہم کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں جو آپ کے سامنے اپنی شجاعت اور شمشیر زنی کے جوہر دکھائیں گے اور جب تک ان میں سے ایک بھی زندہ ہوگا وہ کسی دشمن کو آپ کے قریب نہیں آنے دے گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے اور تیری قوم کو جزائے خیر دے، بات یہ ہے کہ ہم میں اور ان لوگوں میں ایک قول ہو چکا ہے جس کی وجہ سے ہم واپس نہیں جا سکتے اور نہیں معلوم اب ہمارے اور ان کے درمیان امور کیا تصرفات کریں گے۔

امام پاک کا یہ جواب سن کر طرماح نے کہا، اللہ آپ کو جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے میں اپنے اہل وعیال کے لیے کوفہ سے کچھ نان نفقہ وغیرہ لایا ہوں، یہ میں ان تک پہنچا کر ان شاء اللہ واپس آپ کے پاس آؤں گا اور آپ کے انصار میں شامل ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا کرنا ہے تو جلدی جاؤ، اللہ تم پر رحمت کرے، چناں چہ طرماح چلے گئے اور حسب وعدہ واپس بھی آئے مگر راستے میں ہی تھے کہ ان کو آپ کی شہادت کی خبر مل گئی اور وہ واپس ہو گئے۔

اس کے بعد قافلۂ امام، عذیب الہجانات سے چل کر قصر بنی مقاتل میں اترا، آدھی

رات کے وقت آپ نے رفقاء سے فرمایا پانی بھر لو اور چلو۔ سفر کرتے ہوئے ذرا آنکھ لگ گئی پھر ایک دم چونک پڑے اور تین بار کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یہ سن کر آپ کے فرزند حضرت امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) نے کہا ابا جان میں آپ پر فدا ہو جاؤں، اس وقت آپ نے یہ کلمات کس وجہ سے فرمائے؟ آپ نے فرمایا میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے خواب میں ایک سوار دیکھا جو کہہ رہا تھا لوگ سفر کر رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ ہمیں موت کی خبر دی گئی ہے۔ فرزند امام نے کہا اللہ آپ کو برے وقت سے محفوظ رکھے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کی طرف بندوں نے لوٹنا ہے، ہم حق پر ہیں! بہادر فرزند نے کہا جب ہم حق پر قائم رہ کر مریں گے تو ایسی موت کی پرواہ نہیں ہے۔ امام پاک نے فرمایا! اللہ تمہیں وہ جزائے خیر دے جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے کو مل سکتی ہے ؎

لَئِنْ کَانَتِ الدُّنْیَا تُعَدُّ نَفِیْسَۃً ۔۔۔ فَدَارُ ثَوَابِ اللّٰہِ اَعْلٰی وَاَنْبَلَ
وَاِنْ کَانَتِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِئَتْ ۔۔۔ فَمَوْتُ الْفَتٰی فِی اللّٰہِ اَوْلٰی وَ اَفْضَلُ

(۱) اگر دنیا نفیس اور عمدہ چیز ہے تو ثوابُ اللہ اس سے کہیں اعلیٰ واشرف ہے۔

(۲) اور اگر جسموں کی پیدائش مرنے کے لیے ہوتی ہے تو جوان مرد کا اللہ کی راہ میں مرنا بہت ہی بہتر اور افضل ہے ؎

رنگ جب محشر میں لائے گی تو اڑ جائے گا رنگ
یوں نہ کہیے سرخیِ خونِ شہیداں کچھ نہیں

صبح کے وقت ایک مقام پر قیام فرما کر نماز ادا فرمائی، پھر روانہ ہوئے۔ حر بھی ساتھ ساتھ تھا یہاں تک کہ میدان نینوا پہنچے۔ یہاں آپ نے ایک سوار کو دیکھا جو ہتھیار لگائے کندھے پر بھاری کمان رکھے ہوئے آ رہا تھا۔ اس نے آ کر آپ کو نہیں، حر کو سلام کیا اور ابن زیاد کا خط اس کو دیا۔ اس میں یہ لکھا تھا:

فَجَعْجِعْ بِالْحُسَیْنِ حِیْنَ یَبْلُغُکَ کِتَابِیْ وَ یَقْدِمُ عَلَیْکَ رَسُوْلِیْ فَلَا

تُنْزِلُهُ اِلَّا بِالْعَرَآءِ فِیْ غَیْرِ حِصْنٍ وَ عَلٰی غَیْرِ مَآءٍ وَ قَدْ اَمَرْتُ رَسُوْلِیْ اَنْ یَّلْزَمَكَ وَلَا یُفَارِقَكَ حَتّٰی یَاْتِیَنِیْ بِاِنْفَاذِكَ اَمْرِیْ۔ وَالسَّلَامُ

(طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۲، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۱)

''جب میرا قاصد میرا خط لے کر تمہارے پاس پہنچے تو (اسی وقت سے) حسین پر سختی کرو اور اس کو سوائے ایسے کھلے میدان کے جہاں نہ کوئی پناہ گاہ ہو اور نہ ہی پانی ہو، کہیں اور اترنے نہ دو۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تم پر کڑی نگرانی رکھے اور اس وقت تک تم سے الگ نہ ہو جب تک میرے پاس یہ خبر نہ آجائے کہ تم نے میرے حکم پر عمل کیا۔ والسلام''۔

حر نے یہ خط امام اور آپ کے رفقاء کو سنا دیا اور آپ اور آپ کے ساتھیوں کو سختی سے ایسے میدان کی طرف چلنے اور اترنے کے لیے کہا جہاں نہ کوئی بستی تھی اور نہ پانی وغیرہ تھا۔ آپ کے ساتھیوں نے کہا، ہمیں چھوڑ دو ہم نینوا یا غاضریہ یا شفیہ میں اتریں گے۔ حر نے کہا خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کر سکتا کیوں کہ اس شخص کو مجھ پر برابر نگرانی کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

اس پر زہیر بن قین نے عرض کی، یا ابن رسول اللہ! ابھی ہم ان لوگوں سے آسانی سے لڑ سکتے ہیں لیکن اس کے بعد جو وقت آئے گا وہ بہت سخت ہوگا۔ اس قدر زیادہ فوجِ دشمن آئے گی کہ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ فرزند رسول صلی اللہ علی جدہ وعلیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی طرف سے جنگ کی ابتداء نہیں کروں گا۔ زہیر نے کہا اچھا پھر ایسا کیجئے کہ یہ سامنے جو گاؤں ہے اس میں نزول فرمائیں یہ کچھ محفوظ بھی ہے اور فرات کے کنارے پر بھی ہے اگر یہ لوگ ہمیں وہاں جانے سے روکیں گے تو ہم ان سے مقابلہ کریں اور یہ مقابلہ بعد میں آنے والے لوگوں کے مقابلہ کی بہ نسبت آسان ہوگا۔ آپ نے پوچھا اس گاؤں کا نام کیا ہے؟ عرض کیا ''عقر'' فرمایا: میں عقر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

سرزمین کربلاء

غرض آپ چلتے چلتے ایک میدان میں بتاریخ ۲ محرم ۶۱ھ بروز جمعرات مع اپنے اصحاب اور اہل وعیال خیمہ زن ہوئے۔ حر نے بھی آپ کے مقابلے میں خیمے نصب کردیئے تھے، اگرچہ حر کے دل میں اہل بیت نبوت کی عظمت ضرور تھی اور اس نے نمازیں بھی آپ ہی کی اقتداء میں ادا کی تھیں لیکن وہ ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں نے آپ کے ساتھ کوئی رعایت برتی تو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ ہوتے ہوئے اس کا چھپنا ناممکن ہے اور پھر جب ابن زیاد کو معلوم ہوگا تو وہ ہرگز معاف نہیں کرے گا بلکہ سخت سزا دے گا۔ اس لیے حر ابن زیاد کے حکم پر برابر عمل کرتا رہا۔

اگرچہ بعض کتب میں یہ بھی آیا ہے کہ حر نے بہ مقتضائے سعادتِ ازلیہ آپ سے خفیہ طور پر مل کر بہ طریق خیر خواہی کہا کہ ابن زیاد کی کثیر فوج آیا چاہتی ہے لہٰذا مصلحت یہ ہے کہ آپ رات کے اندھیرے میں یہاں سے کوچ کر جائیں، میں آپ کا تعاقب نہیں کروں گا اور پھر جو بھی مجھ پر گزرے گی میں برداشت کرلوں گا۔ چناں چہ امام پاک نے مع اپنے رفقاء رات بھر سفر کیا لیکن اگلی صبح اپنے آپ کو اسی مقام پر پایا جہاں سے چلے تھے۔ (سعادت الکونین)

یہ کیفیت اور اس دشت و بیاباں کی اداس اور مغموم فضا کو دیکھ کر آپ نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اس کو ''کربلا'' کہتے ہیں، جوں ہی آپ نے لفظ کربلا سنا، فرمایا

هٰذَا مَوْضِعُ كَرْبٍ وَّ بَلَآءٍ هٰذَا مَنَاخُ رِكَابِنَا وَ مَحَطُّ رِحَالِنَا وَ مَقْتَلُ رِجَالِنَا (نورالابصار، ص ۱۴۳)

''یہ مقام کرب و بلا ہے یہی ہمارے مال واسباب کے اترنے اور ہمارے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ اور ہمارے اعوان وانصار کا مقتل ہے۔

گر نام ایں زمیں بہ یقیں کربلا بود ایں جا نصیب ماہمہ کرب و بلا بود(☆)

☆ ترجمہ:۔ اگر اس زمین کا نام یقینی طور پر کربلا ہے تو اس جگہ ہمارے نصیب میں تمام رنج والم ہیں۔

ایں جابود کہ تیغ بر آلِ نبی کشند و این جا بود کہ ماتم آلِ عَبا بود
ریزند در مصیبت من اب چشم خویش ہر مرغ و ماہی کہ در آب و ہوا بود (☆)
دشمن یہاں پہ خون ہمارا بہائیں گے زندہ یہاں سے ہم نہ کبھی پھر کے جائیں گے
آل نبی کا ہو گا اسی جا پہ امتحاں سب تشنہ لب یہاں پہ سراپنا کٹائیں گے
کرب و بلا ہے نام اسی سر زمین کا بچے یہاں پہ پانی کا قطرہ نہ پائیں گے
ہو گا ہر اک شہید یہاں مصطفی کا لعل اور لاش قتل گاہ سے ہم سب کی لائیں گے

اس دردانگیز کلام کو سن کر آپ کے فرزند ارجمند حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ ابا جان، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ فرمایا جان پدر! جب تمہارے جدامجد حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین سے واپس ہوئے تھے تو اس مقام پر انہوں نے فرمایا تھا کہ اس جنگل میں میرا نور نظر لخت جگر حسین انتہائی بے کسی کے عالم میں شہید کر دیا جائے گا۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ بیٹا! تم اس وقت کیا کرو گے؟ میں نے عرض کیا تھا کہ میں صبر کروں گا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ ہاں صبر ہی کرنا، اس لیے کہ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (الزمر:10) صابروں کے لیے بے حد و بے حساب اجر وثواب ہے۔ (روضۃ الشہداء، صفحہ ۱۶۳)

جب بہ سلسلہ انصاب خیام زمین پر میخ گاڑتے تھے تو وہاں سے تازہ خون نکل آتا تھا یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی ہم شیرہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا بھائی یہ تو خونی زمین ہے یہاں میرا دل گھبراتا ہے۔ آپ نے فرمایا، راضی بہ رضائے الٰہی ہو کر یہیں اترو۔ یہی مقام شہدا اور وعدہ کی جگہ ہے اور ہمیں ہر حالت میں صبر لازم ہے۔

وادیٔ عشق کہ جز تشنہ درد نایاب است
ریگش از خون دل تشنہ لباں سیراب است (☆☆)

☆ ترجمہ:۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آل نبی پر تلوار چلائیں گے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں آلِ عبا کا ماتم ہوگا۔ میری مصیبت پر اپنی آنکھوں سے آنسو بہائیں گے ہر ایک مرغ و ماہی جو آب اور ہوا میں ہیں۔

☆☆ یہ عشق کی وہ وادی ہے کہ سوائے تشنۂ درد کے دوسرا نایاب ہے اس کی ریت تشنہ لبوں کے دل کے خون سے سیراب ہے۔

کسی نے جب وطن پوچھا تو یوں حضرت نے فرمایا
مدینے والے کہلاتے تھے اب ہیں کربلا والے

ادھر کاروان امام پاک غریب الوطنی کے عالم میں کربلا کے میدان میں خیمہ زن تھا اور ادھر یزیدی حکومت ان نفوس قدسیہ پر قیامت برپا کرنے کی بھرپور تیاریوں میں مصروف تھی، چناں چہ دوسرے ہی دن عمرو بن سعد چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے کوفہ سے یہاں پہنچ گیا۔

عمرو بن سعد

عمرو بن سعد، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور فاتح ایران ہیں) بیٹا ہے۔ لیکن مالِ دنیا کی حرص اور اقتدار کی ہوس نے اس بدنصیب کو تباہ کیا جس کا سبب یہ ہوا کہ انہی ایام میں دیلمیوں (کُردوں) نے بغاوت کر کے دستبیٰ پر حملہ کر دیا تھا۔ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو ''رے☆'' کا گورنر بنا کر چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ دیلمیوں کی سرکوبی کے لیے مامور کیا تھا۔ ابن سعد چار ہزار فوج کے ساتھ نکلا۔ ابھی وہ ''حمام اَعیُن'' تک پہنچا تھا کہ ابن زیاد کو بہ سلسلہ امام پاک کسی ایسے شخص کی ضرورت پیش آئی جو ان کا مقابلہ کر سکے۔ چناں چہ اس نے ابن سعد کو واپس بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو ابن زیاد نے کہا، پہلے حسین کا مقابلہ کرو بعد میں اپنے عہدۂ حکومت پر فائز ہو کر دوسری مہم سر کرنا۔ ابن سعد نے کہا، اللہ آپ پر رحم کرے مجھے اس کام سے معاف رکھیں۔ ابن زیاد نے کہا ہاں معافی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ ''رے'' کی حکومت چھوڑ دو اور ہمارا حکم نامہ واپس کر دو۔ ابن سعد نے ان دونوں صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کے لیے ایک دن کی مہلت مانگی۔ ابن زیاد نے مہلت دے دی۔

ابن سعد نے اس بارے میں اپنے دوستوں سے مشورہ طلب کیا۔ سب نے امام پاک کا مقابلہ کرنے سے منع کیا۔ جب حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ (ابن سعد کے بھانجے) کو معلوم ہوا

☆۔ رے، خراسان کا ایک شہر ہے جو آج کل ایران کا دارالسلطنت ہے جسے تہران کہتے ہیں۔

تو انہوں نے آ کر کہا:

أُنْشِدُكَ اللهَ يَا خَالِ اَنْ تَسِيْرَ اِلَى الْحُسَيْنِ فَتَأْثَمَ بِرَبِّكَ وَ تَقْطَعَ رَحِمَكَ فَوَاللهِ لَاَنْ تُخْرَجَ مِنْ دُنْيَاكَ وَمَالِكَ وَ سُلْطَانِ الْاَرْضِ كُلِّهَا لَوْ كَانَ لَكَ خَيْرًا لَّكَ مِنْ اَنْ تَلْقَى اللهَ بِدَمِ الْحُسَيْنِ فَقَالَ لَهٗ عَمْرُوْ بْنُ سَعْدٍ فَاِنِّيْ اَفْعَلُ اِنْ شَآءَ اللهُ

''اے ماموں! میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ حسین کے مقابلہ کے لیے جا کر اپنے رب کی معصیت اور قطع رحم کا مرتکب نہ ہونا۔ خدا کی قسم! اگر تم اپنی دنیا، اپنے مال ومتاع اور روئے زمین کی حکومت سے خارج کر دیئے جاو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملو کہ تمہارے ہاتھ خون حسین سے آلودہ ہوں۔ ابن سعد نے کہا ان شاء اللہ میں مشورہ کے مطابق ہی کروں گا''۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۳، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۱)

ابن سعد رات بھر اس معاملے پر غور کرتا رہا اور یہ اشعار پڑھتا رہا ؎

اَاَتْرُكُ مُلْكَ الرَّيِّ وَالرَّيُّ رَغْبَةٌ اَمْ اَرْجِعُ مَذْمُوْمًا بِقَتْلِ حُسَيْنٍ

کیا میں رے کی حکومت چھوڑ دوں؟ اور رے تو (مجھے) مرغوب ہے یا حسین کے قتل سے مذموم ہو کر واپس آؤں۔

وَ فِيْ قَتْلِهِ النَّارُ الَّتِيْ لَيْسَ دُوْنَهَا حِجَابٌ وَّ مُلْكُ الرَّيِّ قُرَّةُ عَيْنٍ

ان کے قتل کی سزا وہ آگ ہو گی جس کے آگے کوئی حجاب نہ ہو گا اور رے کی حکومت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

عبداللہ بن یسار الجہنی فرماتے ہیں کہ جب عمرو بن سعد کو حضرت حسین کے مقابلہ کے لیے جانے کا حکم ملا تو میں اس کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ امیر نے مجھے حسین کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا تھا اور میں نے انکار کر دیا ہے، میں نے اس سے کہا، اللہ نے تجھ سے بہت اچھا کروایا اللہ تجھے نیک ہدایت دے، ایسا ہرگز نہ کرنا اور ان کے مقابلے کے لیے قطعاً نہ جانا۔ یہ کہہ کر میں اس کے پاس سے چلا آیا پھر مجھے کسی نے آ کر بتایا کہ ابن سعد

توحسین کے مقابلہ کے لیے لوگوں کو بھڑکا رہا ہے۔ یہ سن کر میں دوبارہ اس کے پاس گیا تو اس نے مجھے دیکھ کر اپنا مونھ پھیر لیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب اس نے ان کے مقابلے پر جانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے۔ میں واپس آ گیا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۲)

ابن سعد ایک دن کی مہلت کے بعد ابن زیاد کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے میرے لیے ''رے'' کی حکومت کا فرمان لکھ دیا ہے اور لوگوں کو معلوم بھی ہو گیا ہے لہٰذا اس کا نفاذ کر دیجئے اور حسین کے مقابلہ کے لیے فلاں فلاں اشراف کوفہ کو میرے ساتھ بھیج دیجئے۔ ابن زیاد نے کہا اپنے ارادہ میں تمہارے کسی حکم کا ہرگز پابند نہیں ہوں کہ جن کو تم کہو انہیں کو بھیجوں۔ اگر تم ہمارے لشکر کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو تو بتاؤ ورنہ (رے کی حکومت سے متعلق) ہمارا فرمان واپس کردو؟ ابن سعد نے کہا اچھا میں جاتا ہوں۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

چناں چہ ابن سعد ۳ محرم ۶۱ ھ کو چار ہزار فوج کے ساتھ امام پاک کے مقابلے میں کربلا پہنچ گیا۔

درس عبرت

جب کسی انسان کے اندر حرص وطمع کی برائی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ عدل وانصاف، صبر وتوکل اور قناعت جیسی صفاتِ حسنہ سے محروم ہو جاتا ہے، پھر اس میں ایسے مذموم جذبات پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ جائز وناجائز اور حلال وحرام کو نہیں دیکھتا بلکہ بعض مرتبہ یہی جذبہ حرص دوسرے کے ناحق جان ومال لینے کا مرتکب بنا دیتا ہے، چناں چہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اِتَّقُوْا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَآءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ

''حرص وطمع سے بچو، کیوں کہ اسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ اسی نے ان کو خون ریزی پر ابھارا اور اسی نے حرام کو حلال بنایا''۔

(مسلم شریف باب تحریم الظلم: ۵۶۔۲۵۷۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَا ذِئْبَانِ جَآئِعَانِ اُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ

(ترمذی ابواب الزہد:۶۷ ۲۳)

کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ ان کو اتنا برباد نہیں کرتے جتنی مال و جاہ کی حرص انسان کے دین وایمان کو برباد کردیتی ہے

اے ابن سعد ''رے'' کی حکومت تو کیا ملی
ظلم و جفا کی جلد ہی تجھ کو سزا ملی
دنیا پرستو، دین سے منھ موڑ کے تمھیں
دنیا ملی نہ عیش و طرب کی ہوا ملی
رسوائے خلق ہو گئے برباد ہو گئے
مردُودو تم کو ذلتِ ہر دوسرا ملی
تم نے اجاڑا حضرت زہرا کا بوستان
اب دیکھنا جحیم میں جس دم سزا ملی

کربلا میں پہنچ کر ابن سعد نے عزرہ بن قیس احمسی کو حکم دیا کہ حسین کے پاس جا کر ان سے پوچھو وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ لیکن عزرہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آپ کو خطوط لکھ کر بلایا تھا اس لیے اس کو آپ کے پاس جاتے ہوئے غیرت و شرم محسوس ہوئی، اس نے انکار کر دیا۔ ابن سعد لشکر کے دوسرے رئیس لوگوں میں سے جس جس کو اس کام کے لیے کہتا، وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتا کہ میں بھی بلانے والوں میں سے ہوں کس مونھ سے ان کے سامنے جاؤں ☆۔ چناں چہ کوئی جانے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر کثیر بن عبداللہ شعبی جو بڑا دلیر اور بے باک آدمی تھا کہنے لگا میں حسین کے پاس جاتا ہوں اور اگر آپ کہیں تو خدا کی قسم! اچانک ایک وار میں ان کا کام بھی تمام کر سکتا ہوں۔ ابن سعد نے کہا میں یہ نہیں کہتا کہ تم اچانک ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دو! میں یہ کہتا ہوں کہ ان کے پاس جا کر ان سے پوچھو کہ وہ کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ کثیر چلا۔ ابو ثمامہ صائدی نے اسے آتے دیکھ کر امام پاک سے کہا، اے ابو عبداللہ (حسین) اللہ آپ کا بھلا کرے آپ کے پاس دنیا بھر کا شریر ترین اور خون ریز شخص آ رہا ہے۔ یہ کہہ کر ابو ثمامہ

☆۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے محبت کے بلند بانگ دعوے کر کے بلایا تھا وہی یزیدی حکومت کے ساتھ مل کر آپ کے مقابلے میں برائے جنگ آ گئے تھے کیوں کہ ان کو بڑی بڑی رشوتیں مل چکی تھیں اور یہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ وہ کون تھے۔ فافہم (المولف)

کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر کثیر سے کہا تلوار ایک طرف رکھ کر امام سے ملاقات کر سکتے ہو؟ اس نے کہا خدا کی قسم یہ ہر گز نہیں ہو سکتا، میں بہ حیثیت قاصد ایک پیغام لا یا ہوں اگر سن لو گے تو ٹھیک ورنہ واپس چلا جاؤں گا! ابوثمامہ نے کہا اچھا اگر تم تلوار نہیں رکھتے تو میں تمہاری تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے رہوں گا، تم ان سے پیغام کہہ لینا۔ اس نے کہا، واللہ یہ بھی نہیں ہو گا تم میری تلوار کے قبضہ کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے! ابوثمامہ نے کہا اچھا جو پیغام ہے وہ مجھ سے کہہ دو، میں ان تک پہنچا دوں گا مگر میں تمہیں اس طرح ان کے قریب نہیں جانے دوں گا کیوں کہ تم ایک شریر انسان ہو۔ دونوں کے درمیان بد کلامی ہوئی اور وہ پیغام پہنچائے بغیر واپس چلا گیا اور ابن سعد سے حال بیان کر دیا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۳)

اس کے بعد ابن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو بلا کر کہا تم یہ کام کرو۔ وہ چلا، اس کو آتے دیکھ کر امام پاک نے اپنے انصار سے پوچھا، اس شخص کو پہچانتے ہو؟ حبیب ابن مظاہر نے کہا ہاں میں اسے جانتا ہوں یہ بنی حنظلہ سے ہے اور تمیمی ہے اور ہماری بہن کا بیٹا ہے، میں تو اس کو خوش عقیدہ سمجھتا تھا تعجب ہے کہ یہ بھی دشمنوں کے ساتھ یہاں آیا ہوا ہے۔

اتنے میں قرۃ آ پہنچا، اس نے آ کر آپ کو سلام کیا اور ابن سعد کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے جواب دیا کہ تمہارے شہر کوفہ کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے، اب اگر میرا آنا انہیں ناپسند ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ حبیب ابن مظاہر نے قرۃ سے کہا، کیا تو واپس جا کر ان ظالموں کا ساتھ دے گا؟ ان کی مدد کر جن کے بزرگوں کی بدولت اللہ نے ہمیں اور تجھے عزتِ ایمان عطا فرمائی ہے۔ قرۃ نے کہا میں جس کے ساتھ ہوں اسے اس کے پیغام کا جواب ضرور پہنچاؤں گا۔ اس کے بعد دیکھوں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ قرۃ نے ابن سعد کو امام پاک کا جواب سنا دیا۔ جواب سن کر ابن سعد نے کہا امید تو ہے کہ اللہ مجھے حسین کے ساتھ جنگ کرنے سے بچا لے گا۔ چناں چہ اس نے ابن زیاد کو اپنا سوال اور امام کا جواب لکھ کر بھیجا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۶)

ابن سعد کا خیال تھا کہ اس مصالحانہ تحریر سے شاید کوئی صلح وغیرہ کی صورت پیدا ہو جائے اور میں اس ظلم سے بچ جاؤں، مگر بد نصیبی، اس کا مقدر بن چکی تھی، چناں چہ ابن زیاد

نے اس تحریر کو پڑھ کر یہ شعر کہا ؎

اَلْاٰنَ اِذْا عُلِقَتْ مَخَالِبُنَا بِہٖ یَرْجُوْ لِنَجَاۃٍ وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ

اب جب کہ ہمارے پنجوں نے اسے جکڑ لیا ہے تو نکلنا چاہتا ہے حالاں کہ اب کوئی جائے فرار نہیں۔

اس نے ابن سعد کو جواباً لکھا کہ تمہارا خط مجھے ملا، جو کچھ تم نے لکھا میں نے سمجھا، تم حسین اور اس کے تمام ساتھیوں سے کہو کہ وہ یزید کی بیعت کریں۔ اگر وہ بیعت کرلیں گے تو پھر ہم جو مناسب سمجھیں گے وہ کریں گے۔

ابن سعد کو یہ خط ملا تو اس نے کہا میں سمجھ گیا ہوں ابن زیاد کو امن و عافیت منظور نہیں۔ اس کے فوراً بعد ہی ابن زیاد کا دوسرا خط ابن سعد کو ملا جس میں یہ حکم تھا۔

پانی بند کرنے کا حکم

فَحُلَّ بَیْنَ الْحُسَیْنِ وَ اَصْحَابِہٖ وَ بَیْنَ الْمَآءِ وَلَا یَذُوْقُوْا مِنْہُ قَطْرَۃً کَمَا صُنِعَ بِالتَّقِیِّ الزَّکِیِّ الْمَظْلُوْمِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ

''کہ حسین اور ان کے رفقاء اور نہر فرات کے درمیان حائل ہو جاؤ اور ان پر پانی بند کردو کہ وہ ایک قطرہ تک اس سے نہ پی سکیں، جس طرح تقی، زکی اور مظلوم امیر المومنین (حضرت) عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کیا گیا''۔

اس پر ابن سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ایک لشکر پر افسر مقرر کر کے نہر فرات پر متعین کر دیا۔ یہ لوگ فرات اور امام پاک کے درمیان حائل ہو گئے کہ وہ پانی کی ایک بوند نہ لے سکیں ؎

حاکم کا حکم یہ تھا کہ پانی بشر پئیں — گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں
جو تشنہ لب جہاں کے ہیں وہ بے خطر پئیں — یاں تک کہ سب چرند و پرند آن کر پئیں
کافر بھی گر پئیں تو منع تم نہ کیجیو — پر فاطمہ کے لعل کو پانی نہ دیجیو

عبداللہ بن ابی حصین ازدی نے پکار کر کہا، اے حسین! دیکھتے ہو پانی فضائے آسمانی کی

طرح موجیں مار رہا ہے لیکن خدا کی قسم! تمہیں اس سے ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوگا اور تم اسی طرح پیاسے ہی مرو گے۔ (معاذ اللہ)۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اقْتُلْہُ عَطَشًا وَّلَا تَغْفِرْ لَہٗ اَبَدًا

''اے اللہ اس کو پیاس کی حالت میں مار اور اس کو ہرگز کبھی نہ بخشنا''۔

بعدازیں یہ گستاخ بے ادب بیمار ہوا۔ حمید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں اس کی عیادت کو گیا تو خدائے وحدہٗ لاشریک لہ، کی قسم! اس کی یہ حالت تھی کہ پانی پیتا اور قے کر دیتا پھر پیتا اور غرغر کر کے قے کر دیتا اسی طرح ہر وقت پانی پانی کرتا مگر سیراب نہ ہوتا یہاں تک کہ اسی حالت میں مر گیا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۴، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

امام پاک نے اپنے بھائی حضرت عباس بن علی کے ساتھ تیس سوار اور بیس پیدل پانی لینے کے لیے بھیجے۔ عمرو بن حجاج اپنے ساتھیوں کے ساتھ مزاحم ہوا۔ مگر حضرت عباس نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کیا۔ دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی لیکن حضرت عباس پانی لانے میں کامیاب ہو گئے۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۴، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

امام عالی مقام نے عمر بن قرظہ بن کعب انصاری کے ذریعے ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ میں آج رات کو اپنے اور تمہارے لشکر کے درمیان تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ ابن سعد نے یہ بات مان لی اور وہ رات کے وقت بیس سوار اپنے ساتھ لے کر آیا۔ آپ بھی بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ نے اپنے رفقاء کو ایک طرف کر دیا ابن سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کر دیا۔ دونوں کے درمیان کافی دیر تک تنہائی میں گفتگو ہوئی جس کو کسی نے نہیں سنا۔ پھر دونوں اپنے اپنے لشکر میں واپس ہو گئے۔ اس گفتگو کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے ابن سعد سے کہا کہ ہم دونوں اپنے اپنے لشکروں کو یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلیں۔ ابن سعد نے کہا مجھے خوف ہے کہ ایسا کرنے سے میرا مکان گرا دیا جائے گا اور میری ساری جائیداد اور زمین ضبط کر لی جائے گی۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بہتر مکان بنوا دوں گا اور اس سے اچھی جائیداد دوں گا۔ ابن سعد کسی قیمت پر بھی اس کے لیے تیار نہ ہوا۔ دوسری یہ کہ آپ نے اس کے سامنے تین باتیں پیش کیں کہ ان میں

سے کسی ایک کو مان لو(۱) مجھے وہیں واپس چلے جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں (۲) مجھے سیدھا یزید کے پاس لے چلو میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دوں گا، پھر میرے اور اس کے درمیان جو فیصلہ ہو۔ (۳) مجھے مملکت اسلام کے کسی بھی سرحدی مقام پر لے چلو میں ان سرحدی لوگوں میں رہ کر وقت گزار لوں گا۔

پہلی روایت تو کسی حد تک صحیح سمجھی جا سکتی ہے لیکن جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے وہ روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے نا قابل اعتبار ہے۔ روایتی حیثیت سے اس طرح کہ اس کا ایک راوی المجالد بن سعید ہمدانی محدثین کے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ علامہ حافظ ذہبی اور امام ابن حجر عسقلانی دونوں نے اس پر جرح کی ہے اور اس کو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے☆۔

درایتی حیثیت سے اس طرح کہ ابن زیاد کا یہی تو حکم تھا کہ اگر حسین بیعت کر لیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، تو اگر حضرت حسین اس بات پر آمادہ ہو گئے تھے کہ میں یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کو تیار ہوں، تو پھر ابن سعد اور ابن زیاد کا اس کو قبول نہ کرنا اور آپ کے ساتھ لڑائی کر کے آپ کو اور آپ کے رفقاء کو شہید کر دینا کیوں کر وقوع پذیر ہوا؟

اس کے برعکس عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے عراق تک برابر حضرت حسین کے ساتھ رہا اور شہادت کے دن تک کسی بھی وقت میں ان سے جدا نہ ہوا اور میں نے ان کی تمام تقریریں اور گفتگو سنی ہے مگر خدا کی قسم انہوں نے کسی بھی مقام پر یہ ہرگز نہیں کہا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں گا بلکہ انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں اللہ کی بہت وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اس لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۵، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

ابن سعد اگرچہ دنیاوی جاہ و حشم کی حرص میں حضرت امام سے جنگ کرنے آ گیا تھا مگر قلبی طور پر وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس جرم عظیم کا مرتکب ہو، اس لیے اس کی کوشش یہی تھی کہ کوئی

☆۔ دیکھو میزان الاعتدال، جلد ۳، صفحہ ۸، تہذیب التہذیب، جلد ۱۰، صفحہ ۳۹

صورت ایسی نکل آئے کہ جنگ نہ ہو، چناں چہ اس کے اور امام کے درمیان تین چار ملاقاتیں اور بھی ہوئیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے جنگ کی آگ کو بجھانے کے لیے اپنی طرف سے یہ بات بڑھادی ہو کیوں کہ فریقین کے درمیان جب سخت اختلاف ہوجائے اور تلوار چلنے کا اندیشہ ہو تو ان میں صلح کرانے کے سلسلے میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

لَا یَحِلُّ الْکَذِبُ اِلَّا فِیْ ثَلٰثٍ یُّحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ لِیُرْضِیَهَا وَالْکَذِبُ فِی الْحَرْبِ وَالْکَذِبُ لِیُصْلِحَ بَیْنَ النَّاسِ

”کہ جھوٹ بولنا حلال نہیں سوائے تین موقعوں کے (۱) مرد اپنی عورت کو راضی کرنے کے لیے کوئی بات کرے (۲) جنگ میں (۳) لوگوں کے درمیان صلح کرانے میں“ (ترمذی ابواب البر والصلۃ: ۱۹۳۹)

چناں چہ ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا کہ:

خدا نے شعلۂ آگ کو بجھا دیا ہے اور اتفاق کی صورت پیدا کردی ہے اور امت کے معاملہ کو سلجھا دیا ہے، یوں کہ حسین نے مجھ سے یہ تین باتیں کہی ہیں (۱) جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں (۲) کسی سرحدی مقام پر جہاں ہم چاہیں انہیں بھیج دیں (۳) وہ یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے پھر دونوں کے درمیان جو فیصلہ ہو۔ اس میں تمہاری بھی خوش نودی ہے اور امت کی بھی بہتری ہے۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۵، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

ابن سعد کا یہ خط ابن زیاد کے پاس پہنچا تو اس کا ارادہ بھی ہوا کہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات مان لی جائے۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس شمر بن ذی الجوشن بھی بیٹھا تھا، وہ بدبخت کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کیا تم حسین کی ان شرطوں کو قبول کرتے ہو؟ حالاں کہ اس وقت وہ تمہاری گرفت میں ہے۔ واللہ اگر وہ تمہاری اطاعت کیے بغیر یہاں سے چلا گیا تو یہ اس کے غالب وقوی اور تمہارے مغلوب و کمزور ہونے کا باعث ہوگا، ایسا موقع اس کو

ہرگز نہ دو، اس میں سراسر تمہاری ذلت ہے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ حسین اور اس کے سب رفقاء تمہارے حکم پر گردنِ اطاعت خم کریں۔ پھر اگر تم ان کو سزا دو تو تمہیں اس کا حق ہے اور اگر معاف کردو تو اس کا بھی اختیار ہے۔ خدا کی قسم! مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ حسین اور ابن سعد اپنے لشکروں کے مابین رات رات بھر بیٹھے باتیں کرتے رہتے ہیں۔

ابن زیاد نے کہا تم نے بہت اچھی رائے دی ہے، تم میرا خط لے کر ابھی ابن سعد کے پاس جاؤ۔ چناں چہ ابن زیاد نے ابن سعد کو لکھا:

میں نے تمہیں اس لیے نہیں بھیجا کہ تم حسین کو مہلت دیتے رہو اور اس کے سفارشی بن کر اس کی بقاء اور سلامتی چاہو۔ دیکھو! اگر حسین اور اس کے رفقاء میرے حکم پر گردنیں جھکا دیں تو ان سب کو اطاعت گزاروں کی طرح میرے پاس بھیج دو۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو فوراً ان پر حملہ کرو اور ان کو قتل کر کے ان کے سر جدا کردو اور ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر روند ڈالو کیوں کہ وہ اسی سلوک کے مستحق ہیں۔ اگر تم نے میرے حکم کے مطابق عمل کیا تو تم کو وہ جزا ملے گی جو ایک مطیع و فرماں بردار کو ملنی چاہیے۔ اور اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو ہمارے لشکر کو شمر کے حوالے کر کے تم اس سے الگ ہو جاؤ، ہم نے شمر کو اپنے احکام دے دیئے ہیں، وہ ہمارے احکام کو پورا کرے گا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۶، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۳)

ابن زیاد نے جب یہ خط شمر کو دیا اس وقت عبداللہ بن ابی المحل بن خرام بھی ابن زیاد کے پاس موجود تھا، اس کی پھوپھی ام البنین بنت خرام پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زوجہ تھیں اور ان کے بطن سے حضرت عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔ اس نے درخواست کی کہ خدا امیر کا بھلا کرے، ہمارے بھانجے حسین کے ساتھ ہیں، اگر مناسب سمجھا جائے تو ان کو امان کا حکم لکھ دیا جائے؟ ابن زیاد نے لکھ دیا۔ عبداللہ نے یہ امان نامہ اپنے غلام کزمان کے ہاتھ اپنے بھانجوں کو بھیج دیا۔ غلام نے جا کر ان کو بلایا اور کہا کہ تمہارے ماموں نے تمہارے لیے امان نامہ بھیجا ہے، ان غیور اور بہادر جوانوں نے کہا کہ ہمارے ماموں کو سلام کہنا اور یہ کہ ہمیں تم لوگوں کی امان کی ضرورت نہیں، خدا تعالیٰ کی امان (درکار

ہے جو) ابن زیاد کی امان سے بہتر ہے۔(طبری، جلد ۶ صفحہ ۲۳۶، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۳)

شمر نے ابن زیاد کا خط لا کر ابن سعد کو دیا، وہ پڑھ کر بہت برہم ہوا اور شمر سے کہنے لگا خدا تجھے غارت کرے تو میرے پاس یہ کیا لایا ہے؟ خدا کی قسم! میرا یہ گمان ہے کہ تو نے ہی ابن زیاد کو میری لکھی ہوئی باتوں کو قبول کرنے سے روکا ہے۔ افسوس تو نے اس معاملہ کو بگاڑ دیا جس کی اصلاح کی مجھے امید تھی۔ خدا کی قسم! حسین ہرگز ابن زیاد کے سامنے کبھی نہ جھکیں گے، ان کے پہلو میں ایک خوددار دل ہے۔ شمر نے یہ سب کچھ سن کر کہا اچھا بتاؤ اب تمہارا ارادہ کیا ہے امیر کے حکم کی تعمیل کر کے ان کے دشمنوں کو قتل کرو گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو لشکر کو میرے حوالے کر دو۔

ابن سعد کو ایک بار پھر موقع ملا تھا کہ وہ لشکر شمر کے حوالے کر کے اس ظلم عظیم کے ارتکاب سے بچ جاتا مگر اس کو تو ''رے'' کی حکومت چاہیے تھی، وہ بدبخت چمنِ زہرا کے پھولوں کو خاک وخون میں تڑپانے کے لیے تیار ہو گیا اور کہنے لگا میں امیر کے حکم کی تعمیل کروں گا ۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

شمر خود امام کے لشکر کے سامنے آیا اور کہا ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ یہ سن کر حضرت عباس بن علی اور ان کے بھائی اس کے پاس آئے اور کہا کیا بات ہے؟ کہنے لگا ہماری بہن کے فرزندو، تمہارے لیے امان ہے۔ غیرت مند جوانوں نے پہلے سے بھی زیادہ سخت جواب دیا کہ تجھ پر اور تیری امان پر اللہ کی لعنت ہو، تو ہمیں امان دیتا ہے اور فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے امان نہیں۔(طبری ۵/۴۱۶، ابن اثیر ۳/۱۶۵)

حضرت محمد بن عمرو بن حسن رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ

كُنَّا مَعَ الْحُسَيْنِ بِنَهْرَيْ كَرْبَلَاءَ فَنَظَرَ إِلَى الشِّمْرِ بْنِ ذِي الْجَوْشَنِ فَقَالَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ہم حضرت امام حسین کے ساتھ تھے کربلا کی دو نہروں پر، پس امام نے شمر بن ذی الجوشن کو دیکھا تو فرمایا اللہ اور اس کا رسول

عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَاَنِّیۡ اَنۡظُرُ اِلٰی کَلۡبٍ اَبۡقَعَ یَلِغُ فِیۡ دِمَاءِ اَھۡلِ بَیۡتِیۡ وَ کَانَ شِمۡرُ اَبۡرَصَ (ابن عساکر ج ۲۳، ص ۱۹۰، سر الشہادتین، صفحہ ۲۸۔ کنز العمال: ۳۷۷۱۷)

سچے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ایک ابلق کتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اہل بیت کے خون میں مونھ ڈالتا ہے اور شمر مبروص یعنی سفید داغوں والا تھا

ایک رات کی مہلت

جمعرات ۹ محرم ۶۱ ھ کو امام عالی مقام تلوار باندھے ہوئے اپنے خیمہ کے پاس سر کو گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھے اونگھ رہے تھے، ادھر ابن سعد نے اپنے لشکر میں ندا کی، اے اللہ کے سپاہیو! دشمن پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ اس ندا سے لشکر یزید میں شور ہوا۔ اس شور کو سن کر حضرت امام حسین کی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کے قریب آکر آپ کو جگایا۔ آپ نے اپنے گھٹنوں سے سر اٹھا کر فرمایا: اِنِّیۡ رَاَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِی الۡمَنَامِ فَقَالَ لِیۡ اِنَّکَ تَرُوۡحُ اِلَیۡنَا۔

میں نے ابھی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔

بہن نے یہ سن کر روتے ہوئے کہا یا ویلتاہ (ہائے مصیبت) امام نے فرمایا، نہیں بہن تمہارے لیے مصیبت نہیں، اللہ تم پر رحم کرے۔ صبر کرو اور خاموش رہو۔

حضرت عباس نے کہا بھائی! وہ لوگ تمہاری طرف آرہے ہیں؟ امام بھی ان کی طرف جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عباس نے کہا، نہیں آپ نہ جائیں، میں جاتا ہوں۔ فرمایا، جاؤ میں تم پر فدا ہو جاؤں اور ان لوگوں سے پوچھو تم کیا چاہتے ہو؟ تمہارے اس طرح ادھر آنے کا مقصد کیا ہے؟ حضرت عباس بیس سواروں کو ساتھ لے کر جن میں زہیر بن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی تھے، ان لوگوں کے پاس آئے اور ان کے آنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے ابن زیاد کے حکم سے آگاہ کیا کہ یا تو ان کے حکم پر گردن اطاعت خم کر دو، ورنہ لڑنے اور قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت عباس نے کہا۔ ذرا ٹھہرو، جلدی نہ کرو،

میں ابن رسول اللہ کو تمہارے مقصد سے آگاہ کر دوں۔انہوں نے امام کو آگاہ کیا۔آپ نے فرمایا: ان لوگوں سے کہو، ہمیں ایک رات کی مہلت دیں تا کہ اس آخری رات میں ہم اچھی طرح نماز پڑھ لیں۔دعائیں مانگ لیں اور توبہ واستغفار کر لیں۔اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو نماز، تلاوت اور دعا واستغفار سے کتنا قلبی تعلق ہے، نیز اپنے اہل بیت کو کچھ وصیت کر لیں۔حضرت عباس نے جا کر ابن سعد کے دستہ سے کہا کہ ایک رات کی ہمیں مہلت دو۔رات کو ہم کچھ عبادت کر لیں اور اس معاملہ میں مزید غور کر لیں، پھر جو کچھ فیصلہ ہو گا صبح تم لوگوں کو بتا دیں گے۔انہوں نے یہ بات مان لی۔

رفقا سے امام کا خطاب

اس کے بعد امام پاک نے اپنے ہم راہیوں کو جمع کیا۔آپ کے فرزند حضرت سیدنا علی اوسط زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے قریب جا بیٹھا کہ سنوں ابا جان کیا فرماتے ہیں، حالاں کہ میں بیمار تھا۔آپ نے اپنے انصار کے سامنے یہ خطبہ دیا:

اُثْنِی عَلَی اللّٰہِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اَحْسَنَ الثَّنَآءَ وَ اَحْمَدُہٗ عَلَی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُکَ عَلٰٓی اَنْ اَکْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّۃِ وَ جَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَۃً وَّعَلَّمْتَنَا الْقُرْاٰنَ وَ فَقَّھْتَنَا فِی الدِّیْنِ فَاجْعَلْنَا لَکَ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّیْ لَآ اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلَا خَیْرًا مِّنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَھْلَ بَیْتٍ اَبَرَّوَ لَا اَوْصَلَ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا عَنِّیْ خَیْرًا اِلَّا وَاِنِّیْ لَاَ ظُنُّ یَوْمَنَا مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ الْاَعْدَآءِ غَدًا وَّاِنِّیْ قَدْ اَذِنْتُ لَکُمْ جَمِیْعًا فَانْطَلِقُوْا فِیْ حِلِّ لَیْسَ عَلَیْکُمْ مِّنِّیْ ذِمَامٌ ھٰذَا اللَّیْلُ قَدْ غَشِیَکُمْ فَاتَّخِذُوْہُ جَمَلًا وَّلْیَاخُذْ کُلُّ رَجُلٍ مِّنْکُمْ بِیَدِ رَجُلٍ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا ثُمَّ تَفَرَّقُوْا فِی الْبِلَادِ فِیْ سَوَادِکُمْ وَ مَدَآئِنِکُمْ حَتّٰی یُفَرِّجَ اللّٰہُ فَاِنَّ الْقَوْمَ یَطْلُبُوْانِیْ وَلَوْ اَصَابُوْنِیْ لَھَوْا عَنْ طَلَبِ غَیْرِیْ

”اللہ کی تعریف کرتا ہوں، خوشی و مسرت اور تنگی و تکلیف میں، اللہ تبارک تعالیٰ کی

بہترین حمد وثنا کرتا ہوں، اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں، تیرا شکر بجالاتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے ساتھ مکرم کیا اور سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں اور دل دیا اور ہمیں قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی اور ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں سے کیا۔ اما بعد! میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں سمجھتا اور نہ کسی کے اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ سن لو! میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمارا دن ان دشمنوں سے (مقابلے کا) کل کا دن ہے اور میں تم سب کو بہ خوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کی اس تاریکی میں چلے جاؤ، میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی۔ ایک ایک اونٹ لے لو اور تمہارا ایک ایک آدمی میرے اہل بیت میں سے ایک ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے لے، اللہ تم سب کو جزائے خیر دے، پھر تم اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں متفرق ہو جانا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یہ مصیبت آسان کر دے۔ بلاشبہ یہ لوگ میرے ہی قتل کے طالب ہیں اور جب مجھے قتل کر لیں گے تو پھر کسی اور کی ان کو طلب نہ ہوگی''۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۴، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۸)

رفقاء کا جواب

اس خطبہ کو سن کر آپ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے بہ یک زبان کہا کیا ہم صرف اس لیے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے۔

آپ نے فرزندان عقیل سے فرمایا کہ مسلم کی شہادت تمہارے لیے کافی ہے، لہٰذا تمہیں اجازت دیتا ہوں، تم چلے جاؤ۔ لیکن باحمیت اور غیرت مند بھائیوں نے کہا ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ کہیں گے کہ ہم اپنے سردار، اپنے آقا اور اپنے بہترین ابن عم کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ آئے ہیں۔ نہ ہم نے ان کے ساتھ مل کر کوئی تیر چلایا۔ نہ نیزہ مارا، نہ تلوار کا کوئی وار کیا اور پھر ہمیں نہیں معلوم ان کا حشر کیا ہوا؟ خدا کی قسم! ہم ہرگز ایسا

نہیں کریں گے بلکہ ہم اپنی جانیں اپنا مال اور اپنے اہل وعیال سب آپ پر قربان کریں گے۔آپ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے، جو انجام آپ کا ہوگا وہی ہمارا بھی ہوگا۔خدا وہ زندگی نہ دے جو آپ کے بعد ہو۔

حضرت مسلم بن عوسجہ الاسدی نے کھڑے ہو کر کہا: ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو آپ کے ادائے حق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا، جب تک دشمنوں کے سینوں میں اپنے نیزہ کو نہ توڑ ڈالوں اور شمشیر زنی نہ کرلوں۔خدا کی قسم! اگر میرے پاس اسلحہ نہ بھی ہو تو بھی میں دشمنوں سے پتھر مار مار کر لڑتا اور اس طرح آپ پر نثار ہو جاتا۔(ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۴)

حضرت سعد بن عبداللہ حنفی نے اٹھ کر کہا: خدا کی قسم! ہم اس وقت تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک اللہ تعالیٰ یہ دیکھ نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد آپ کی اولاد کی کیسی حفاظت کی۔خدا کی قسم! اگر مجھ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ میں ستر مرتبہ اس طرح قتل کیا جاؤں گا کہ ہر مرتبہ زندہ جلا دیا جاؤں گا اور میری خاکستر اڑا دی جائے گی تو بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا۔اور اب تو ایک ہی مرتبہ قتل ہونا ہے اور اس قتل ہونے میں ابدی شرف وکرامت ہے، پھر اسے کیوں نہ حاصل کروں۔(طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۳۹)

حضرت زہیر بن قین نے اٹھ کر کہا: خدا کی قسم! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔پھر قتل کیا جاؤں، اسی طرح ہزار مرتبہ زندہ کیا جاؤں اور قتل کیا جاؤں اور میرے ہزار مرتبہ کے قتل سے خدا آپ کی ذات اور آپ کے اہل بیت کے ان نوجوانوں کو بچا لیتا۔

غرض یہ کہ اسی طرح آپ کے ہر رفیق اور جان نثار نے اپنی اپنی جان نثاری کا اظہار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کر کے سعادت دارین حاصل کی۔چناں چہ حضرت انس بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا يُقْتَلُ بِاَرْضٍ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا یہ میرا بیٹا اس زمین میں قتل کر دیا

يُّقَالَ لَهَا كَرْبَلَاءُ فَمَنْ يَّشْهَدُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَنْصُرْهُ فَخَرَجَ اَنَسُ بْنُ الْحَارِثِ اِلٰى كَرْبَلَاءَ فَقُتِلَ بِهَا مَعَ الْحُسَيْنِ (سرالشہادتین، صفحہ ۲۹، البدایۃ والنہایۃ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۹۔ خصائص کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۴۹۳، کنز العمال: ۳۴۳۱۴)

جائے گا جس کو کربلا کہا جاتا ہے تو تم میں سے جو بھی وہاں موجود ہو اس کو چاہیے کہ اس کی مدد کرے۔ پس انس بن حارث بھی کربلا میں گئے تھے اور وہ بھی آپ کے ساتھ شہید ہوئے۔

فَجَزَاهُمُ اللهُ خَيْرَ الْجَزَآءِ

حقا کہ عجب فوج تھی فوجِ شہِ ابرار　　جن لوگوں کا عباس دلاور سا علم دار
ہم شکلِ پیمبر سا جواں فوج کا سالار　　مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

ظاہر میں گرچہ تھے رفقا شاہ کے قلیل　　پیشِ خدا مگر وہ حقیقت میں تھے جلیل
جرأت میں بے نظیر شجاعت میں بے عدیل　　سرگرم جان دینے پہ سب صورت خلیل
فاقوں میں صبر وشکر سے دل ان کے سیر تھے
جاں باز تھے جری تھے مجاہد تھے شیر تھے

آخر ان لوگوں نے شبیر پہ کی جانیں فدا　　شہ کی الفت میں تنوں سے ہوئے سر ان کے جدا
خون سے اپنی جواں مردی کے نقشوں کو لکھا　　اپنے مذہب کی حمایت میں یہ ایثار کیا
ان میں ہر اک نے شجاعت اور جواں مردی وہ کی
آج تک اس کی مثال اِک بھی دیکھی نہ سنی

امام پاک کے منجھلے فرزند حضرت علی زین العابدین فرماتے ہیں کہ جمعرات کی شام کو میں بیٹھا ہوا تھا اور میری پھوپھی سیدہ زینب میری تیمارداری میں مصروف تھیں، اس وقت میرے والد ماجد کے پاس ابوذر غفاری کے آزاد کردہ غلام حُوی بیٹھے ہوئے تلوار درست کر رہے تھے اور آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

يَا دَهْرُ اُفٍّ لَّكَ مِنْ خَلِيْلٖ كَمْ لَكَ بِالْاَشْرَاقِ وَالْاَصِيْلٖ

اے زمانہ ناپائیدار! تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے کسی دوست سے کبھی وفا نہ کی، صبح و شام تو نے۔

مَنْ صَاحَبَ اَوْ طَالَبَ قَتِيْلُ وَالدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيْلٖ

کیسے کیسے صاحبان اولوالعزم کو قتل کیا اور یہ زمانہ ناہنجار عوض پر قناعت نہیں کرتا۔

وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَى الْجَلِيْلٖ وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكُ السَّبِيْلٖ

اور سب ہی کی بازگشت خدائے جلیل ہی کی طرف ہے اور ہر زندہ کو یہی راہ درپیش ہے۔

مَا اَقْرَبُ الْوَعْدِ مِنَ الرَّحِيْلٖ سُبْحَانَ رَبِّیْ مَالَهٗ مَثِيْلُ

میرا وعدۂ رحلت کس قدر قریب آ پہنچا ہے۔ لہٰذا میں اپنے پاک پروردگار کی تسبیح کرتا ہوں۔ جس کا کوئی مثیل نہیں۔

آپ نے بار بار ان اشعار کو پڑھا۔ میں آپ کے عزم اور ارادے کو سمجھ گیا اور جان گیا کہ مصیبت ٹوٹ پڑی۔ بے اختیار میرے آنسو آ گئے تاہم میں نے صبر وضبط سے کام لیا۔ مگر میری پھوپھی حضرت زینب نے بھی یہ اشعار سن لیے تھے اور ان کو حالات سے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ تلواریں صاف کی جا رہی ہیں۔ وہ ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار ہو گئیں اور امام کے پاس پہنچ کر چیخ چیخ کر رونے لگیں اور کہتی تھیں کاش! آج مجھے موت آ گئی ہوتی، ہائے میری ماں فاطمہ، میرے باپ علی اور میرے بھائی حسن چل بسے۔ بھیا تم ان گزرے ہوؤں کے جانشین اور ہمارے محافظ اور سہارا تھے۔ بہن کو اس طرح بے اختیار اور بے چین دیکھ کر آپ نے فرمایا، دیکھو بہن! شیطان کہیں تمہارے حلم و وقار اور عقل کو زائل نہ کر دے۔ بہن نے کہا، بھائی میرے ماں باپ تم پر قربان، میں آپ کے بدلہ میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔ بہن کے اس دردناک اور محبت بھرے انداز نے آپ کو بھی بے چین کر دیا۔ آپ کا دل بھر آیا اور آنسو جاری ہو گئے فرمایا: لَوْتُرِكَ الْقَطَا لَيْلًا لَنَامَ (☆)

☆ یہ عربی محاورہ ہے: اگر میں رات کو پرندے کو چھوڑ دیتا وہ آرام سے سو جاتا۔ یہ اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جس کو سخت تکلیف میں ڈالا جائے بغیر اس کے ارادے کے۔

یہ سن کر حضرت زینب کا تو برا حال ہوا، دھاڑیں مار مار کر روئیں اور کہتی تھیں کیا زبردستی آپ کو ہم سے چھین لیا جائے گا؟ اس سے تو میرا کلیجا پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔ آپ نے ان کے مونھ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا: میری بہن، اللہ سے ڈرو اور اس سے صبر و سکون طلب کرو اور جان لو کہ تمام اہل زمین مر جائیں گے اور اہل آسمان بھی باقی نہیں رہیں گے۔ ہر شے فانی ہے سوائے ذات الٰہی جل شانہ کے، میرے باپ، میری ماں، میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ میرے اور ان کے لیے ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات نمونہ ہے۔ تم اسی نمونہ سے صبر حاصل کرو۔ اسی طرح کی چند اور باتوں سے ان کو تسلی دی۔ پھر فرمایا، پیاری بہن! میں تمہیں قسم دیتا ہوں۔ میری اس قسم کو پورا کرنا۔ سنو میری وفات پر گریبان نہ پھاڑنا، مونھ نہ نوچنا، آہ و زاری اور بین نہ کرنا، بہن کو صبر و شکر اور ضبط و تحمل کی تلقین فرما کر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے انصار کو حفاظت کے ضروری انتظامات کی ہدایت فرمائی۔

خیمے ایک دوسرے کے قریب کر دیئے گئے اور ان کی طنابیں ایک دوسرے میں داخل کر دی گئیں۔ خیموں کی پشت پر ایک خندق کھودی گئی اور اس میں لکڑیاں اور شاخیں جمع کر کے بھر دی گئیں تا کہ بوقت جنگ ان کو آگ لگا دی جائے اور دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ پھر سب نے آپ کے ساتھ ساری رات نماز، دعا، استغفار اور زاری و تضرع میں گزاری۔

حکم فرمایا کہ خیموں کا تحفظ تو کرو گرد خیموں کے تم اب گہری خندق کھودو
آمد و رفت کا بس ایک ہی رستہ رکھو اور خندق میں بھی تم آگ کو روشن کر دو
حسب حکم آپ کے سب لوگوں نے خندق کھو دی
اس میں پھر آگ بھی ان لوگوں نے روشن کر دی
شاہ نے فجر کی اس روز پڑھائی جو نماز آخری تھی یہ نماز ان کی بصد عجز و نیاز
لطف سجدوں کے اٹھائے تھے جنھوں نے بہ ناز اور زبانوں نے لیے ذائقہ سوز و گداز
اس کے بعد آپ نے خیموں کی طرف قصد کیا
دسویں تاریخ کے خورشید کا چہرہ چمکا

سجدوں سے، نمازوں سے، یہ رفعت کی سحر ہے
رونے کی، تذلّل کی، عبادت کی سحر ہے
ہائے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
عاشورِ محرم ہے، شہادت کی سحر ہے
لٹنے کا، تباہی کا، پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبر کی یہ قربانی کا دن ہے

دس محرم ۶۱ھ اور قیامت صغریٰ

شب عاشور ختم ہوئی اور صبح عاشور، قیامت صغریٰ اور مصائب و آلام کی خبر لے کر آ گئی۔ امام عالی مقام کے خیموں میں اذان کی آواز بلند ہوئی۔ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام رفقاء اور اہل بیت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی۔ یہ شہدائے کربلا کی آخری نماز تھی۔ اللہ جانتا ہے کہ ان کی اس نماز کا عالم کیا تھا۔ صبر و رضا کے پیکر اپنے مالک و خالق کے حضور مشاہدۂ حق کی کیفیات لیے دست بستہ کھڑے تھے۔ وہ سر جنہوں نے تھوڑی دیر کے بعد راہ خدا میں کٹ جانا تھا، خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ ریز تھے۔ نماز کے بعد امام پاک نے سب کے لیے صبر و استقامت کی دعا مانگی۔ دسویں محرم کا خونیں آفتاب اپنی پوری خون آشامیوں کے ساتھ طلوع ہوا، جس کی الم ناکی پر جن و انس سے لے کر ملائکہ تک نوحہ کناں ہوئے۔ حسینی فوج کے بہتر جان نثار، بائیس ہزار یزیدیوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس مختصر سی جماعت کے آقا نے اپنے جان بازوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ میمنہ (دائیں طرف) پر حضرت زہیر بن قین اور میسرہ (بائیں طرف) پر حضرت حبیب ابن مظاہر کو مقرر کیا اور جھنڈا اپنے بھائی حضرت عباس کو دیا جو اسی سبب سے علم دار کہلائے۔ خندق میں بھری ہوئی لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔

دوسری طرف عمرو بن سعد نے اپنے لشکر کے میمنہ پر عمرو ابن الحجاج الزبیدی اور میسرہ پر شمر بن ذی الجوش اور سواروں پر عزرہ بن قیس الاحمسی اور پیادوں پر شبث بن ربعی یربوعی کو مقرر کیا اور جھنڈا اپنے غلام ذوید اکو دیا۔

امام عالی مقام اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن منگوا کر اپنے سامنے رکھا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ ایزدی میں یوں دعا کی:

”اے اللہ ہر مصیبت میں تو ہی میرا اعتماد اور ہر تکلیف میں تو ہی میرا آسرا ہے۔ تمام حوادثات میں تو ہی میرا سہارا اور ڈھارس ہے۔ بہت سے غم و اندوہ ایسے

ہوتے ہیں جن میں دل بیٹھ جاتا ہے اور ان غموں سے رہائی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں۔ دوست اس میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن اس سے خوش ہوتے ہیں لیکن میں نے اس قسم کے تمام اوقات میں تیری ہی طرف رجوع کیا، تجھی سے اپنا درد دل کہا، تیرے سوا کسی اور سے کہنے کو دل نہ چاہا۔ اے اللہ تو نے ہر بار ان مصائب کو مجھ سے دور کر دیا اور مجھے ان سے بچا لیا۔ تو ہی ہر نعمت کا ولی ہر بھلائی کا مالک اور ہر خواہش و رغبت کا منتہیٰ ہے۔

وہ صبر دے الٰہی جس میں خلل نہ آئے　　تیروں پہ تیر کھاؤں ابرو پہ بل نہ آئے

شمر کی گستاخی

ادھر یزیدیوں نے جب خندق میں لگی ہوئی آگ کو دیکھا جو خیموں کی پشت پر حفاظت کے لیے جلائی گئی تھی تو شمر لعین گھوڑا دوڑاتا ہوا ادھر آیا اور پکار کر کہنے لگا، اے حسین! تم نے اپنے لیے قیامت سے پہلے دنیا ہی میں آگ لگا لی؟ (معاذ اللہ) آپ نے فرمایا، تو اس میں جلنے کا زیادہ مستحق ہے۔ مسلم بن عوسجہ نے عرض کی، یا ابن رسول اللہ! میں آپ پر قربان ہو جاؤں، اگر ارشاد ہو تو ایک تیر مار کر اس کا خاتمہ کر دوں، اس وقت زد میں ہے اور میرا تیر خطا نہ کرے گا۔ فرمایا نہیں، ہماری طرف سے ابتدا نہیں ہونی چاہیے۔ پھر امام پاک یزیدی لشکر کے قریب گئے اور باآواز بلند فرمایا:

اتمام حجت

لوگو! جلدی نہ کرو اور میری باتیں سن لو اور مجھ پر جو وعظ و نصیحت کا حق ہے اسے ادا کر لینے دو، پھر اس کے بعد تمہیں اختیار ہے، اگر میرا عذر قبول کر لو گے اور میری بات کو سچا سمجھو گے اور میرے ساتھ انصاف کرو گے تو نہایت نیک بخت ہو گے اور تمہارے لیے میری مخالفت کی کوئی سبیل باقی نہ رہے گی اور اگر تم نے میرا عذر قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾۔ اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ

الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

"پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرالو تاکہ تمہاری وہ بات تم میں سے کسی کے اوپر مخفی نہ رہے۔ تم میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر ڈالو اور مجھے مہلت نہ دو، میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہی صالحین کا مددگار ہوتا ہے"۔

ادھر خیموں میں عورتوں نے جب آپ کا کلام سنا تو ان میں حشر برپا ہو گیا، ان کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عباس اور اپنے فرزند حضرت علی اکبر کو بھیجا کہ جا کر انہیں خاموش کراؤ، مجھے اپنی جان کی قسم! ابھی تو انہیں بہت رونا ہے۔ انہوں نے جا کر ان کو خاموش کروایا۔ جب ان کے رونے کی آواز موقوف ہوئی تو امام پاک نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اور انبیاء کرام اور ملائکہ پر درود وسلام بھیجا اور حمد ونعت میں ایسا فصیح وبلیغ کلام فرمایا جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ راوی کہتا ہے فَوَاللهِ مَا سَمِعْتُ مُتَكَلِّمًا قَطُّ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ اَبْلَغَ فِيْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ۔ خدا کی قسم میں نے ایسی فصیح و بلیغ تقریر نہ اس سے پہلے کسی سے سنی تھی اور نہ بعد میں کسی سے سنی۔ اس کے بعد آخری اتمام حجت کرتے ہوئے امام پاک نے فرمایا:

فَاَنْسِبُوْنِيْ فَانْظُرُوْا مَنْ اَنَا ثُمَّ رَاجِعُوْٓا اَنْفُسَكُمْ فَعَاتِبُوْهَا وَانْظُرُوْا هَلْ يَصْلَحُ وَ يَحِلُّ لَكُمْ قَتْلِيْ وَ انْتِهَاكُ حُرْمَتِيْ اَلَسْتُ ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ وَ ابْنِ وَصِيِّهٖ وَ ابْنِ عَمِّهٖ وَ اَوْلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بِاللهِ وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُوْلِهٖ اَوَ لَيْسَ حَمْزَةُ سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ عَمَّ اَبِيْ اَوَ لَيْسَ جَعْفَرُ الشَّهِيْدُ الطَّيَّارُ فِي الْجَنَّةِ عَمِّيْ اَوَلَمْ يَبْلُغْكُمْ قَوْلٌ مُّسْتَفِيْضٌ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيْ وَلِاَخِيْ اَنْتُمَا سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ قُرَّةُ عَيْنِ اَهْلِ السُّنَّةِ فَاِنْ صَدَّقْتُمُوْنِيْ بِمَا اَقُوْلُ وَهُوَ الْحَقُّ وَاللهِ مَا تَعَمَّدْتُّ كَذِبًا مُذْ عَلِمْتُ اَنَّ اللهَ يَمْقُتُ عَلَيْهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ فَاِنَّ فِيْكُمْ مَّنْ اِنْ سَاَلْتُمُوْهُ عَنْ ذَالِكَ اَخْبَرَكُمْ سَلُوْا

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ اَوْ اَبَا سَعِیْدٍ اَوْ سَھْلَ بْنِ سَعْدٍ اَوْ زَیْدَ بْنِ اَرْقَمَ اَوْ اَنَسًا یُخْبِرُوْکُمْ اَنَّھُمْ سَمِعُوْہُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا فِیْ ھٰذَا حَاجِزٌ یَّحْجُزُکُمْ عَنْ سَفْکِ دَمِیْ

''لوگو! میرے حسب ونسب کو دیکھو میں کون ہوں پھر اپنے نفسوں پر غور کرو اور ان کو سرزنش کرو اور دیکھو کیا تمہارے لیے میرا قتل اور میری آبروریزی درست اور حلال ہے؟ کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ اور ان کے وصی اور ابن عم، اللہ اور اس کے رسول پر بہتر ایمان لانے والے کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حضرت حمزہ میرے باپ کے چچا اور شہید جعفر طیار ذوالجناحین میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا یہ مشہور حدیث تمہیں نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ تم دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہو اور اہل سنت کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو، پس اگر تم میری تصدیق کرو تو بلاشبہ میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں حق اور سچ کہہ رہا ہوں کیوں کہ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جھوٹے پر خدا تعالیٰ غضب نازل ہوتا ہے خدا کی قسم! اس وقت سے میں نے عمداً کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو اگر تم میری تصدیق نہیں کرتے ہو بلکہ مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں اس وقت بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر تم ان سے پوچھو تو وہ تمہیں بتائیں گے (یا پھر اصحاب رسول اللہ) جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل بن سعد، زید بن ارقم سے پوچھ لو وہ اس کی تصدیق کریں گے کیوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو سنا ہے، تو اب مجھے بتاؤ کہ کیا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو تمہیں میری خون ریزی اور آبروریزی سے روک دے؟''۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۵، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۴۲، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۷۹)

اس دوران شمر لعین نے آپ پر ایک نامناسب چوٹ کی۔ حبیب ابن مظاہر نے اس کا دندان شکن جواب دے کر کہا، خدا نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے اس لیے تو نہیں سمجھ سکتا کہ امام کیا فرما رہے ہیں۔ شمر اور حبیب کی گفتگو کے بعد امام پاک نے پھر فرمایا:

فَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّمَّا اَقُوْلُ اَوْ تَشُكُّوْنَ فِىَّ اِنِّىْ اِبْنُ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ فَوَاللّٰهِ

مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ ابْنِ بِنْتِ نَبِيٍّ غَيْرِىْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْ غَيْرِكُمْ

اَخْبِرُوْنِىْ اَتَطْلُبُوْنِىْ بِقَتِيْلٍ مِّنْكُمْ قَتَلْتُهٗ اَوْ بِمَالِكُمْ اَسْتَهْلَكْتُهٗ اَوْ

بِقِصَاصٍ مِّنْ جِرَاحَةٍ فَلَمْ يُكَلِّمُوْهُ فَنَادٰى يَا شَبْثُ بْنُ رِبْعِىٍّ وَيَا حِجَارُ

بْنُ اَبْجَرَ وَيَا قَيْسَ بْنَ الْاَشْعَثِ وَيَا زَيْدَ بْنَ الْحَارِثِ اَلَمْ تَكْتُبُوْا اَلَىَّ فِى

الْقُدُوْمِ عَلَيْكُمْ قَالُوْا لَمْ نَفْعَلْ ثُمَّ قَالَ بَلٰى فَعَلْتُمْ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ

اِذْ كَرِهْتُمُوْنِىْ فَدَعُوْنِىْ اَنْصَرِفُ اِلٰى مَاْمَنِىْ مِنَ الْاَرْضِ

''لوگو! اگر تم لوگوں کو میری اس بات میں کچھ شک ہے (کہ میں جنت کے نوجوانوں کا سردار ہوں) تو کیا اس میں کوئی شک وشبہ ہے کہ میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم اس وقت مشرق سے لے کر مغرب تک روئے زمین پر میرے سوا اور کوئی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ تم لوگ میرے خون کے کیوں پیاسے ہو؟ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال برباد کیا ہے؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کا تم مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہو؟ ان باتوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور وہ سب خاموش تھے۔ پھر آپ نے کچھ لوگوں کا نام لے کر پکارا اے شبث بن ربعی۔ اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے زید بن حارث کیا تم نے مجھے خطوط لکھ کر اپنے پاس نہیں بلایا تھا؟ انہوں نے کہا ہم نے کوئی خطوط نہیں لکھے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں بلاشبہ تم نے ضرور لکھے تھے۔ پھر فرمایا لوگو! جب تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں کسی گوشہ امن کی طرف چلا جاؤں''۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۵، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۴۳)

اس پر قیس ابن اشعث نے کہا آپ ابن عم یعنی ابن زیاد کے حکم پر سر جھکا دیں۔ پھر آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا تم بھی تو آخر محمد ابن اشعث کے بھائی ہو؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بنو ہاشم تم سے مسلم بن عقیل کے خون کے علاوہ اور دوسرے خون کے بدلہ کا بھی مطالبہ کریں۔ خدا کی قسم میں کسی ذلیل انسان کی طرح ابن

زیاد کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دوں گا اور نہ میں کسی غلام کی طرح اقرار اطاعت کروں گا۔

عِبَادَ اللهِ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ اَعُوْذُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ

''اللہ کے بندو! میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگ سار کرو اور میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے ہر مغرور اور متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا پناہ مانگتا ہوں''

جب سر محشر وہ پوچھیں گے ہمارے سامنے　　کیا جوابِ جرم دو گے تم خدا کے سامنے

یہ فرما کر آپ نے اپنی سواری کو بٹھایا اور اس سے اتر پڑے اور کوفی آپ کی طرف بڑھے۔ ان کا ریلا دیکھ کر زہیر بن قین گھوڑے پر سوار ہتھیار لگائے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کے سامنے پُرجوش انداز میں فرمایا۔

اے اہل کوفہ! اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ ایک مسلمان پر یہ واجب ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے ابھی تک ہم آپس میں بھائی بھائی اور ایک دین وملت پر ہیں۔ اور جب تک ہمارے تمہارے درمیان تلوار نہیں چلتی اس وقت تک ہم کو تمہیں نصیحت کرنے کا حق ہے اور جب تلواریں چلیں گی تو ہمارا تمہارا یہ رشتہ ٹوٹ جائے گا پھر ہم ایک الگ جماعت ہوں گے اور تم ایک الگ جماعت۔ سنو بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد کے بارے میں امتحان وآزمائش میں مبتلا کیا ہے تا کہ وہ دیکھے کہ ہم اور تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ ہم تمہیں اولاد رسول کی نصرت و امداد کرنے اور سرکش ابن سرکش (ابن زیاد) اور یزید کا ساتھ چھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں اس لیے کہ تمہیں ان دونوں سے برائی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا، یہ تمہاری آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمہارا مثلہ کریں گے، تمہاری لاشوں کو کھجور کی شاخوں پر لٹکائیں گے۔ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب اور ہانی بن عروہ جیسے تمہارے ممتاز لوگوں کو قتل کریں گے۔

یہ سن کر کوفیوں نے زہیر بن قین کو گالیاں دیں اور ابن زیاد کی تعریف اور اس کے لیے

دعا کر کے کہنے لگے:

وَاللّٰهِ لَا نَبْرَحُ حَتّٰى نَقْتُلَ صَاحِبَكَ وَ مَنْ مَّعَهُ اَوْ نَبْعَثَ بِهٖ وَبِاَصْحَابِهٖ اِلَى الْاَمِيْرِ عُبَيْدِ اللّٰهِ سَلْمًا

''خدا کی قسم! ہم یہاں سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے جب تک تیرے ساتھی (حسین) اور ان کے ہم راہیوں کو قتل نہ کر دیں یا ان کو بہ حیثیت قیدیوں کے امیر ابن زیاد کے سپرد نہ کر دیں''۔

زہیر نے کہا خدا کے بندو!

اِنَّ وَلَدَ فَاطِمَةَ رِضْوَانَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اَحَقُّ بِالْوُدِّ وَالنَّصْرِ مِنِ ابْنِ سَمِيَّةَ فَاِنْ لَّمْ تَنْصُرُوْهُمْ فَاُعِيْذُكُمْ بِاللّٰهِ اَنْ تَقْتُلُوْهُمْ

''حضرت فاطمہ رضوان اللہ علیہا کی اولاد ابن سمیہ کے مقابلہ میں زیادہ محبت و نصرت کی مستحق ہے اگر تم ان کی امداد و اعانت نہیں کرتے ہو تو خدارا ان کو قتل تو نہ کرو''۔

ان کا معاملہ ان کے اور ان کے ابن عم یزید کے درمیان چھوڑ دو۔ مجھے اپنی جان کی قسم! یزید تمہاری اطاعت گزاری سے حسین کے قتل کیے بغیر بھی تم سے خوش ہو سکتا ہے۔

یہ سن کر شمر نے زہیر کو ایک تیر مارا اور کہا بس خاموش رہ۔ خدا تیرا مونھ بند کرے تو نے اپنی بک بک سے ہمارا دماغ چاٹ لیا ہے۔ زہیر نے جواب دیا، او ابن البوال میں تجھ ہی سے مخاطب نہیں ہوں، تو تو جانور ہے واللہ میں سمجھتا ہوں کہ تو تو قرآن کی دو آیتوں کو بھی سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا، فَاَبْشِرْ بِالْخِزْيِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْعَذَابِ الْاَلِيْمِ پس اب قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی اور عذاب الیم تجھے مبارک ہو۔

شمر نے کہا اب خدا تجھے اور تیرے صاحب کو اسی وقت قتل کرنے والا ہے۔ زہیر نے کہا کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ خدا کی قسم! حسین کے ساتھ جان دینا مجھ کو تمہارے ساتھ دائمی زندگی سے زیادہ پسند ہے۔ پھر بآواز بلند لشکر یزید سے خطاب کیا، لوگو! ان سنگ دل ظالموں کے فریب میں آ کر اپنا دین نہ برباد کرو۔ خدا کی قسم! جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد اور آپ کے اہل بیت کا خون بہائیں گے اور ان کے مددگاروں اور ان کے حرم کی

طرف سے لڑنے والوں کو قتل کریں گے وہ آپ کی شفاعت سے محروم رہیں گے
حسین ابن علی کی زندگی قرآن کی صورت رسول اللہ کی دنیا میں ایک روشن نشانی ہے
امام عالی مقام نے زہیر کو واپس بلا لیا۔

درس عبرت

جب بدبختی کسی قوم کا مقدر بن جاتی ہے تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں اور دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں پھر حق کو دیکھنے اور حق سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ (الکھف)

”اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیات سے سمجھایا گیا تو اس نے ان سے روگردانی کی اور اس نے فراموش کر دیا ان (اعمال کو) جو اس کے ہاتھوں نے پہلے کیے تھے (تو) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے کہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ ہرگز کبھی بھی ہدایت کی طرف نہ آئیں گے اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان کو پکڑ لیتا ان کے کیے پر تو ان پر بہت جلد عذاب بھیجتا (مگر وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کو سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے پھر اس وقت کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے“۔

کوفیوں یزیدیوں کا حال بھی بالکل ایسا ہی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کوئی نصیحت ان پر اثر انداز نہ ہوئی اور کرتوت تو ان کے بلاشبہ ایسے ہی تھے کہ ان ظالموں کو فوراً عذاب کی چکی

میں پیس کر رکھ دیا جاتا اور ذرا ڈھیل نہ دی جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم و کرم اور حکمت کی وجہ سے ان کو مہلت دی کیوں کہ اس کے ہاں ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔

اک نظر میں شاہ نے قطرے کو دریا کر دیا　　حُر کو جنت بھی ملی اوجِ شہادت بھی ملا

حر کا آنا

زہیر بن قین کی واپسی کے بعد عمرو بن سعد جنگ کا آغاز کرنے کے لیے آگے بڑھا تو حر بن یزید نے ابن سعد سے کہا، خدا تیرا بھلا کرے کیا تو ان سے لڑے گا؟ ابن سعد نے کہا ہاں اور قسم خدا کی لڑنا بھی ایسا کہ جس میں کم از کم یہ ہوگا کہ سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر گریں گے۔ حر نے کہا: کیا ان کی تین باتوں میں سے کوئی بات بھی تم لوگوں کو منظور نہیں۔ ابن سعد نے کہا: واللہ اگر یہ امر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ضرور ایسا ہی کرتا لیکن کیا کروں، تمہارا امیر نہیں مانتا۔

حر پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا، آنکھوں سے تاریکی کے پردے اٹھ گئے اور حق کے جلوے نظر آنے لگے۔ حر کی یہ حالت دیکھ کر انہی کی برادری کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے حر سے کہا: واللہ آج تمہاری عجیب حالت ہے، میں نے کسی جنگ میں تمہاری ایسی حالت نہیں دیکھی حالاں کہ میرے نزدیک تم اہل کوفہ کے بہادروں میں سے ایک بہادر ترین انسان ہو، پھر یہ حالت کیوں ہے؟ حر نے کہا خدا کی قسم! میرے ایک طرف جنت اور ایک طرف دوزخ ہے اور میں درمیان میں کشمکش میں مبتلا ہوں کہ کدھر جاؤں؟

حر نے فرمایا برادر تجھے یہ بھی ہے خبر　　اس لڑائی میں مقابل ہے پیمبر کا پسر
عاقبت سے جسے لڑنا ہو بلا خوف و خطر　　اس لڑائی میں دکھائے وہ دلیری کے ہنر

درمیانِ دوزخ و جنت کے کھڑا ہوں میں یہاں
خوفِ دوزخ سے ہوں اس وقت بے تاب و تواں

پھر کہا خدا کی قسم! اب تو جنت کی طرف ہی جاؤں گا خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا زندہ جلا دیا جائے۔ یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گروہ اشقیا سے نکل کر امام عالی مقام کے پاس پہنچ گیا۔

یہ نعرہ حر کا تھا جس وقت فوج نار سے نکلا　　　کہ دیکھو یوں نکلتے ہیں جہنم سے خدا والے (☆)

امام پاک کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یا ابن رسول اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو، میں وہی شخص ہوں جس نے آپ کو واپس نہ جانے دیا اور راستہ بھر آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور اسی مقام پر ٹھہر جانے کے لیے مجبور کر دیا تھا، مگر خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم! مجھے یہ گمان تک نہ تھا کہ ان لوگوں کی بدبختی اس حد تک پہنچ جائے گی اور یہ آپ کی تمام شرائط کو رد کر دیں گے، میں تو خیال کرتا تھا کہ آپ کی پیش کردہ شرائط میں سے کسی شرط کو مان لیں گے اور صلح ہو جائے گی۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے تو میں ہرگز ان کا ساتھ نہ دیتا اور جو گستاخیاں مجھ سے ہوئیں ان کا مرتکب نہ ہوتا۔ اب میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور اپنی جان آپ پر قربان کرتا ہوں، فرمایئے کیا میری یہ توبہ قبول ہو گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اللہ تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ کہا حر بن یزید۔ فرمایا تم دنیا و آخرت میں ان شاء اللہ حُر (آزاد) ہو۔ گھوڑے سے اترو، عرض کیا: اب تو اسی وقت اتروں گا جب ان ظالموں سے لڑتے ہوئے اپنی جان آپ پر فدا کر دوں گا۔ فرمایا: اچھا جس طرح چاہو کرو، اللہ تم پر رحم کرے۔

عرض کی ابن رسول ایک خطا کار ہوں میں　　　آپ کے پہلے تقابل کا گنہ گار ہوں میں
اس بیابان میں سرکار کو میں نے روکا　　　یہ جسارت ہوئی سرکار میں اس حر سے شہا
یہ تمنا ہے مرے جرم کو اب عفو کرو　　　جاں فدا کرنے کی اب مجھ کو اجازت دے دو
آپ نے ہاتھ سرِ حر پہ بہ شفقت رکھّا　　　اور فرمایا تیرا عذر بھی مقبول ہوا
توبہ کر رب سے وہ بخشے گا تیرے جرم و خطا　　　تیری تقصیر کو حر میں نے بھی اب عفو کیا

☆ حسین ابن علی کی کیا مدد کر سکتا تھا کوئی　　　یہ خود مشکل کشا تھے اور تھے مشکل کشا والے
ہزاروں میں بہتّر تن تھے تسلیم و رضا والے　　　حقیقت میں خدا ان کا تھا اور یہ تھے خدا والے
دوائے دردِ عصیاں پنج تن کے در سے ملتی ہے　　　زمانے میں یہی مشہور ہیں دارالشفا والے
(کوکب غفرلہ)

جاں فدا کرنے کی اب تجھ کو اجازت دے دی اب شہادت کی سعادت تجھے مل جائے گی

حر کا خطاب

امام عالی مقام کے جان نثاروں میں شامل ہونے کے بعد حر نے کوفیوں یزیدیوں سے کہا: لوگو! حسین نے تمہارے سامنے جو تین صورتیں پیش کی ہیں ان میں سے کوئی ایک صورت کیوں نہیں مان لیتے؟ تا کہ خدا تمہیں ان کے ساتھ جنگ و جدال میں مبتلا ہونے سے بچائے۔ کوفیوں نے کہا ہمارے امیر ابن سعد سے بات کرو۔ ابن سعد نے کہا میں تو چاہتا تھا، لیکن ایسا ہو نہیں سکتا۔ حر نے کہا: اے کوفیو! خدا تمہیں تباہ و برباد کرے، تم نے خود حسین کو بلایا، جب وہ آ گئے تو تم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور دشمن کے حوالے کر دیا۔ تم نے تو یہ کہا تھا کہ ہم اپنی جانیں ان پر فدا کریں گے اور اب تم انہی پر حملہ کرنے اور انہیں قتل کرنے کے درپے ہو۔ تم نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، ان کو اور ان کے اہل بیت کو اللہ تعالیٰ کی وسیع و عریض زمین میں کسی طرف جا کر امن و امان سے رہنے سے روک دیا ہے، اس وقت وہ بالکل قیدیوں کی حالت میں ہیں اور تم نے ان پر نہر فرات کا پانی بند کر رکھا ہے، جسے یہودی نصرانی اور مجوسی سب پیتے ہیں اور اس میدان کے سؤر اور کتّے تک اس میں لوٹتے ہیں۔ اسی پانی کے لیے حسین اور ان کے اہل و عیال تڑپ رہے ہیں۔ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا ہے۔ اگر تم نے اسی وقت توبہ نہ کی اور اپنے ارادوں کو نہ بدلا تو قیامت کے دن خدا تعالیٰ تمہیں بھی پیاسا تڑپائے گا۔

کوفیوں نے حُر پر تیر برسانے شروع کر دیے اور حر وہاں سے لوٹ کر امام پاک کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔

آغاز جنگ

حر کے واپس آنے کے بعد ابن سعد اپنا علم لے کر آگے بڑھا اور ایک تیر امام کی طرف چلا کر کہنے لگا: گواہ رہنا سب سے پہلا تیر میں نے ہی مارا ہے۔ اس کے ساتھ ہی طبل جنگ پر چوٹ پڑی اور دوسروں نے بھی تیر چلانے شروع کر دیئے۔ جنگ شروع ہو گئی اور دونوں

طرف سے سپاہی نکل نکل کر آنے اور اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرنے لگے۔

زیاد بن ابی سفیان کا آزاد غلام یسار اور ابن زیاد کا آزاد غلام سالم دونوں سب سے پہلے کوفیوں سے نکلے اور میدان میں آکر دعوتِ مقابلہ دی۔ ان کے مقابلہ کے لیے حبیب ابن مظاہر اور بریر بن حضیر آگے بڑھنے لگے، مگر امام نے انہیں روک لیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن عمیر الکلبی نے مقابلہ کی اجازت طلب کی۔ امام نے اجازت دی۔ یہ تنہا ان دونوں کے بالمقابل ہوئے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ عبداللہ نے اپنا نام نسب بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم تمہیں نہیں جانتے، زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر ہمارے سامنے آئیں۔ اس وقت یسار آگے اور سالم پیچھے تھا۔ عبداللہ نے کہا: او فاحشہ کے بیٹے! تجھے مجھ سے مقابلہ کرنے میں عار ہے؟ یہ کہتے ہوئے ایک ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا۔ سالم نے ایک دم جھپٹ کر حملہ کر دیا۔ عبداللہ نے اس کی تلوار کو بائیں ہاتھ پر روکا، ان کی انگلیاں اڑ گئیں مگر دائیں ہاتھ سے اس پر ایک ایسا وار کیا کہ سالم کو بھی مار گرایا اور یہ شعر پڑھے ۔

اِنۡ تَنۡكُرُوۡنِیۡ فَاَنَا ابۡنُ كَلۡبٍ نَسۡبِیۡ وَ بَیۡتِیۡ فِیۡ عُلَیۡمٍ حَسَبِیۡ

اگر تم لوگ مجھے نہیں جانتے ہو تو میں خاندان کلب کا ایک فرزند ہوں یہ میرا نسب ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے کہ میرا گھر قبیلہ علیم میں ہے۔

اِنِّیۡ اِمۡرُءٌ ذُوۡمِرَّةٍ وَ غَضَبٍ وَ لَسۡتُ بِالۡخَوَارِ عِنۡدَ النَّكۡبِ

میں بڑی قوت والا صاحبِ شمشیر برّاں ہوں اور سختی و مصیبت کے وقت بددل اور عاجز نہیں ہوتا۔

اِنِّیۡ زَعِیۡمٌ لَّكَ اُمَّ وَهَبٍ بِالطَّعۡنِ فِیۡهِمۡ مُقَدِّمًا وَّالضَّرۡبِ

ضَرۡبَ غُلَامٍ مُّؤۡمِنٍ بِالرَّبِّ

اے وہب کی ماں! میں تیری اس بات کا ضامن ہوں کہ دشمنوں پر بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ نیزہ و شمشیر کی ضرب لگاؤں گا، وہ ضرب جو رب تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندے کی ضرب ہوتی ہے۔

عبداللہ کی بیوی ام وہب نے یہ سن کر ایک خیمہ کی چوب ہاتھ میں لی اور آگے بڑھ کر کہا: میرے ماں باپ تم پر فدا، اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے لڑے جاؤ۔ عبداللہ نے انہیں عورتوں کے خیموں میں لوٹانا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا اور کہا میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گی، تمہارے ساتھ جان دوں گی۔ امام عالی مقام نے آواز دی اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اہل بیت کی طرف سے جزاے خیر دے۔ بی بی تم واپس آ جاؤ عورتوں پر قتال واجب نہیں ہے۔ آپ کے ارشاد پر وہ واپس آ گئیں۔

عبداللہ بن عمیر کلبی

یہ بنی علیم میں سے ہیں۔ حال ہی میں کوفہ آئے تھے اور قبیلہ ہمدان میں جعد کے کنویں کے پاس ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کی بیوی امّ وہب جو خاندان نمیر بن فاسط سے تھیں، ان کے ساتھ تھیں۔ عبداللہ نے مقام نخیلہ میں ایک لشکر مع ساز و سامان دیکھ کر لوگوں سے پوچھا، یہ لشکر کہاں جا رہا ہے؟ کسی نے ان سے کہا کہ فاطمہ بنت رسول اللہ کے فرزند حسین کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے! عبداللہ فرماتے ہیں خدا کی قسم! میں یہ آرزو رکھتا تھا کہ کبھی مجھے مشرکین سے جہاد کا موقع ملے۔ جب میں نے حالات سنے اور لشکر کوفہ کو دیکھا تو میں نے یقین کر لیا کہ جو لوگ اپنے نبی کے نواسے پر لشکر کشی کر رہے ہیں ان سے جہاد کرنا بھی عند اللہ مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے اجر و ثواب میں کم نہیں۔

پھر اپنی بیوی کے پاس آئے اور تنہائی میں بلا کر اس کو سب حالات سے اور اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ بیوی نے کہا تمہارا ارادہ بہت اچھا ہے۔ اللہ تمہاری بہترین تمنا اور آرزو کو پوری کرے چلو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ عبداللہ بیوی کو ساتھ لے کر رات ہی رات میں چل کر لشکر امام میں پہنچ گئے تھے۔ انہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ امام کے پہلے جان نثار سپاہی کی حیثیت میں نکل کر سالم اور یسار کو موت کے گھاٹ اتارا۔

سالم اور یسار کے قتل کے بعد عمرو بن حجاج جو یزیدی لشکر کے میمنہ پر رئیس تھا، اپنے دستہ کو لے کر امام کی طرف بڑھا۔ جان نثارانِ امام پاؤں ٹیک کر سینہ سپر ہو گئے اور تیروں

کے وار سے کوفیوں کے گھوڑوں کے مونھ پھیر دیئے۔

کرامت

کوفیوں میں سے ایک گستاخ ابن حوزہ نے دو مرتبہ بآواز بلند کہا: حسین ہیں؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ کہنے پر انصارِ امام نے کہا، تیرا کیا مقصد ہے؟ اس ظالم نے کہا: اے حسین! تجھے دوزخ کی بشارت ہو۔ (معاذ اللہ)۔ امام عالی مقام نے جواباً فرمایا تو جھوٹا ہے۔ میں دوزخ میں نہیں بلکہ اپنے ربِّ رحیم اور رسولِ شفیع و مطاع کے حضور جاؤں گا۔ پھر پوچھا، یہ کون ہے؟ انصار نے عرض کیا یہ ابن حوزہ ہے۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا خداوندا! اس کو آگ میں ڈال دے۔ اسی وقت اس کا گھوڑا بدک کر دوڑا اور امام کے خیموں کے پیچھے جو خندق میں آگ جل رہی تھی، اس طرف گیا، حوزہ نے چاہا کہ اس خندق کو پھاند جائے مگر گھوڑے کے اچھلنے کے وقت یہ اس پر سے گر پڑا اور پاؤں رکاب میں اٹک گیا۔ اب اس کا ایک پاؤں تو رکاب میں اٹکا ہوا تھا اور باقی وجود لٹکا ہوا تھا اور گھوڑا پریشانی کے عالم میں برابر بھاگ رہا تھا۔ چناں چہ اس کا سر، ران، پنڈلی اور ایک پاؤں تو گھوڑے کے نیچے آ آ کر اور برابر کی ٹھوکروں سے چور چور ہو گیا، آخر گھوڑے نے خندق کی آگ میں ڈال دیا اور وہ ظالم فنا فی النار ہو گیا۔ مسروق بن وائل حضرمی بھی انہیں سواروں میں سے ایک تھا جو دستہ کے آگے آگے تھا، وہ کہتا ہے کہ میں آگے آگے اس لیے تھا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح حسین کا سر کاٹنے میں کام یاب ہو جاؤں تا کہ اس وجہ سے ابن زیاد کے ہاں قدر و منزلت پاؤں لیکن میں نے حسین کی بد دعا سے ابن جوزہ کا حشر دیکھا تو میرا ارادہ بدل گیا اور میں لشکر یزید سے بالکل علیحدہ ہو گیا۔ اس کے بھائی عبد الجبار نے لشکر سے علیحدگی کا سبب پوچھا۔ کہنے لگا میں نے اس خاندان کے لوگوں سے ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ میں کبھی بھی ان سے نہ لڑوں گا۔ یہ بھی سلسلہ اتمام حجت کی ایک کڑی تھی۔ امام عالی مقام کو یہ دکھانا تھا کہ اگر میری قبولیت میں کچھ شبہ ہے تو آنکھ رکھتے ہو تو دیکھ لو، ادھر زبان سے نکلتا ہے ادھر ہو جاتا ہے، اب سوچ لو کہ ایسے مقبول اور مستجاب الدعوات کے ساتھ لڑنے اور اس کو

ستانے کا انجام کتنا سخت ہوگا؟ اب بھی موقع ہے باز آ جاؤ مگر وہ بدبخت جن کو مردار دنیا کی حرص وطمع نے اندھا و بہرا بنا دیا تھا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس کے بعد کوفی لشکر سے یزید بن معقل نکلا اور لشکر امام سے بریر بن حضیر نکلے۔ یزید نے کہا، بریر تم نے دیکھ لیا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بریر نے کہا خدا کی قسم! خدا نے میرے ساتھ بھلائی کی اور تیرے ساتھ برائی کی۔ یزید بولا، تم نے جھوٹ کہا۔ حالاں کہ آج سے پیشتر تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اور میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ آج تم گم راہوں میں سے ہو۔ بریر نے کہا آؤ پہلے مباہلہ کریں اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ جھوٹے پر لعنت کرے اور گم راہ کو قتل کرے اس کے بعد ہم دونوں لڑیں، ابھی پتا چل جائے گا کہ کون گم راہ ہے۔ چناں چہ دونوں نے دعا کی کہ اللہ جھوٹے پر لعنت کرے اور جو حق پر ہو وہ گم راہ کو قتل کرے پھر دونوں نے تلواریں نکالیں اور لڑنے لگے۔ یزید نے بریر پر وار کیا، وہ خالی گیا مگر بریر نے جواب میں ایسی کاری ضرب لگائی کہ تلوار یزید کے خود کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی، وہ گر پڑا اور تلوار اس کے سر میں اٹک گئی۔ بریر تلوار کو کھینچ رہے تھے کہ رضی بن منقذ العبدی بریر سے لپٹ گیا۔ کچھ دیر تک دونوں میں کشتی ہوتی رہی۔ آخر بریر نے رضی کو نیچے گرا دیا اور اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ رضی چلّایا مقابلہ کرنے والے اور بچانے والے کہاں ہیں؟ مجھے آ کر بچاتے کیوں نہیں؟ رضی کے چلّانے پر کعب ابن جابر ازدی نے بریر پر نیزے کا وار کیا، نیزہ ان کی پشت میں پیوست ہو گیا، ابھی نیزہ ان کی پشت میں پیوست ہی تھا اور وہ رضی کے سینہ سے اٹھ رہے تھے کہ کعب نے دوسرا وار کر کے ان کو شہید کر دیا۔ یہ کعب جب واپس گھر گیا تو اس کی بہن نوار بنت جابر نے کہا تو نے فرزند فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی مدد کی اور قاریوں کے سردار بریر کو قتل کیا۔ اس لیے خدا کی قسم! میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گی۔

حضرت بریر کے بعد حضرت عمر بن قرظہ انصاری یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

قَدْ عَلِمْتُ كَتِيْبَةَ الْاَنْصَارِ اِنِّیْ سَاُحْمِیْ حَوْزَةَ الذِّمَارِ

ضَرْبَ غُلَامٍ غَيْرِ نِكْسٍ سَارِیْ دُوْنَ حُسَیْنٍ مُھْجَتِیْ وَدَارِیْ

بے شک انصار کے شہ سوار جانتے ہیں کہ میں اس بزرگ کی حمایت میں لڑ رہا ہوں جس کی حمایت وحفاظت ضروری ہے۔یعنی ایک ذمہ دار محافظ کی طرح حمایت کروں گا۔

میں ایک سرفراز جوان کی طرح وار کروں گا اور کبھی مونھ نہیں موڑوں گا کیوں کہ میرا خون اور میرا خاندان امام حسین پر فدا ہے۔

یہ خوب لڑے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ان کا بھائی علی بن قرظہ ابن سعد کے ساتھ تھا، اس ظالم نے اپنے بھائی کو خاک وخون میں غلطاں دیکھ کر پکارا۔اے حسین اے کذاب ابن کذاب تو نے میرے بھائی کو گم راہ کیا اور دھوکا دے کر قتل کرا دیا۔ (معاذ اللہ)۔آپ نے جواب دیا خدا نے تیرے بھائی کو گم راہ نہیں کیا بلکہ اسے ہدایت دی اور تجھ کو گم راہ کیا۔ یہ جواب سن کر کہنے لگا، اگر میں تم کو قتل نہ کروں تو اللہ مجھے قتل کرے، یہ کہہ کر آپ پر ٹوٹ پڑا۔حضرت نافع بن ہلال مرادی نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کو روکا اور اس پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ چاروں شانے چت گرا، مگر اس کے ساتھیوں نے آگے بڑھ کر اس کو بچا لیا اور اٹھا کر لے گئے۔

اس کے بعد امام پاک کی طرف سے حُر بن یزید نکلے، ان کے مقابلے میں یزید بن سفیان آیا۔حر نے ایک ہی وار میں اس کو موت کی نیند سلا دیا۔حر کے بعد نافع بن ہلال آگے بڑھے، ان کے مقابلے میں مزاہم بن حریث آیا۔ نافع نے اسے بھی تڑپا کے رکھ دیا۔ابھی تک لڑائی اس انداز سے ہو رہی تھی کہ فریقین کی طرف سے ایک ایک جوان میدان میں آ رہا تھا، لیکن کوفی لشکر سے جو بھی آیا وہ بچ کر نہ گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر عمرو بن حجاج چلّایا: بے وقوف کوفیو! تمہیں نہیں معلوم تم کن لوگوں سے لڑ رہے ہو، یہ سب موت کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔لہٰذا ایک ایک کر کے ان کے مقابلے میں ہرگز نہ جاؤ۔ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں تم تو ان کو صرف پتھر مار مار کے بھی ختم کر سکتے ہو۔اے کوفیو! اطاعت اور جماعت کو لازم پکڑے رہو اور اس شخص (حسین) کے قتل میں کوئی شک وشبہ اور تردد نہ کرو جس نے امام

(یزید) کی مخالفت کی ہے اور دین کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر امام پاک نے فرمایا: اے عمرو بن حجاج! جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو مرنے کے بعد تمہیں معلوم ہو گا کہ کس نے دین کو چھوڑا تھا اور کون دوزخ کا ایندھن بنتا ہے۔

عمرو بن سعد نے بھی عمرو بن حجاج کی رائے کو پسند کیا اور ایک ایک کے مقابلہ کی سخت ممانعت کر دی۔ اس کے بعد عمرو بن حجاج نے جو لشکر یزید کے میمنہ پر مقرر تھا، امام پاک کے میمنہ پر عام حملہ کر دیا۔ کچھ دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ اس میں امام کے انصار میں سے حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی شہید ہوئے۔ ان کو مسلم بن عبداللہ ضبابی اور عبدالرحمن بجلی نے شہید کیا۔ امام پاک ان کے لاشہ کے قریب تشریف لے گئے۔ ابھی ان کے بدن میں جان کی کچھ رمق باقی تھی، فرمایا: مسلم! خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے، پھر فرمایا: **فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُۥ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا۟ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾** (احزاب)

''پس کوئی تو ان میں سے اپنا ذمہ پورا کر چکا اور کوئی ان میں انتظار کر رہا ہے''۔ مگر وہ بالکل نہیں بولے۔

پھر حبیب ابن مظاہر نے قریب آ کر کہا، مسلم تمہیں جنت مبارک ہو۔ مسلم نے بہت آہستہ سے کہا، خدا تمہیں خیر و بھلائی مبارک کرے۔ حبیب نے کہا میں جانتا ہوں کہ میں بھی تمہارے پاس ابھی پہنچنے ہی والا ہوں، ورنہ میں ضرور تم سے کہتا کہ کوئی وصیت کرو اور اسے میں ضرور پورا کرتا۔ مسلم نے امام پاک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ صرف یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان پر جان فدا کرنا۔ حبیب نے کہا، واللہ میں ایسا ہی کروں گا اور مسلم کی روح اپنے آقا کے سامنے پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ

اس کے بعد شمر ذی الجوشن جو لشکر یزید کے میسرہ پر مقرر تھا، امام پاک کے میسرہ پر حملہ آور ہوا اور اس کے حملہ کے ساتھ ہی یزیدی چاروں طرف سے انصارِ امام پر ٹوٹ پڑے، بڑا زبردست مقابلہ ہوا۔ امام عالی مقام کے ساتھ کل ۳۲ سوار تھے مگر انہوں نے بے مثال شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ جدھر رخ کرتے تھے کوفیوں کی صفوں کو الٹ دیتے تھے،

یزیدی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ سواروں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ عزرہ بن قیس نے جو کوفی سواروں کا سرخیل تھا، اپنے سواروں کو ہر طرف پسپا ہوتے دیکھ کر عبدالرحمن بن حصین کو ابن سعد کے پاس بھیجا کہ تم دیکھ رہے ہو ان چند سواروں نے میرے سوار دستہ کا مونھ پھیر دیا ہے اور اب حال یہ ہے کہ میرے سوار اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں اور جان بچانے کی فکر کر رہے ہیں، اس لیے فوراً کچھ پیدل اور کچھ تیرانداز بھیجو۔ ابن سعد نے عزرہ کی درخواست پر شبث بن ربعی کو جانے کا حکم دیا مگر اس نے گریز کیا☆۔ پھر اس نے حصین بن نمیر تمیمی کو بلایا اور اس کے ساتھ تمام زرہ پوش سواروں اور پانچ سو تیراندازوں کو بھیجا انھوں نے انصارِ امام کے پاس پہنچ کر تیروں کی بارش کر دی اور تھوڑی دیر میں انصارِ امام کے تمام گھوڑوں کو زخمی و بے کار کر دیا مگر امام پاک کے ان جان نثاروں کے پائے استقلال میں کوئی کمی نہ آئی، وہ گھوڑوں سے اتر پڑے اور بڑی دیر تک پا پیادہ ہی اس بہادری و بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے کہ کوفیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

ایوب بن مشرح الخیوانی کہا کرتا تھا کہ خدا کی قسم حر بن یزید کے گھوڑے کو میرا تیر لگا جو اس کے حلق میں اتر گیا پس وہ ڈگمگایا اور گر گیا اور حر اس کی پشت پر سے شیر کی طرح کود کر میدان میں آ گئے اور تلوار کھینچ کر یہ شعر پڑھا ؎

اَنْ تَعْقِرُوْا اَبِیْ فَاَنَا اِبْنُ الْحُرِّ اَشْجَعُ مِنْ ذِیْ بَعْدَ هِزَبْرٍ

اگر تم نے میرے گھوڑے کو زخمی و بے کار کر دیا تو کیا ہوا، میں ابن حر اور شیر ببر سے زیادہ بہادر اور شریف ہوں۔

اور اسی کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں نے حر کی طرح کسی کو تیغ زنی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

☆ ۔ یہ شبث بن ربعی، مصعب بن زبیر کے عہد امارات میں کہا کرتا تھا کہ خدا اہل کوفہ کو کبھی برکت و ہدایت نہ دے گا۔ کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ ہم حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کے فرزند حسن کی رفاقت میں پانچ سال تک برابر ابوسفیان کے خاندان سے لڑتے رہے یعنی شیعان علی رہے، پھر حضرت علی کے فرزند امام حسین کے دشمن ہو گئے جو اس وقت روئے زمین کے آدمیوں میں بہترین آدمی تھے اور ہم معاویہ کے خاندان اور سمیہ زانیہ کے بچے کے حامی ہو کر ان سے لڑے۔ ہائے ہائے رے گمراہی وائے وائے رے گمراہی۔ (ابن اثیر ۳/۱۷۵)

دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ ایسی شدید جنگ کہیں نہیں ہوئی ہوگی، جیسی کربلا کے میدان میں حسینیوں اور یزیدیوں کے درمیان ہوئی۔

امام پاک نے اپنے خیموں کو اس ترتیب سے لگایا اور آپس میں باندھ دیا تھا کہ کوئی ایک رخ کے سوا کسی اور طرف سے حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابن سعد نے حکم دیا کہ خیمے اکھاڑ دیئے جائیں تاکہ ہر طرف سے حملہ ہو سکے، چناں چہ کوئی جب خیمے اکھاڑنے کے لیے آگے بڑھے تو امام پاک کے چند جان نثار خیموں کے اندر آ گئے اور خیموں کی طرف آنے والوں اور اکھیڑنے اور لوٹ مار کرنے والوں کو آڑ سے تلواروں اور تیروں سے ہلاک کرنے لگے۔ ابن سعد نے اس صورت میں بھی اپنے سپاہیوں کا نقصان اور ناکامی دیکھی تو حکم دے دیا کہ خیموں کو جلا دو۔ چناں چہ خیموں کو آگ لگا دی گئی اور وہ جلنے لگے۔ امام پاک نے دیکھا تو فرمایا، ان کو جلانے دو اس صورت میں بھی یہ چاروں طرف سے حملہ نہیں کر سکیں گے کیوں کہ پہلے تو خیمے حائل تھے، اب آگ حائل ہے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وہ آگ کے حائل ہونے کی وجہ سے پشت کی طرف سے حملہ نہ کر سکے۔ شمر لعین نے خاص آپ کے خیمہ میں جو، ان خیموں سے الگ تھا اور جس میں عورتیں اور بچے تھے، نیزہ مار کر ساتھیوں سے کہا آگ لاؤ میں اس خیمہ کو اور جو اس کے اندر ہیں ان کو بھی جلا دوں۔ بی بیوں نے سنا تو وہ چلاتی ہوئی خیمہ سے باہر نکل آئیں۔

امام پاک نے دیکھا تو پکار کر کہا، او پسر ذی الجوشن تو میرے اہل بیت کو آگ میں جلانا چاہتا ہے، خدا تجھے جہنم کی آگ میں جلائے۔ شمر کے ساتھیوں میں سے حمید بن مسلم اور شبث بن ربعی نے روکا اور غیرت دلائی کہ تیرے جیسے بہادر کا عورتوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا نہایت شرم ناک ہے۔ خدا کی قسم تمہارا صرف مردوں کو قتل کر دینا بھی تمہارے امیر کو خوش کرنے کے لیے کافی ہے۔ شمر اپنے ارادہ سے باز آ کر لوٹا۔ اس کے لوٹتے ہی زہیر بن قین نے دس آدمیوں کے ساتھ اس پر اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور ابوعزرہ الضبابی کو مار گرایا اور ان کو خیمہ سے دور ہٹا دیا۔

اسی اثناء میں عبداللہ بن عمیر الکلبی یزیدیوں کے ساتھ سخت لڑائی کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کے لاشے پر آئیں اور سر کی طرف بیٹھ کر ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں: تمہیں بہشت میں جانا مبارک ہو۔ شمر لعین یہ جملہ سن کر کھول گیا اس نے اپنے غلام رستم سے کہا۔ اس کے سر پر زور سے لوہے کا ڈنڈا مار، جوں ہی اس نے مارا اس بی بی کا سر پاش پاش ہو گیا اور وہ اسی وقت ہی اپنے شوہر کے پاس بہشت بریں میں پہنچ گئیں۔

بہاروں پر ہیں آج آرائشیں گل زارِ جنت کی
سواری آنے والی ہے شہیدان محبت کی

جنگ کا طول کھینچنا کوفیوں کے لیے کافی پریشان کن تھا، وہ چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ہو سکے اسے ختم کریں اور ان چند افراد کو ہلاک کر دیں۔ امام پاک کے ساتھ چند جان نثار تھے، ان میں سے جب کوئی شہید ہو جاتا تو نمایاں کمی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں کوفیوں کا لشکر کثیر تھا۔ ان کے چند افراد کے قتل ہونے سے کوئی فرق نظر نہ آتا تھا، یہ صورت حال دیکھ کر ابو ثمامۃ عمرو بن عبداللہ الصائدی نے بارگاہ امام پاک میں عرض کیا: میری جان آپ پر فدا ہو، یہ لوگ آپ کے بہت قریب آتے جا رہے ہیں اور میں نہیں دیکھ سکتا کہ میرے سامنے آپ کو کوئی گزند پہنچے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے پہلے میں جان دوں اور میں نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور چاہتا ہوں کہ نماز پڑھ کر اپنے رب سے ملاقات کروں۔ امام پاک نے سر اٹھا کر فرمایا، تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں نمازیوں اور اپنے یاد کرنے والوں میں داخل فرمائے۔ ہاں اب نماز کا وقت ہے ان لوگوں سے کہو کہ ہمیں نماز پڑھنے کی مہلت دیں۔ اس پر حسین بن نمیر نے بلند آواز سے کہا تمہاری نماز قبول نہ ہو گی۔ حبیب ابن مظاہر نے جواب دیا: او گدھے تو سمجھتا ہے کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز قبول نہ ہو گی اور تیری قبول ہو گی؟ یہ سن کر حصین کو سخت طیش آیا اس نے حبیب پر حملہ کر دیا۔ حبیب نے فوراً آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے منھ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ آگے کے دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور حصین اس کی پیٹھ سے نیچے گرا، لیکن

اس کے ساتھیوں نے دوڑ کر اسے بچالیا۔حبیب نے یہ رجز پڑھا ؎

اَنَا حَبِیْبٌ وَّ اَبِیْ مُظْھِرٌ فَارِسٌ ھَیُجَآءُ وَحَرْبٌ تَسْعَرُ

میں حبیب ابن مظاہر ہوں، شہ سوار، بہادر اور میدان جنگ میں لڑائی سے آگ بھڑکا دینے والا۔

اَنْتُمْ اَعَدُّ عِدَّۃً وَّاَکْثَرُ وَ نَحْنُ اَوْفٰی مِنْکُمْ وَاصْبَرُ

تم تعداد میں تو ہم سے بہت زیادہ ہو لیکن ہم وفاداری اور صبر واستقامت میں تم سے بڑھ کر ہیں۔

وَ نِحْنُ اَعْلٰی حُجَّۃٌ وَّ اَظْھَرُ حَقًّا وَّ اَتْقٰی مِنْکُمْ وَ اَعْذَرُ

اور ہم دلیل وحجت میں بہت بلند اور غالب ہیں اور حقیقت میں تم سے زیادہ متقی ہیں اور ہمارا عذر تم پر غالب ہے۔

کچھ دیر تک سخت لڑائی اور شمشیر زنی کی۔ بنوتمیم کے ایک شخص بدیل بن صریم کو قتل کیا لیکن مقابلہ انبوہ کثیر سے تھا، تن تنہا کب تک لڑ سکتے تھے۔ایک تمیمی نے آپ پر نیزے کا سخت وار کیا جس سے آپ گر گئے۔ابھی اٹھ ہی رہے تھے کہ حصین بن نمیر نے آپ کے سر پر تلوار ماری، آپ پھر گر گئے اور تمیمی نے آگے بڑھ کر آپ کا سر کاٹ لیا۔

حبیب کی شہادت سے امام پاک کا ایک قوی بازو ٹوٹ گیا۔اس بہادر جان نثار ساتھی کے جدا ہو جانے سے آپ بہت شکستہ خاطر ہوئے۔آپ نے فرمایا، میں خدا تعالیٰ کے پاس اپنا اور اپنے حامیوں کا احتساب کروں گا۔

حر بن یزید نے جب اپنے آقا کو پُر ملال دیکھا تو یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے ؎

اَلَیْتَ لَآ اَقْتُلُ حَتّٰی اُقْتَلَا وَلَنْ اَصَابَ الْیَوْمُ اِلَّا مُقْبِلًا

اَضْرِبُھُمْ بِالسَّیْفِ ضَرْبًا مُّفَصِّلًا لَا نَاکِلًا عَنْھُمْ وَلَا مُھَلِّلًا(☆)

☆ ترجمہ:۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ خود قتل نہیں ہوں گا جب تک کہ دشمن کو قتل نہ کر لوں گا اور آج مجھے کوئی زخم نہیں لگے گا مگر یہ کہ سامنے سے یعنی میں آگے بڑھ رہا ہوں گا۔ان لوگوں کو تلوار کی کاری ضربوں سے وار کر کے ماروں گا میں اس سے باز نہیں آؤں گا، نہ بھاگوں گا نہ مہلت دوں گا۔

مشہور جان نثار زہیر بن قین بھی ان کے ساتھ ہو گئے، وہ یہ پڑھ رہے تھے

اَنَا زَهِيْرُ وَ اَنَا ابْنُ الْقَيْنِ اَذُوْدُهُمْ بِالسَّيْفِ عَنْ حُسَيْنِ

میں زہیر ہوں اور میں قین کا بیٹا ہوں، میں ان دشمنوں کو اپنی تلوار کے ساتھ (حضرت) حسین سے دفع کروں گا۔

ان دونوں نے بڑی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے لیکن یہ بھی کب تک لڑتے آخر کوفی پیادوں کے جّم غفیر نے حر اور زہیر پر سخت حملہ کر کے ان دونوں کو بھی شہید کر دیا۔

ابو ثمامہ الصائدی آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی کو جو کوفیوں کے ساتھ تھا، قتل کیا۔ امام پاک نے صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔ اس کے بعد پھر ایسی شدت کے ساتھ لڑائی ہوئی کہ کربلا کی زمین تھرّ اگئی۔ دشمنوں کا ہجوم بڑھتے بڑھتے امام پاک کے قریب پہنچ گیا اور انہوں نے آپ پر تیروں کی بارش کر دی۔ آپ کے ایک جان نثار حنفی آپ کے آگے آ کر کھڑے ہو گئے اور آنے والے تمام تیروں کو اپنے سینے پر روکا اور ایک تیر بھی آپ تک نہیں جانے دیا، لیکن ایک انسان کب تک مسلسل آنے والے تیروں کا ہدف بن سکتا تھا، آخر سینہ چھلنی کرا کے یہ بھی امام پاک کے قدموں پر گر کر فدا ہو گئے۔

ان کے بعد نافع بن ہلال الجلی کی باری آئی۔ اس بہادر نے بارہ کوفیوں کو قتل کیا اور بہت سے زخمی بھی کیے۔ آخر دشمنوں نے مل کر ان پر ایسا سخت وار کیا کہ ان کے دونوں بازو کاٹ دیئے اور زندہ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ابن سعد کے پاس لے گئے۔ ان کے چہرے پر سے خون بہہ رہا تھا اور وہ کہہ رہے تھے میں نے زخمیوں کے علاوہ تمہارے بارہ آدمیوں کو قتل کیا ہے اگر میرے بازو نہ کٹتے تو تم مجھے اسیر نہیں کر سکتے تھے۔ ابن سعد نے کہا، نافع تم نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ نافع نے کہا خدا خوب جانتا ہے جو کچھ میں نے کیا ہے۔ شمر نے ابن سعد سے کہا، خدا آپ کو سلامت رکھے، اسے قتل کیجئے! ابن سعد نے کہا، تو ہی اس کو لے کر آیا ہے تو ہی قتل کر۔ شمر نے ان کے قتل کے لیے تلوار اٹھائی تو نافع نے کہا: واللہ اگر تم مسلمان ہوتے تو ہمارا خون اپنی گردن پر لے کر تمہیں اللہ کے سامنے جانا ضرور شاق ہوتا۔

اللہ کا شکر ہے جس نے ہماری موت بدترین خلائق کے ہاتھوں مقدر فرمائی۔ شمر نے ان کو شہید کر دیا۔

پھر شمر لعین ایک بڑی تعداد کے ساتھ رجز پڑھتا ہوا اور فخر وغرور کے کلمات کہتا ہوا امام پاک کی طرف بڑھا۔ امام پاک کے ساتھ جو صرف چند جان نثار باقی تھے، انہوں نے دیکھا کہ اس کثیر لشکر کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے تو انہوں نے طے کر لیا کہ امام پاک پر کسی نازک وقت کے آنے سے پہلے سب کے سب آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ چناں چہ سب پروانے ایک ایک کر کے شمع امامت پر نثار ہونے لگے۔ سب سے پہلے عبداللہ اور عبدالرحمن بن عزرۃ الغفاری آپ کے سامنے کھڑے ہو کر دشمن سے لڑنے لگے۔ ان کے بعد دونوجوان سیف بن حارث اور مالک بن عبد جو آپس میں چچازاد بھائی مگر ایک ہی ماں کے فرزند تھے، اس طرح میدان کی طرف بڑھے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ امام پاک نے انہیں روتا دیکھ کر پوچھا، اے میرے بھائی کے فرزندو روتے کیوں ہو؟ خدا کی قسم ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم خوش اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گے۔ انہوں نے عرض کیا، ہم آپ پر فدا ہوں، ہم اپنی جان کے لیے نہیں روتے بلکہ آپ کے لیے روتے ہیں کیوں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمنوں نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور ہم ان کو آپ سے دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا اے فرزندو، میری حالت پر غم گین ہونے اور میرے ساتھ ہم دردی کرنے پر اللہ تعالیٰ تمہیں متقیوں کی سی احسن جزا دے۔ (آمین)

اسی اثناء میں حنظلہ بن اسعد الشبامی، امام پاک کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور پکار پکار کر کہنے لگے، اے لوگو! مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر یوم الاحزاب اور قوم نوح وعاد وثمود اور ان کے بعد کی اقوام کی طرح عذاب نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے ظلم نہیں چاہتا۔ اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمہارے لیے روز قیامت کا ڈر ہے جس روز تم پیٹھ دے کر بھاگتے پھرو گے اور کوئی تمہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو ہدایت

دینے والا کوئی نہیں۔ اے میری قوم کے لوگو! حضرت حسین کو قتل نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تم پر عذاب نازل کر دے تمھیں تباہ کر دے اور افترا پرداز ہمیشہ ناکام ہی رہتا ہے۔ امام پاک نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ان لوگوں نے اپنے اوپر عذاب تو اسی وقت ہی واجب کر لیا تھا جب انہوں نے میری دعوتِ حق کو رد کر دیا تھا اور اب یہ ہم سب کو قتل کرنے کے لیے میدان میں آ گئے ہیں اور انہوں نے تمہارے صالحین بھائیوں کو قتل بھی کر دیا ہے، اب وہ کیسے باز آ سکتے ہیں، لہٰذا اب ان کو سمجھانا بے کار ہے۔ حنظلہ نے کہا، میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ نے سچ فرمایا، اب مجھے اجازت دیجیے کہ میں بھی اپنے بھائیوں سے جا ملوں۔ فرمایا، جاؤ اس دارالبقاء کی طرف جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ حنظلہ نے کہا، السلام علیک یا ابا عبداللہ، اللہ کا آپ اور آپ کے اہل بیت پر درود و سلام ہو اور اللہ ہم سب کو بہشت میں ملائے۔ امام پاک نے اس پر دو مرتبہ آمین کہا۔ حنظلہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد سیف اور مالک دونوں السلام علیک یا ابن رسول اللہ کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ آپ نے فرمایا، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! دونوں نے لڑتے ہوئے جانیں قربان کر دیں۔ ان کے بعد عابس بن ابی شبیب شاکری نے اپنے آزاد کردہ غلام شوذب سے پوچھا، کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا ارادہ یہی ہے کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کی طرف سے ان کے دشمنوں سے لڑتا ہوا جان دے دوں؟ عابس نے کہا، مجھے تجھ سے یہی امید تھی۔ آؤ ابو عبداللہ حسین کو سلام کریں اور اجازت لیں۔ آج کا دن وہ دن ہے کہ جتنا ہم سے ہو سکے ثواب لُوٹ لیں۔ بس آج کے بعد ایسے نیک عمل کا موقع نہیں ملے گا۔ شوذب نے امام پاک کو سلام کیا اور آگے بڑھ کر لڑنے لگا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ عابس نے سلام کے بعد عرض کیا: یا ابا عبداللہ، خدا کی قسم روئے زمین پر مجھے آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں لیکن اے کاش! میں اپنی جان دے کر آپ کو ان دشمنوں سے بچا سکتا۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچی اور دشمنوں کی طرف بڑھے۔ یہ شجاعت و بہادری میں بہت مشہور تھے۔ ربیع بن تمیم نے ان کو پہچان کر اپنے ساتھیوں سے کہا، یہ شیر میدان وغا ہے، خبردار تم میں سے

کوئی شخص تنہا ہرگز اس کے مقابلے میں نہ جائے۔ عابس نے پکارا، ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے؟ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ابن سعد نے کہا سب مل کر اس پر سنگ باری کرو۔ چناں چہ چاروں طرف سے پتھر آنے لگے۔ عابس نے ان کی یہ بزدلی دیکھی تو اپنی زرہ اور خود اتار کر پھینک دی اور ان پر ٹوٹ پڑے وہ سب بھاگے اور یہ ان کو مارتے ہوئے ان کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور ایک ہل چل برپا کر دی۔ عابس اگر چہ بہت بہادر اور شجاع تھے لیکن تنِ تنہا ہزاروں کا مقابلہ کب تک کر سکتے تھے۔ آخر دشمنوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور چاروں طرف سے ان پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔

ابو شعثاء یزید بن زیاد الکندی پہلے ابن سعد کے لشکر میں تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ یزیدیوں نے امام پاک کی پیش کردہ سب شرطیں رد کر دیں، تو یہ لشکر یزید سے نکل کر امام پاک کے انصار میں شامل ہو گئے اور بڑے تیر انداز تھے۔ امام پاک کے آگے آئے اور دونوں زانو ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور یہ شعر پڑھے ؎

اَنَا یَزِیْدُ وَ اَبِیْ مُھَاصِرْ اَشْجَعُ مِنْ لَّیْثٍ بِغَیْلٍ خَادِرٌ

یَا رَبِّ اِنِّیْ لِلْحُسَیْنِ نَاصِرْ وَلِا بْنِ سَعْدٍ تَارِکٌ وَّ ھَاجِرْ

میں یزید ہوں اور میرا باپ مہاصر ہے۔ میں شیر بیشہ شجاعت ہوں۔ خداوندا میں حسین کا مددگار ہوں اور ابن سعد کو چھوڑنے والا اور اس سے دوری اختیار کرنے والا ہوں۔

پھر پے در پے دشمنوں کی طرف سو تیر چلائے جن میں سے صرف پانچ تیر خطا ہوئے علاوہ ازیں پانچ آدمیوں کو پہلے قتل کر چکے تھے، آخر یہ بھی میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اسی طرح عمرو بن خالد، جبار بن حارث، سعد، مجمع بن عبید اللہ بھی ایک ایک کر کے فدا ہو گئے۔ صرف ایک سوید بن ابی المطاع الخثعمی باقی رہ گئے ☆۔ جان نثارانِ امام نے جس صبر و استقلال، شجاعت و بہادری اور جان نثاری کا مظاہرہ کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس

☆۔ ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۰، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۵۱

چھوٹے سے لشکر پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ظلم وستم کے طوفان بپا ہوئے مگر کسی نے بھی ہمت نہ ہاری۔حمایت حق سے مونھ نہ موڑا اور کسی نے بھی اپنی جان کو عزیز نہ رکھا بلکہ سب نے اپنی جانوں کو پروانہ وار شمعِ امامت پر قربان کیا اور فردوس بریں کو سدھارے۔ رضی اللہ عنہم

اس کے ہر قطرے سے پیدا ہوگئی دنیائے نو
کون کہتا ہے شہیدوں کا لہو ناکارہ ہے
ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شانِ کریمی ناز برادری کرے

☆☆☆

☆

اب آئے ہیں میداں میں علی مرتضیٰ کے پھول
زَہرا بتول اور چمنِ مصطفیٰ کے پھول
ان کی وفا، صبر و رضا حق پر ثبات سے
ہر دم ہیں تازہ گلشنِ دیں میں وفا کے پھول
حوریں جِناں سے آئیں مَلک آئے عرش سے
لے کر خدا کی طرف سے صلِّ علیٰ کے پھول
ہشیار اہلِ بیت کی لاشوں سے اے زمین
کمہلا نہ جائیں یہ ہیں رسولِ خدا کے پھول

اب اسد اللہ الغالب کی کچھار کے شیروں، چمنستان زہرا کے شگفتہ پھولوں اور سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑوں کی باری آئی۔ان ہاشمی جوانوں کا میدان میں آنا تھا کہ بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے۔ان پیکرانِ شجاعت کی خون آشام تلواروں کے حملوں سے شیر دل بہادر بھی چیخ اٹھے۔انہوں نے حرب وضرب کے وہ جوہر دکھائے کہ کربلا کی پیاسی زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا۔مگر یہ صرف چند تھے اور دشمن کا لشکر ہزاروں پر مشتمل تھا۔کب تک مقابلہ کر سکتے تھے، جب کہ پانی بھی بند تھا اور مقابلہ بھی ایک کا ایک سے نہیں ہوتا تھا، لہٰذا زخموں سے چور چور ہو کر جام شہادت نوش کر رہے تھے۔ابن سعد نے اعتراف کیا کہ اگر ان جان بازوں پر پانی بند نہ کیا جاتا اور ایک کے مقابلہ میں ایک ہی جاتا تو اہل بیت کا ایک ایک جوان پورے لشکر اعداء کو برباد کر ڈالتا۔

حضرت عبداللہ بن مسلم

امام پاک کے اقرباء میں سے حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی، چچا جان! مجھے اجازت دیجیے، میں راہ حق میں سر کٹانے اور اپنے ابا جان اور بھائیوں کے پاس جانے کے لیے بے قرار ہوں۔امام پاک کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا! بیٹا تمہارے باپ اور بھائیوں کی مفارقت کا داغ میرے دل سے محو نہیں ہوا، میں کس طرح تمہیں اجازت دوں؟ تم ایسا کرو کہ اپنی والدہ کو ساتھ لے کر جہاں بھی تم سے ہو سکے چلے جاؤ، یہ لوگ تمہارا راستہ نہیں روکیں گے کیوں کہ یہ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ عبداللہ نے عرض کیا، چچا جان! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں، میں آپ کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں؟ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔میں آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں گا بلکہ آپ کے سامنے جام شہادت نوش کروں گا۔آپ نے ان کا جذبہ جہاد اور شوقِ شہادت دیکھ کر اشک بار آنکھوں سے ان کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا راہِ حق میں قربان ہو جاؤ۔یہ ہاشمی جوان میدان میں آیا اور مقابلے کے لیے پکارا۔ابن سعد نے کہا، کون اس جوان کا مقابلہ کرے گا؟ پھر اس نے

قدامہ بن اسد فزاری کی طرف دیکھ کر کہا، اے قدامہ تو ہی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ قدامہ فن حرب میں بہت ماہر اور بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا، وہ آپ کے مقابلے میں آیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر عبداللہ نے تلوار کا ایک ایسا کاری وار کیا کہ اس کو چیر کر رکھ دیا اور کمر بند پکڑ کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور خود اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے کیوں کہ آپ کا گھوڑا بھوکا پیاسا ہونے کی وجہ سے کمزور پڑ گیا تھا۔ پھر نیزہ اٹھا کر مبارز طلب کیا اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ کسی نے فارسی میں یہ کیا ہے

امروز بہ بینم جگر سوختہ جان را　　پیش شہ مظلوم کشم روح ورواں را
با دولت جاوید در آغوش در آرم　　در روضہ فردوس عروسان جناں را (☆)

قدامہ کے بیٹے سلامہ بن قدامہ نے حضرت عبداللہ کی شجاعت و بہادری دیکھ کر ابن سعد سے کہا: میں نے ایسا دلیر اور بہادر جوان کوئی نہیں دیکھا۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ تنہا آپ کے سامنے آئے۔ آپ بھوکے شیر کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے اور لشکر اشقیاء کو زیروزبر کرتے ہوئے ان میں گھستے چلے گئے اور بہت سوں کو مارا اور زخمی کیا، آخر انہوں نے آپ کو گھیرے میں لیا اور جداع دمشقی نے پیچھے سے تلوار ماری اور آپ کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے۔ آپ پیادہ پا بھی مقابلہ کر رہے تھے کہ نوفل بن مزاحم حمیری نے آپ کو نیزہ مارا اور بقول بعض عمرو بن صبیح صیداوی نے تیروں کا نشانہ بنایا اور یہ خلاصۂ خاندان عقیل بہشت بریں میں جا پہنچا۔ رضی اللہ عنہ

پسرانِ حضرت عقیل

حضرت جعفر بن عقیل نے جب اپنے بھتیجے کو خاک وخون میں غلطاں دیکھا تو اشک بار آنکھوں سے آگے بڑھے اور امام پاک کو سلام کر کے اجازت طلب کی۔ امام پاک نے ان کو بھی سینے سے لگایا اور اجازت دی۔ حضرت جعفر رجز پڑھتے ہوئے میدانِ کارزار میں

☆ ترجمہ:۔ آج میں سوختہ جگر جان کو دیکھتا ہوں، مظلوم شاہ کے سامنے میں اپنی جان دے دوں گا۔ میں اپنی آغوش میں ہمیشہ کی دولت کے ساتھ باغ فردوس میں جنتی حوروں کو لوں گا۔

آئے۔ ابوالمناخر نے اس رجز کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

قرۃ العین عقیل من و مولائے حسین　　دل و جان پاک ز آلائش ہر تہمت و شین
پسر عم منست ایں شہ و شہزادہ کہ ہست　　قرۃ العین نبی چشم و چراغ ثقلین
ایں حسین ابن علی است کہ جبریل امین　　پرورش دادہ ورا در حلل اجنحتین (☆)

اور لڑنا شروع کیا، وہ شجاعت دکھائی کہ بہت سے یزیدیوں کو واصل بہ جہنم کیا۔ آخر دشمنوں نے گھیرے میں لے کر تیروں کی بارش کر دی اور فرزند عقیل اپنے خون میں رنگین ہو کر عبداللہ بن عزرہ خشعمی کے تیر سے جام شہادت نوش فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبدالرحمن بن عقیل نے جب اپنے بھائی کو نیم بسمل دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور شیر کی طرح میدان میں کود پڑے اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ خون اشقیاء سے میدان کارزار لالہ زار بنا دیا۔ آخر عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن سوط ہمدانی کے ہاتھوں سے جام شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہ

دونوں بھائیوں کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن عقیل آگے بڑھے اور امام سے اجازت طلب کی۔ امام پاک نے فرمایا، اگر تمہارا یہی مقصد ہے اور تم سب نے یہی ٹھان لی ہے کہ میدان جنگ میں ایک ایک عزیز کے مجروح و مقتول ہونے کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور فراق کے صدمے بھی سہوں تو میں اس کے لیے بھی حاضر ہوں۔ حضرت عبداللہ نے کہا، ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک ہم میں سے ایک ناصر بھی باقی رہے اس وقت تک امانتِ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسین کے ناخنِ پا تک بھی دشمنوں کو نہ آنے دیں۔ مسافرِ کربلاء نے اپنے عم زاد بھائی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور پھر عبداللہ کو رخصت کر دیا۔ میدانِ قتال میں آ کر عبداللہ نے تلوار بلند کی اور ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ شمشیرِ آب دار سے بجلیاں گرائیں۔ دشمنوں کا خون بہایا اور

☆ ترجمہ:۔ عقیل (والد) میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور میرے مولیٰ امام حسین ہیں جن کے دل و جان ہر آلائش ہر تہمت اور برائی سے پاک ہیں۔
یہ شاہ امام پاک میرے چچا زاد بھائی ہیں اور ایسے شاہ زادے ہیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور جن وانس کے چشم و چراغ ہیں۔
یہ امام حسین ابن حضرت علی ہیں کہ حضرت جبریل امین نے ان کی پرورش کی ہے پروں کے لباس میں۔

عثمان بن اسیم الجھنی اور بشر بن سوط کے حملوں سے جام شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہ

فرزندانِ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

اولاد عقیل کی شہادت کے بعد اب فرزندان حیدر کرّار کی باری آئی۔ یہ وہ شیر تھے جن کی رگوں میں شیر خدا علی مرتضیٰ کا خون گردش کر رہا تھا۔ اب جب کہ عقیل کے فرزند خونِ شہادت میں نہا چکے تو اولاد امیر المومنین سیدنا علی میں اولیتِ شہادت اور خلعتِ پُرخون حاصل کرنے کے لیے خلیفہ اول اور خلیفہ برحق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہم نام حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر امام کی خدمت میں عرض کی: بھائی جان مجھے بھی اجازت مرحمت ہو۔ آپ نے فرمایا: بھائی تم ایک ایک کر کے مجھ سے جدا ہوئے جا رہے ہو۔ آہ۔ انہوں نے کہا، پیارے بھائی جان! آج میرے پاس اس جان کے سوا اور کچھ نہیں، وہ آپ پر نثار ہے۔ اس کو قبول فرمالیں اور مجھے اجازت دیں۔ آپ نے مجبوراً اجازت دی۔ میدان میں تشریف لائے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ؎

شاہ و برادر من است اختر آسمان دین
مہتر و بہتر زمان، قبلہ و قدوۂ زمین
لالہ روضہ صفا گلبن باغ اصطفی
چشم و چراغ مصطفیٰ امیر و امام راستین
گوہر کان اجتبیٰ مہر سپہر اہتدی
طرہ نشان طا وہا چہرہ کشائے یاو سین
من نہ برادر ویم خادم و چاکر ویم
پیش دویدۂ شما خار جیان تیرہ دیں
تحفہ جان و دل بہ کف آمدہ ام بدر گہش
دیدہ و رخ بر آستاں تیغ و کفن در آستیں (☆)

☆ ترجمہ:۔ امام پاک آسمانِ دین کے ستارے، میرے بھائی اور بادشاہ ہیں، زمانے میں بہتر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

امام نے یہ سن کر ان کو دعائیں دیں۔ انہوں نے لڑنا شروع کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ میں حیدر کرار کا فرزند ہوں۔ حضرت جدھر بڑھتے کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ آخر زخموں سے نڈھال ہو کر قدامہ موصلی کے نیزے اور بقول بعض عبداللہ بن عقبہ عنقری کے تیر سے جام شہادت نوش کر کے بہشت بریں میں پہنچے۔ رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی حضرت عمر بن علی رضی اللہ عنہما، جو خلیفہ ثانی اور خلیفہ برحق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہم نام ہیں، بہ اجازت امام پاک میدان میں آئے اور خداداقوت و طاقت سے بہت سے یزیدیوں کو مارتے اور کاٹتے ہوئے جنت الفردوس میں سدھارے، رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد ان کے تیسرے بھائی حضرت عثمان بن علی رضی اللہ عنہما نے، جو خلیفہ ثالث اور خلیفہ برحق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہم نام ہیں، اپنے دو بھائیوں کا خون زمین پر بہتا ہوا دیکھا تو آنکھوں میں دنیا اندھیرا ہو گئی۔ ادھر اپنے بھائی یعنی امام پاک کی خدمت کا جذبہ رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگا تو آگے بڑھ کر عرض کی، جہاں آپ کے دوجاں باز خلعت فاخرۂ شہادت زیب تن کر گئے وہاں ایک حلّہ مجھے بھی عطا ہو کہ میں بھی آپ کا بھائی ہوں امام پاک نے فرمایا، تم میری عظمت کا تاج ہو جاؤ اور کوثر پر تشنگی بجھاؤ، میں بھی تمہارے پاس آنے والا ہوں۔ حضرت عثمان امام پاک سے اجازت لے کر میدان میں آئے اور یوں کہا

آمدہ عثمان بجنگ تیغ یماں در یمین　　خوردہ بہ قتل شما پیش برادر یمین
شامی مدبر چرا تیغ کشد بر حسین　　نیست دلش راگر دیدۂ انصاف بیں
صبح شہادت دمید وقت صبوح من است　　مست شوم دم بدم از قدح حورعین (☆)

(بقیہ از صفحہ گزشتہ) اور سردار اور زمین کے قبلہ و پیشوا ہیں۔ باغ صفا کے سرخ پھول اور چنے ہوئے باغ کی اصل اور جڑ ہیں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشم و چراغ اور سچوں کے امام اور امیر ہیں، انتخاب کی ہوئی کان کے چمکتے موتی اور آسمانِ ہدایت کے آفتاب ہیں۔ طٰہٰ کے حروف کے طرہ نشان اور یٰس کے چہرہ کشا ہیں۔ میں ان کا بھائی نہیں بلکہ خادم اور غلام ہوں جو تم سیاہ دین خارجیوں کے سامنے دوڑ کر آیا ہوں۔ امام پاک کی بارگاہ میں پیش کرنے اپنی ہتھیلی پر جان و دل کا تحفہ لایا ہوں میری آنکھیں اور چہرہ ان کے آستانے پر ہیں اور آستین میں تیغ و کفن ہیں۔

☆ ترجمہ:۔ (امام پاک کے بھائی) عثمان بن علی جنگ کے لیے یمانی تلوار دائیں ہاتھ میں لے کر آئے اپنے نیک بھائی کے سامنے۔ (اے خوارج) تمہارے قتل کی قسم کھا کر۔ شامی بدبخت کیوں تلوار نکالے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

پھر خوب لڑے اور ایسے گراں بار حملے کیے کہ سواروں کو گھوڑوں پر نشست دوبھر ہوگئی اور پیدل پس پس کر رہ گئے، آخر زخموں سے چور ہو کر خولی بن یزید اصبحی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا اور بہشت بریں میں پہنچ گئے۔ رضی اللہ عنہ

پھر امام پاک کے چوتھے بھائی حضرت جعفر بن علی رضی اللہ عنہما نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ اب جان نثاری کا مستحق میں ہوں۔ امام پاک نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: بھیا بہادری کے جوہر تمہاری پیشانی سے چمک رہے ہیں لیکن انبوہ کثیر سے تن تنہا لڑ کر کوئی واپس نہیں آیا۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ مبارز طلب کر کے ایک سے لڑو۔ حضرت جعفر نے کہا بھائی! جس سر میں جان بازی اور جان نثاری کا سودا ہو اس میں قلت و کثرت کی فکر کہاں سما سکتی ہے۔ اب تو واپس آنے کی نہیں بلکہ آپ پر جان قربان کر کے جنت الفردوس میں ابا جان کے پاس جانے کی آرزو ہے۔

امام پاک نے ان کو سینے سے لگایا اور دیر تک روتے رہے۔ حضرت عباس کے علاوہ یہ آخری بھائی رہ گیا تھا جو جدا ہو رہا تھا۔ غرض کہ امام پاک کی اجازت سے میدان میں آئے اور داد شجاعت دے کر بہشت بریں سدھارے۔ رضی اللہ عنہ

فرزندانِ حضرت امام حسن مجتبیٰ

چاروں بھائیوں کی شہادت کے بعد حضرت امام کے حقیقی بھتیجے عبداللہ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما آگے بڑھے اور عرض کیا: اے عم مکرم مجھے بھی اجازت دیجئے کہ ان دشمنانِ دین سے لڑوں اور اپنی جان راہِ حق میں قربان کروں۔ امام پاک نے ان کو سینے سے لگایا اور بہت سمجھایا مگر سوائے اجازت دینے کے کچھ بن نہ آیا، وہ شیر بیشہ شجاعت میدانِ کارزار میں آئے اور دشمنوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:

پدرم محترم و عالی جاہ نور بینائے زہرا حسن است

(بقیہ از صفحہ گزشتہ) امام حسین پر، شاید اس کے دل میں انصاف بیں آنکھیں نہیں ہیں۔ شہادت کی صبح ظاہر ہوئی ہے۔ میری شراب طہور پینے کے وقت میں، میں حور عین کے پیالے سے دم بدم مست ہوں۔

وایں شہنشاہ گراں مایہ حسین ہادیِ راہِ حق و عمِّ من است(☆)

اورتلوار بلند کی وہ جوہر دکھائے کہ لشکر اعداء میں کھلبلی مچ گئی۔ ثابت کر دیا کہ میں حیدر کرار کا پوتا ہوں۔ عمرو بن سعد نے کہا اس جوان کو گھیرے میں لو اور قتل کر دو۔ بختری بن عمرو شامی پانچ سو سواروں کے ساتھ آگے بڑھا اور آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا آخر زخموں سے چور چور ہو کر جام شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہ

سیدنا قاسم بن حسن

حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد امام پاک کی بارگاہ اقدس میں گلشنِ رسالت کا دوسرا مہکتا ہوا پھول یعنی حضرت قاسم بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے۔ انیس برس کی عمر ہے اور یہ وہ نوجوان ہے جس کے ساتھ امام پاک کی لختِ جگر حضرت سکینہ کا مستقبل وابستہ ہے۔ یہ ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا، آل رسول کی آنکھ کا تارا سراپا التجا بن کر عرض گزار ہے۔ چچا حضور! میں بھی راہِ حق میں سر کٹانے اور ابا جان کے پاس جانے کے لیے بے قرار ہوں، مجھے بھی اجازت مرحمت ہو۔ امام پاک نے اس نور نظر کی طرف دیکھا اور فرمایا، بیٹا! تمہیں کس بات کی اجازت دوں؟ کیا تیروں سے چھلنی ہونے کی اجازت دوں، تلواروں سے کٹنے کی اجازت دوں۔ آہ، تم تو میرے بھائی حسن مجتبیٰ کی یادگار ہو۔ حضرت قاسم نے کہا، چچا جان خدا کے لیے مجھے ان دشمنوں سے لڑنے کی اجازت دیجیے اور مجھے اپنے اوپر نثار ہونے کی سعادت سے محروم نہ کیجیے۔ امام پاک نے اشک بار آنکھوں سے ان کے ماتھے کو چوما اور سینے سے لگایا اور رخصت کر دیا۔ اللہ اللہ، امام پاک نے نہ اپنے جوان بھتیجے کے شباب کو دیکھا اور نہ اپنی بیٹی کے مستقبل کو دیکھا۔ دیکھا تو صرف یہ دیکھا کہ گلشنِ اسلام خزاں کا شکار نہ ہونے پائے، اس کی سرسبزی وشادابی کے لیے اپنے خاندان کے جوانوں کا خون بھی دینا پڑے تو دے دیا جائے ؎

☆ ترجمہ:۔ میرے والد محترم ہیں اور بلند مرتبہ امام حسن جو حضرت سیدہ فاطمہ زہرا کی آنکھوں کے نور ہیں اور یہ بہت قدر ومنزلت والے شہنشاہ امام حسین ہیں، ہادی ہیں راہ حق کے اور میرے چچا ہیں۔

یہ شہادت اک سبق ہے حق پرستی کے لیے　　اک ستون روشنی ہے بحرِ ہستی کے لیے

حضرت قاسم میدان میں آئے اور یزیدیوں کو مخاطب کر کے فرمایا، اودین کے دشمنوں اور اپنے نبی کا گھر اجاڑنے والو! میں قاسم بن حسن بن علی ہوں، میں خاندانِ رسالت کا چشم و چراغ ہوں، میں گلشنِ زہرا کا مہکتا ہوا پھول ہوں، آؤ مجھے بھی تیروں سے چھلنی کرو، تلواروں سے گھائل کرو اور میرے لیے جنت کا راستہ کھول دو۔ تم میں کون ہے جو تنہا میرا مقابلہ کرے؟ ابن سعد نے ایک سالارِ لشکر ارزق نامی سے کہا کہ اس نوجوان کو قتل کر دو۔ ارزق نے کہا، واہ جناب! آپ نے خوب میری قدر کی، میں وہ بہادر ہوں جو تنہا سیکڑوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں،۔ اس بچے کے مقابلہ میں جانا میری توہین ہے۔ ابن سعد نے برہم ہو کر کہا تو نہیں جانتا یہ کون ہے، یہ علی کا پوتا ہے۔ تین دن کا پیاسا ہے پھر بھی اس کی ہمت و شجاعت کو دیکھنا ہے تو ذرا سامنے ہو جا۔ اس نے کہا میں تو نہیں جاتا البتہ لشکر میں میرے چار بیٹے ہیں۔ ان میں سے ایک کو بھیجتا ہوں، اس کے لیے وہ ایک ہی کافی ہے۔ چناں چہ اس نے اپنے لڑکے کو بھیجا۔ وہ آپ کے مقابلے میں آیا۔ آپ نے اس کا مقابلہ کیا اور چند منٹوں میں اس کو تڑپا کے رکھ دیا اور اس کی تلوار جو بہت اچھی تھی وہ چھین لی۔ ارزق کے دوسرے بیٹے نے اپنے بھائی کو خاک وخون میں تڑپتے دیکھا تو غصہ میں دیوانہ ہو کر آگے بڑھا کہ اپنے بھائی کا انتقام لے آپ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ ارزق کا تیسرا بیٹا بھی غیظ وغضب کا پتلا بن کر آگے بڑھا اور آپ کے سامنے آ کر آپ کو گالیاں دینے لگا۔ آپ نے فرمایا او اللہ کے دشمن، تیری گالیوں کا جواب گالیوں سے نہ دوں گا کہ یہ ہماری شان نہیں، البتہ تجھے تیرے بھائیوں کے پاس جہنم میں پہنچا دیتا ہوں یہ کہہ کر اس پر حملہ کیا اور اس کو چیر کر رکھ دیا۔ ارزق نے جب اپنے تینوں بیٹوں کا انجام بد دیکھا تو غصے سے لال پیلا ہو کر دھاڑنے لگا اور خود مقابلے کے لیے آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ اس کا چوتھا بیٹا بے ہودہ کلمات کہتے ہوئے آگے بڑھا اور کہنے لگا اے باپ ذرا ٹھہر جا، مجھے اس نوجوان سے دو دو ہاتھ ہو لینے دے۔ وہ بھوکے شیر کی طرح آپ پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے اس کے وار کو اپنی تلوار پر روکا اور پھر اس پر اس طرح وار کیا کہ اس کے سیدھے ہاتھ کو کاٹ دیا، اس کے ہاتھ سے تلوار گر

گئی۔ پھر دوسرا وار اس کے سر پر ایسا کیا کہ اس کو بھی جہنم رسید کر دیا۔ اب تو ارزق کا حالِ بد دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کا سارا غرور خاک میں مل چکا تھا اور اس کی زندگی کی پوری کمائی لُٹ چکی تھی، اس مقطوع النسل باپ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی اس کی صبحِ تمنا شامِ حسرت بن چکی تھی وہ غیرت جواب تک قاسم کو بچہ سمجھ کر مقابلہ پر جانے سے روک رہی تھی، اب ختم ہو چکی تھی۔ وہ ظالم غیظ و غضب کی آگ میں جلتا ہوا آگے بڑھا کہ اپنے بیٹوں کا انتقام لے اور ایک وار میں اس نوجوان کو ختم کر دے، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے مقابلے میں وہ جوان ہے جس کے بازوؤں میں قوتِ ربانی کام کر رہی ہے، وہ مقابلے میں آ کر ہاتھی کی طرح چنگھاڑنے اور شیر کی طرح دھاڑنے لگا، اس کی تلوار فضا میں رعد و برق کی طرح چمک رہی تھی۔ جوں ہی اس کی نظر حضرت قاسم کی تلوار پر پڑھی، جو آپ نے اس کے لڑکے سے چھینی تھی، کہنے لگا: خدا کی قسم یہ تلوار میں نے ایک ہزار دینار میں خریدی ہے اور ایک ہزار دینار دے کر اسے زہر کا بجھاؤ دیا ہے، یہ تمہارے ہاتھ میں نہیں رہنے دوں گا بلکہ اس کے ساتھ تمہیں قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا تیرے تین بیٹے تو اس کا مزا چکھ چکے ہیں اور تو بھی خاطر جمع رکھ، ابھی تجھے بھی اس کا ذائقہ چکھاؤں گا۔ پھر آپ نے اَلْحَرْبُ خَدعَة کے پیشِ نظر فرمایا، ارزق ہم تو تجھے ایک نبرد آزما بہادر مرد سمجھتے تھے مگر تو تو نہایت ناتجربہ کار ہے، تجھے تو گھوڑے کی زین کسنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ وہ جھک کر کسی ہوئی زین کو دیکھنے لگا۔ آپ نے اسی وقت ایک ایسا کاری وار کیا کہ اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا اور ایک جست لگا کر اپنے گھوڑے سے اس کے گھوڑے پر جا بیٹھے اور فوراً دونوں گھوڑوں کے ساتھ خیموں کی طرف آ گئے۔ امام پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ وَاعمّاهُ العَطش العَطش۔ آہ! چچا جان۔ پیاس پیاس۔ چچا جان! اگر پانی کا ایک پیالہ مل جائے تو ابھی ان سب کو نیست و نابود کر دوں۔ امام پاک نے فرمایا، بیٹا تم عنقریب ساقی کوثر کے ہاتھ کوثر کا جام پیو گے دیکھو، پینے کے بعد پھر تمہیں پیاس کبھی نہ ستائے گی۔ دیکھو تمہارے والد تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں، جاؤ ان کے پاس پہنچنے کا وقت آ گیا ہے اور ان کو میرا سلام کہنا۔ حضرت قاسم پھر میدان میں آئے۔ ابن سعد نے کہا یہ نوجوان ہمارے بہترین جوانوں کو قتل کر چکا ہے اب اس کو مہلت

نہ دو، اس کو چاروں طرف سے گھیر لو اور اس کو ختم کر دو۔ چناں چہ اس کے حکم پر دشمنوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور آپ پر حملہ کر دیا۔ اب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ آپ اس حالت میں بھی ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ خاکِ کربلا کا ایک ابر، حسن کے چاند پر چھا گیا۔ آخر زخموں سے چور چور ہو گئے۔ ایک شقی شیث بن سعد اور بقول بعض سعد بن عروہ بن نفیل ازدی نے آپ کے سر پر تلوار ماری۔ آپ نے فرمایا: یَا عماہ ادرکنی۔ چچا جان مجھے پکڑو سنبھالو اور زمین پر گر گئے۔ امام پاک نے آپ کی آواز سنی، دوڑ کر آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ جسم نازنین زخموں سے چور چور ہے۔ سر کو اپنی آغوش میں لے کر فرمایا، قاسم! ان کے لیے ہلاکت ہے جنہوں نے تجھے قتل کیا ہے وہ قیامت کے دن تیرے جد امجد کو کیا جواب دیں گے جب وہ تیرے خون کے متعلق باز پرس کریں گے؟ امام پاک کی آغوش میں آپ کی روح پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ

امام پاک نے نعش مبارک کو اس طرح اٹھایا کہ قاسم کا سینہ آپ کے سینے سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین کے ساتھ گھسٹتے جا رہے تھے۔ آپ نے نعش کو شہداء کی نعشوں کے پاس رکھ دیا۔

ہائے جنت کو تم بھی سدھارے　　میرے بھائی کے فرزند قاسم
داغِ فرقت ہے دل پر ہمارے　　میرے بھائی کے فرزند قاسم
کاش تم ساتھ میرے نہ آتے　　ہو کے رخصت نہ میدان کو جاتے
بھوکے پیاسے نہ گردن کٹاتے　　میرے بھائی کے فرزند قاسم
یاد کس کس کی دل سے بھلاؤں　　ہائے کس کس کی لاشیں اٹھاؤں
کس کو اپنی کہانی سناؤں　　میرے بھائی کے فرزند قاسم

حضرت قاسم کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حضرت عمر اور حضرت ابوبکر بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم نے بھی میدانِ کربلا میں جفا کار یزیدیوں کے ہاتھوں سے جام شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہم

حضرت محمد وعون

چاروں بھتیجوں کی شہادت کے بعد فرزندان عبداللہ بن جعفر طیار حضرت محمد وعون، امام عالی مقام کے حقیقی بھانجوں، حضرت سیدہ زینب کے جگر کے ٹکڑوں کی باری آئی، چمن زہرا کے جنتی پھولوں نے آگے بڑھ کر عرض کی: ماموں جان ہمیں بھی نثار ہونے کی اجازت مرحمت ہو؟ امام پاک نے فرمایا نہیں تمہیں اجازت نہیں، میں تمہیں اس لیے اپنے ساتھ نہیں لایا تھا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے تمہیں تیروں کا نشانہ بنتے اور نیزوں پر اچھلتے دیکھوں گا۔تم اپنی ماں کے پاس رہو۔محمد وعون نے کہا: ماموں حضور! اماں جان کا بھی یہی حکم ہے دیکھو وہ بھی میرے سامنے کھڑی ہیں۔ امام پاک نے اپنی بہن سیدہ زینب کی طرف دیکھ کر کہا: میری بہن کچھ خیال کرو، مجھ پر صدموں کے پہاڑ نہ توڑو، میں کن آنکھوں سے ان پھول جیسے بچوں کے سینوں سے تیر اور نیزے پار ہوتے دیکھوں گا۔ سیدہ زینب کہہ رہی تھیں، بھیا میرے پیارے بھیا، کیا اپنی بہن کا یہ حقیر ہدیہ قبول نہیں کروگے؟ اگر تم نے میرا یہ ہدیہ قبول نہ کیا تو میں اپنی ماں فاطمہ زہرا کو کیا جواب دوں گی؟ جب وہ پوچھیں گی بیٹی تم نے اس وقت کیا نذر پیش کی تھی۔ جب شہزادۂ سرورکونین کے حضور جانوں کے ہدیے پیش ہورہے تھے۔ میرے یہ دو ہی فرزند ہیں، دونوں تجھ پر قربان ہیں، اس کے ساتھ ہی سیدہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ امام پاک نے اشک بار آنکھوں سے اپنی بہن کو دیکھا۔ دل پارہ پارہ ہوگیا۔ دونوں بھانجوں کو سینے سے لگایا اور رخصت کردیا۔ ماں دیکھ رہی تھی کہ میری آنکھوں کے تارے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یزیدی بادلوں میں روپوش ہونے جارہے ہیں، ان کے جاتے ہی دشمن ان پر بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو چیر پھاڑ کے رکھ دیں گے۔ مگر اس صبر والی ماں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور آسمان کی طرف مونھ کر کے کہا۔ مولا! جو تیری رضا وہ ہماری رضا۔

چمنِ زہرا کے جنتی پھول، حضرت جعفر طیار کے پوتے، مولا علی کے نواسے میدانِ کارزار میں دشمنوں کے سامنے گئے اور کہا سنو اور ہمیں پہچانو ؎

دادا ہے شہنشاہ دو عالم کا مددگار سردارِ جہاں فخرِ عرب جعفر طیار
وہ شقہ طرازِ علمِ احمدِ مختار آلودہ رہی خون میں جس شیر کی تلوار
ہاتھوں کے عوض حق سے سرِ دست لیے ہیں اللہ نے پر ان کو زمرد کے دیئے ہیں
نانا اسد اللہ مددگارِ دو عالم دیں دار نموں دار جہاں دارِ دو عالم
سلطانِ ولایت و اَسرارِ دو عالم سرتاجِ فلک جُبہ و دستارِ دو عالم
تم یہ نہ سمجھنا کہ یدُ اللہ نہیں ہیں ہم شیر تو ہیں گر اسد اللہ نہیں ہیں

پھران دونوں بھائیوں نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ صفوفِ اعداء میں ہلچل برپا ہوگئی، آخرش بہت سے یزیدیوں کو مارتے اور کاٹتے ہوئے خود بھی دشمن کے نیزوں اور تلواروں کا نشانہ بن کر بہشت بریں میں جا پہنچے۔ حضرت عون کو عبداللہ بن قطبۃ الطائی نے اور حضرت محمد کو عامر بن نہشل نے شہید کیا۔ امام پاک کے رفقاء ان کی نعشیں اٹھا کر لے گئے اور خیموں کے پاس لاکر رکھ دیں۔

لاشوں کے قریب آ کے شہِ امت نے پکارا اے بھانجو! موجود ہے ماموں یہ تمہارا
اے شیر جوانو! مجھے الفت تھی تمہیں سے اے تشنہ دَہانو مجھے ہمت تھی تمہیں سے
ہاتھوں کو اٹھا کے ذرا بات تو کر لو سینے سے لگو اٹھّو ملاقات تو کر لو

اتنے میں سیدہ زینب بھی آ گئیں، امام پاک نے فرمایا، لو بہن تمہاری قربانی بھی منظور ہوگئی، آؤ اپنے شہیدوں کی زیارت کرلو۔ ماں نے جب اپنے فرزندوں کی کٹی پھٹی نعشوں کو دیکھا تو نعشوں کے اوپر گر گئیں اور واری صدقے ہوتے ہوئے کہا، اے کاش! تمہاری جگہ تمہاری ماں ہوتی۔ رضی اللہ عنہما۔

حضرت عباس علم دار

ایک ایک عزیز کا بچھڑنا امام پاک کے لیے اس قدر روح فرسا تھا کہ آپ زانوائے غم پر سر رکھ کر خاک کربلا پر بیٹھ جاتے اور کبھی آسمان کی طرف نگاہ کر کے اپنے وقتِ شہادت کی باقی ماندہ گھڑیاں گنتے، کبھی درد رسیدہ مغموم و مظلوم عورتوں کی طرف نگاہ حسرت فرماتے۔

بس ایک شہزادہ علی اکبر جلو میں ہے اور ایک قوتِ بازو عباس علم دار سامنے ہے۔ اب امام مظلوم کی کمر ٹوٹنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے والے ہیں۔ اس لیے انتہائی صبر و ضبط کی طلب میں جبینِ نیاز جھکائے ہوئے اپنے خالق و مالک سے عرض و معروض میں محو ہیں۔ جب جبینِ انور سجدۂ خالق سے راز و نیاز کی منزلیں طے کر کے بلند ہوئی تو حضرت عباس علم دار رضی اللہ عنہ نے عرض کی، آقا! اب تو غلاموں میں مجھ کفش برادر کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا۔ بچوں کے دل جوانوں کا جہاد، بوڑھوں کے کمزور ہاتھوں سے چلتی ہوئی تلواریں دیکھیں۔ اور جس سے اب تک سوائے علم بلند رکھنے کے اور کوئی کارگزاری نہیں ہوئی وہ آپ کا یہ غلام، عباس ہے۔

نور دیدۂ بتول! اب تو خون رگیں توڑ کر راہِ خدا میں بہہ جانے کی حسرت میں سرگرم ہے ازراہ کرم مجھے بھی اجازت دے کر میری قسمت کا ستارہ بھی چمکا دیجئے۔ صبر و رضا کے پیکر امام پاک نے اپنے بھائی کا سر سینہ سے لگایا، آنکھوں سے کچھ محبت اور کچھ درد و غم کے آنسو موتیوں کی شکل میں رخساروں پر چمکتے ہوئے بہنے لگے۔ دیر تک سینے سے لگانے کے بعد فرمایا، کیا کروں مشیت الٰہی میں چارہ نہیں، راضی بہ رضا ہوں۔ لیکن ساقی کوثر کے لعل! بچوں کی پیاس ان کی ماؤں کے صبر کو متزلزل کر رہی ہے، وہ تشنگی کے عالم میں سخت بے قرار ہیں اور ان کی بے قراری ان کی ماؤں کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگئی ہے۔ یہ سنتے ہی عباس نام دار خیمے کی طرف چلے۔ داخل ہوتے ہی حضرت سکینہ اور علی اصغر کی تشنگی کا وہ عالم دیکھا کہ تڑپ گئے۔ علی کے شیر نے غصہ میں ہونٹ چباتے ہوئے کہا، افسوس فرات سامنے ہے اور یہ بچے پانی کی ایک ایک بوند کو ترسیں۔ میں ابھی فرات پر جاؤں گا اور پانی لا کر ان معصوموں کی پیاس بجھاؤں گا۔ یہ سنتے ہی سیدہ زینب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ پکاریں بھیا! کیا نہر کے کنارے فولاد میں ڈوبی ہوئی فوج کی دیوار کے مقابل اکیلے جاؤ گے؟ عباس علم دار نے کہا، میری بہن تمہیں تشویش کیا ہے اگر وہاں غرق آہن فوج ہے تو کیا تمہارے بھائی کے ہاتھ میں تیغِ خارا شگاف نہیں ہے! شیر حیدر کی ہمت افزا بات سے پیاسوں کو کچھ ڈھارس ہوئی اور ٹوٹے ہوئے دل سینوں میں بندھ گئے۔ مشکیزا شانے پر لٹکایا اور نہر کی

طرف چلے۔ دشمن حائل ہوئے تو آپ نے فرمایا:

اتمام حجت

اے کوفیو، شامیو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرماؤ۔ حیف صد حیف۔ تم نے فرزندِ رسول کو بلایا اور پھر ان سے بے وفائی کی اور دشمنوں سے مل کر ان پر پانی بند کیا، ان کے رفقاء، اعزا و اقربا کے سر کاٹے، رسول زادیوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایک ایک بوند پانی کے لیے ترسا رہے ہو؟ دیکھو ابھی توبہ کا دروازہ تم میں سے بعض کے لیے کھلا ہے۔ اب بھی وقت ہے، ظلم و ستم اور فرزند رسول کے قتل سے باز آجاؤ۔ لشکر اشقیاء میں سے شمر ذی الجوشن، شبث بن ربعی، حجر ابن الاحجار تینوں نے سامنے آ کر کہا اگر تمام روئے زمین پانی ہو جائے تو پھر بھی ہم لوگ تمہیں پانی کا ایک قطرہ تک نہ لینے دیں گے۔ یہ سنتے ہی حیدر کے شیر کو جلال آ گیا انہوں نے ایک نعرہ شیرانہ کیا اور فرمایا کہ یہ سر کٹ سکتے ہیں لیکن فاسق و فاجر کے سامنے جھک نہیں سکتے۔ یہ فرما کر تلوار آب دار کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے۔ شاعر کہتا ہے ؎

آتا ہے خبردار اب عباس علم دار — ناگاہ زمین ان کی ہوئی مطلع انوار
ہر چار طرف سے یہ اٹھا غلغلہ اک بار — ہوشیار خبردار خبردار خبردار
اے صلِ علیٰ کیا پسرِ شیر خدا ہے — یہ شیرِ خدا گر نہیں، شمشیرِ خدا ہے

حضرت عباس نے فرمایا ؎

ہاں مجھ کو رکھو یاد میں حیدر کا پسر ہوں — اور باغ نبوت کے شجر کا میں ثمر ہوں
میں دیدۂ ہمت کے لیے نورِ نظر ہوں — پیاسا ہوں مگر ساقیِ کوثر کا پسر ہوں
واللہ میری ضرب طمانچا ہے بلا کا — دل بند ہوں میں شیرِ خدا شیرِ خدا کا

آپ کا حملہ کیا تھا، قہر خدا تھا جو یزیدیوں پر نازل ہو گیا تھا۔ گھوڑے بدکنے لگے سواروں کے ہاتھ سے تلواریں چھوٹنے لگیں۔ بزدل فراری ہرنوں کی طرح بھاگے اور آپ ان کو مارتے اور کاٹتے ہوئے نہر کے قریب پہنچ گئے۔ نہر پر سیکڑوں مسلح سپاہی بہ طور پہرے دار مقرر تھے۔ وہ آپ کے سامنے آہنی دیوار بن گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا، تم لوگ

مسلمان ہو یا کافر؟ انہوں نے کہا مسلمان! آپ نے فرمایا کیا تمہاری مسلمانی یہی ہے کہ فرات سے چرندو پرند سیراب ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے، بیٹیاں اور شیر خوار بچے ایک ایک بوند پانی کو ترسیں میں نے اپنی ان آنکھوں سے ان کو پیاس سے نڈھال اور غش میں دیکھا ہے۔ آپ ان سے یہ گفتگو کر رہے تھے کہ ادھر سے یزیدی فوج کے سپاہی، امیر لشکر عمرو بن سعد کا حکم لے کر پہنچ گئے اور نہر پر متعین سپاہیوں سے کہا، امیر لشکر کا حکم ہے کہ پانی کی بوند بھی خیمہ حسین تک نہ پہنچنے پائے۔ یہ حکم سن کر لشکر یزید نے نیزے تان لیے۔ شیر خدا کے شیر نے ایک جست لگائی اور صفِ اعداء کو چیرتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھایا اور فرات میں داخل کر دیا۔ پیاسے بہشتی نے ایک چلو پانی کا لیا مگر تشنگی اہل بیت پینے سے مانع ہوئی، یہ کہہ کر پانی پھینک دیا کہ اے عباس تم نہر پر اپنی پیاس بجھانے نہیں آئے ہو۔ جب تک معصوم علی اصغر اور سکینہ کی پیاس نہ بجھا لو تمہیں پانی پینا روا نہیں۔ حضرت عباس نے مشک بھری اور بائیں شانے پر ڈال کر باہر نکلے، چاروں طرف سے غل ہوا کہ اگر یہ مشک خیمہ حسین تک پہنچ گئی تو ساری محنت بے کار ہو جائے گی، اس کا راستہ روکو۔ اس سے مشک چھین لو، پانی بہا دو۔ ادھر سقائے اہل بیت کی پوری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ مشک پیاسوں کے خیمہ تک پہنچ جائے۔ آپ چاہتے تھے کہ گھوڑا اڑا کر خیمہ تک پہنچ جائیں مگر سامنے سے کئی سو تیر مشک کا رخ کیے نظر آئے۔ آپ مشک کی حفاظت میں ایک طرف ہٹ گئے یہاں تک کہ فوج کی دوسری سمت سے اس قدر قریب ہو گئے کہ اب دونوں طرف سے گھر گئے۔ جب اپنے آپ کو دشمن کے گھیرے میں دیکھا تو بپھرے شیر کی طرح حملہ کیا اور صفوفِ اعداء میں کھلبلی مچا دی۔ لاش پر لاش گرنے لگی اور خون کی رَو بہنی شروع ہو گئی۔ شیر خدا کے لختِ جگر نے میدانِ کربلا میں ثابت کر دیا کہ میرے بازوؤں میں قوتِ حیدری اور رگوں میں خونِ علی ہے لاشوں کے انبار لگا دیے۔ ایک خبیث زرارہ نامی نے دھوکے سے آپ کے بائیں شانے پر ایک ایسا وار کیا کہ بازوئے علم دار کو شانے سے جدا کر دیا۔ آپ نے مشک فوراً داہنے شانے پر لٹکا لی اور اسی ہاتھ سے تلوار بھی چلاتے رہے، لیکن اب نہ وہ طاقت تھی، نہ ایک ہاتھ سے دو کام انجام پا سکتے تھے، دفاعی کوشش کرتے کرتے ایک طرف سے فوج کے

پھرے پر آپ نے گھوڑا اٹھا دیا کہ شاید راستہ مل جائے گا مگر اس غازی کی خدمات ختم ہونے کا وقت بڑی تیزی سے قریب آ رہا تھا یہاں تک کہ نوفل بن الارزق نے دائیں بازو پر بھی ایک وار کیا اور وہ ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اللہ اللہ شیر خدا کے فرزند کی ہمت دیکھیے کہ مشک کا تسمہ مونھ میں دبا لیا لیکن مشک کے بچانے کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوئی کہ ایک مردود نے تاک کر ایک تیر ایسا مارا کے مشک کے پار ہو گیا اور سارا پانی یک لخت بہہ گیا۔ عرب کی شجاعت کو بٹّا لگانے والے نامَردوں نے دیکھا کہ اب مجاہد بے دست و بازو ہے اس لیے چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے اور زخموں سے چور چور کر دیا۔ ایک ظالم نے سر پر ایک گُرز ایسا مارا کہ آپ یہ کہتے ہوئے یَا اَخَاہ اَدرِکْنِی، بھائی جان مجھے پکڑنا۔ گھوڑے سے گر پڑے ؎

ناگاہ صدا آئی کہ آؤ میرے آقا   آخر ہُوا عباس اٹھاؤ میرا آقا
سر کاٹتی ہے فوج بچاؤ میرے آقا   آؤ مجھے سینے سے لگاؤ میرے آقا
سن کر یہ صدا شاہ پکارے کئی باری
ہم شکل نبی دوڑو کمر ٹوٹی ہماری

جوں ہی امام پاک نے اپنے بھائی کی آواز سنی، دوڑ کر تشریف لائے۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے اِنکَسَرَ ظَھرِیَ الآن، اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ بے دست و بازو زخموں سے چور چور بھائی کے پاس پہنچے تو دیکھ کر کلیجا تھام کر رہ گئے۔ شاعر کہتا ہے ؎

چلاّئے گر کے لاش پر شبیرِ نام دار   بھائی تمہاری نرگسی آنکھوں پہ میں نثار
اس نرغہ میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار   آنکھیں پھرا کر ڈھونڈتے ہو مجھ کو بار بار
شاید زبان بند ہے جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے ہیں تو بولتے نہیں

بے تاب ہے حسین برادر جواب دو   اے میرے نوجواں میرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبر جواب دو   اے نورِ چشمِ ساقی کوثر جواب دو
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر گود میں دَھرا رہا اور دم نکل گیا

اکبر پکارے ہائے چچا بھی گزر گئے　　رو کر حسین بولے بھائی کدھر گئے
مونھ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے　　وَا حَسرتا حُسین کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبی کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

اے شیر صف شکن اے میرے نوجواں　　پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
شیر خدا کا آج جہاں سے مٹا نشاں　　تم کو حسین جانتا تھا اپنے تن کی جاں
تیغوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
بازو کٹائے شیر سے دریا پہ سوتے ہو

حضرت سیدنا علی اکبر

اب وہ مرحلہ درپیش ہے کہ پتھر دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ بے بسی و بے کسی کی انتہا ہو گئی۔ ستر (۷۰) اعوان وانصار اور اعزّا و اقربا کی شہادت کے بعد آنکھوں کے سامنے ایک لرزا دینے اور تڑپا دینے والا منظر تھا کہ سروِ ریاضِ حسینی، گلِ باغِ مصطفیٰ، نورِ دیدۂ مرتضیٰ، جانِ چمن مجتبیٰ باپ کی ضعیفی کا سہارا، تمام گھر بھر کی آنکھ کا تارا، اہل بیت نبوت کا جگ مگاتا چراغ ہم شکلِ پیمبر، حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ جن کو دیکھ کر تصویر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ اٹھارہ برس کی عمر عین شباب کا عالم ہے۔ کمر شکستہ باپ کے سامنے سراپا التجا بن کر عرض گزار ہے، بابا حضور! مجھے بھی اجازت مرحمت ہو، میں بھی راہ حق میں سر کٹانے اور آپ پر نثار ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں ؎

اکبر کی ہے یہ عرض کہ میداں کی رضا دو　　رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتا دو
بابا میری الفت کو بس اب دل سے اٹھا دو　　امّاں سے بھی رخصت مجھے مرنے کی دلا دو
کٹوائے گا سر رن میں غلام آپ سے پہلے
زندہ ہے وہ بیٹا جو مَرے باپ سے پہلے

دل شکستہ باپ نے ایک نظر اپنے فرزند ارجمند پر ڈالی اور فرمایا بیٹا! تجھے کس بات کی

اجازت دوں؟ کیا تیروں سے چھلنی ہونے اور تلواروں سے کٹنے کی اجازت دوں؟ بیٹا! تم تو نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر ہو، میں کن آنکھوں سے اس تصویر کو خاک وخون میں تڑپتے ہوئے مٹتے دیکھوں گا۔ میری آنکھوں کے نور، تم نہ جاؤ، مجھے جانے دو، یہ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ ان کی پیاس صرف میرے خون سے بجھے گی۔ شبیہ رسول نے دست بستہ عرض کی، بابا! میں آپ کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے ان ذلیل لوگوں کا قیدی بنا کر نہ چھوڑ جائیے بلکہ بہشت بریں میں جد امجد حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بابا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیجئے۔ اللہ اللہ کتنا بڑا امتحان تھا جس سے فاطمہ کا لال صبر واستقامت کے ساتھ گزر گیا۔ فرمایا، بیٹا! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وعدہ کر چکا ہوں ورنہ تم جیسے گوہر بے بہا کو کون خاک میں ملاتا ہے۔ اچھا بیٹا، جاؤ۔ حسین نے بھی آج چھاتی مضبوط کر لی ہے، دیکھتا ہوں کہ آزمائش کی سل کتنی وزنی ہے۔

حسینوں کے حسین حضرت یوسف علیہ السلام کے محبوب ومطلوب نبی آخر الزمان کے نواسے کا وہ حسین فرزند ہم صورتِ محبوبِ خدا ان اشقیا میں جا رہا ہے جہاں سے اب تک کوئی واپس نہیں پلٹا تھا۔ اس وقت امام پاک نے یہ نہیں کہا تھا کہ بیٹا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔ اب دل چاہتا ہے کہ حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام کو سلام کہہ کر انہیں آواز دی جائے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کا صبر دیکھئے۔

مظلوم کربلا نے اپنے ہاتھوں سے اٹھارہ برس کے جمیل جوان کو سلاح جنگ پہنائے اور گھوڑے پر سوار کرایا اور فرمایا بیٹا جنت میں پہنچ کر نانا جان کو میرا سلام کہنا۔ میرے بابا علی مرتضیٰ اور میری اماں جان کو بھی میرا سلام کہنا۔ حضرت علی اکبر نے اپنے ابا جان اور خیمہ میں کھڑی ہوئی ستم رسیدہ بی بیوں کو سلام کہا اور میدان کارزار کی طرف چلے اس وقت امام پاک اور اہل بیت کی پاک بی بیوں اور بچوں پر جو گزری، اس سے دھرتی کا کلیجا ہل گیا اور یقیناً اس پر عرش الٰہی لرز گیا ہوگا۔

داغِ اولاد نہیں آہ، اٹھایا جاتا ۔۔۔ ایسا بیٹا نہیں ہاتھوں سے گنوایا جاتا
درد وہ ہے کہ زبان پر نہیں لایا جاتا ۔۔۔ زخم وہ ہے کہ جگر پر نہیں کھایا جاتا

داغِ فرزند حسین ابن علی سے پوچھو
نوجواں بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

دکھ درد کی ماری ماں بیٹے کی رخصتی کے وقت کہہ رہی تھی۔

علی اکبر میری محنت کی طرف دھیان کرو
امّاں واری مری بستی کو نہ ویران کرو
چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
پھر فدا ہو، جیو، پہلے مجھے قربان کرو
میرے جیتے جی نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھا لو بیٹا

چھوڑ کر روتا انہیں خیمہ سے اکبر نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
پر عجب حال سے ہم شکلِ پیمبر نکلے
مڑ کے تکتے تھے کہ خیمہ سے نہ مادر نکلے
ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

الغرض! فوجِ اعداء کے روبرو تشریف لائے۔حُسنِ خداداد کی جوت سے میدان جگ مگانے لگا۔نور جبین سے جمالِ پیمبر چمکا،۔چہرے کی تجلی نے میدانِ کارزار کو عالمِ انوار بنا دیا۔صدرالافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ؎

لختِ دل امام حسین ابن بو تراب
شیر خدا کا شیر وہ شیروں میں انتخاب
صورت تھی انتخاب تو قامت تھا لاجواب
گیسو تھے مشک ناب تو چہرہ تھا آفتاب
شہ زادۂ جلیل، علی اکبر جمیل
بستان حسن میں گل خوش منظر شباب
چہرہ میں آفتابِ نبوت کا نور تھا
آنکھوں میں شان صولت سرکار بوتراب
صحرائے کوفہ عالم انوار بن گیا
چمکا جو رَن میں فاطمہ زہرا کا ماہ تاب
صولت نے مرحبا کہا شوکت تھی رجز خواں
جرأت نے باگ تھامی شجاعت نے لی رکاب
چمکا کے تیغ مردوں کو نامرد کر دیا
اس سے نظر ملاتا یہ تھی کس کے دل میں تاب
مردان کار لرزہ براندام ہو گئے
شیر افگنوں کی حالتیں ہونے لگیں خراب

کہتے تھے آج تک نہیں دیکھا کوئی جواں — ایسا شجاع، ہوتا جو اس شیر کا جواب
کُہہ پیکروں کو تیغ سے دو پارہ کر دیا — کی ضرب خود☆ پر تو اڑا ڈالا تا رکاب
تلوار تھی کہ صاعقۂ برق بار تھا — یا از برائے زحم شیاطین تھا شہاب
میداں میں اس کے حسن و ہنر دیکھ کر نعیم — حیرت سے بدحواس تھے جتنے تھے شیخ وشاب

میدان کربلا میں علی کے پوتے نے میان سے شمشیر آب دار نکالی، اس کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ زباں مبارک سے یہ رجز پڑھا ؎

اَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ — نَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ

میں علی اکبر ہوں حضرت حسین بن علی کا فرزند۔ ہم اہل بیتِ رسول ہیں اور نبی ﷺ کے بہت زیادہ قرابت دار۔

اَطْعَنَکُمْ بِالرُّمْحِ طَعْنَ صَیِّبٖ — اَضْرِبُکُمْ بِالسَّیْفِ اَحْمِیْ عَنْ اَبِیْ
ضَرْبَ غُلَامٍ ھَاشِمِیٍّ عَرَبِیٍّ — مِنْ اٰلِ بَیْتِ الْھَاشِمِیِّ اَیْشُہَبِیْ

یاد رکھو! میں تمہیں نیزے سے ٹھیک ٹھیک نشانہ بناؤں گا اور اپنے باپ کی حمایت میں وہ تیغ زنی کروں گا جیسی ہاشمی عربی جوانوں کی تیغ زنی ہوتی ہے۔

یہ فرما کر ایک نعرہ لگایا اور فرمایا، ظالمو! اگر اولاد رسول اللہ ﷺ کے خون کی پیاس ہے تو تم میں سے جو بہادر ہو، اسے میدان میں بھیجو۔ زور بازوئے حیدر دیکھنا ہو تو میرے مقابل آؤ۔ مگر کس کو ہمت تھی کہ آگے بڑھتا۔ کس کے دل میں تاب وتواں تھی کہ تنہا اس شیر زیاں کے سامنے آتا۔ جب آپ نے دیکھا کہ کوئی ایک آگے نہیں بڑھتا اور ان کو برابر کی لڑائی کی ہمت نہیں کہ ایک کو ایک کے مقابل کریں تو آپ نے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور مثل صاعقہ ان پر حملہ کیا جس طرف آپ کا رخ ہوتا، دشمن بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے نظر آتے ایک ایک وار میں کئی کئی سر گرا دیئے۔ ادھر میمنہ پر چمکے تو اس کو منتشر کیا۔ ادھر میسرہ کی طرف پلٹے تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ کبھی قلبِ لشکر میں غوطہ لگایا تو کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ہر طرف شور بر پا ہو گیا۔ دلاوروں کے دل چھوٹ گئے۔ بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ

☆۔لوہے کی ٹوپی

گئیں۔شہزادۂ اہل بیت کا حملہ نہ تھا،عذابِ الٰہی تھا جو یزیدیوں پر نازل ہو گیا تھا۔دھوپ میں جنگ کرتے کرتے چمنستان رسالت کے گل شاداب کو پیاس کا غلبہ ہوا، باگ موڑ کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے،عرض کیا:یا ابتاہ العطش۔ابا جان پیاس کے غلبہ سے سخت بے تاب ہوں۔اگر پانی کا ایک پیالہ مل جائے توان سب کوموت کے گھاٹ اتار دوں۔امام پاک نے اپنے نورنظر کی پیاس دیکھی مگر پانی کہاں تھا، جواس تشنہ شہادت کو دیتے۔دست شفقت سے چہرہ گل گوں کا گردوغبارصاف کیااورفرمایابیٹا!اب تمہاری سیرابی کا وقت قریب آ گیا ہے، اب ساقی کوثر کے ہاتھ سے کوثر کا جام پینا،جس کی لذت نہ تصور میں آسکتی ہے نہ زبان بیان کرسکتی ہےاوراس کے بعد تمہیں پیاس کبھی نہ ستائے گی۔بیٹا! جب کبھی میں پیاسا ہو جاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے موںھ میں اپنی زبان مبارک دے دیا کرتے تھے۔آج تم اس پیاس کی حالت میں میری زبان چوس لو،تمہیں کچھ تسکین ہو جائے گی۔تشنۂ شہادت فرزند نے امام پاک کی زبان مبارک کو چوسا، انہیں فی الحقیقت کچھ تسکین ہوئی۔دوبارہ رخصت کرتے وقت امام پاک نے اپنی انگوٹھی فرزندارجمند کے موںھ میں رکھ دی۔شہزادہ انور نے پھر میدان کا رخ کیااورلشکراعداء کے مقابل ہو کر صدا دی ھل من مبارز،ہےکوئی جو میرے سامنے آئے۔عمروبن سعد نے طارق بن شیث سے کہا، بڑے شرم کی بات ہے کہ یہ نوجوان اکیلا ہےاورتم ہزاروں کی تعداد میں ہو،تم میں سے کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اس کے بالمقابل ہو، آخراس نے آگے بڑھ کرحملہ کیااورتمہاری صفوں کودرہم برہم کردیااورتمہارے بہادروں کوتہ تیغ کردیا، بھوکا پیاسا ہےاوردھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے، اس کے باوجودوہ تمہیں للکاررہا ہےاورتم میں سے کوئی اس کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا، تف ہے تمہارے دعویٰ شجاعت پر، اگر کچھ غیرت ہے تو اس نوجوان کا مقابلہ کر کے اس کا کام تمام کردے، اگر تو نے یہ کام انجام دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھ کوموصل کی حکومت دلادوں گا۔طارق نے کہا کہیں ایسانہ ہوکہ فرزندرسول واولاد بتول کوقتل کر کے اپنی عاقبت بھی بربادکرلوں اورتوبھی وعدہ پورانہ کرے۔ابن سعد نے قسم کھائی اور پختہ قول واقرارکیا۔اب طارق بدبخت موصل کی حکومت کے لالچ میں گل بستان

رسالت کے مقابلہ کے لیے نکلا، سامنے پہنچتے ہی اس نے ہم شکلِ نبی پر نیزے کا وار کیا۔ شہزادۂ والا تبار نے بہ کمال ہنرمندی اس کا وار رد فرما کر اس کے سینہ پُر کینہ پر ایک وار نیزے کا ایسا کیا کہ نیزہ سینہ سے پار ہو گیا اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ شہزادے نے اس کی لاش کو روند ڈالا۔ یہ دیکھ کر اس کے بیٹے عمر بن طارق نے وفور غصہ سے پاگل ہو کر شہزادۂ جمیل پر حملہ کر دیا۔ شہزادے نے اس کے حملے سے خود کو بچا کر ایک ہی ضرب حیدری سے اس کو بھی جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے لیے شعلۂ آتشیں بن کر شہزادۂ امام پر ٹوٹ پڑا۔ لختِ دلِ حسین نے اس کا مقابلہ کیا اور اس کو بھی خاک و خون میں ملا دیا۔ لشکر اعداء پر حیدر کے شیر کی ایسی ہیبت چھائی کہ سب دم بخود ہو کر رہ گئے۔ ابن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع بن غالب کو فرزند حسین کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ مصراع نے شہزادے پر نیزے سے حملہ کیا۔ شہزادۂ حسین نے تلوار سے نیزہ قلم کر کے مصراع کے سر پر تلوار سے ایک ضرب حیدری لگائی کہ مصراع دو ٹکڑے ہو کر گر گیا۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ تنہا اس شیر کے مقابل آتا۔ آخر ابن سعد نے محکم بن طفیل بن نوفل کو حکم دیا کہ ایک ہزار سواروں کے ساتھ جگر پارۂ بتول علی اکبر پر حملہ کرے، چناں چہ وہ اشرار آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر حملہ آور ہوئے۔ شہزادۂ امام بھی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے دشمنوں کو ہلاک کر کے خاک و خون میں ملاتے رہے۔ لیکن چاروں طرف سے چلائے جانے والے نیزوں اور تیروں کے مسلسل حملوں سے آپ سخت زخمی ہو چکے تھے اور زخموں سے خون کے بہہ جانے کی وجہ سے دست و بازو میں کمزوری محسوس ہونے لگی۔ آپ کے ہاتھ کا سست پڑنا تھا کہ چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں اور چمن فاطمہ زہرا کا یہ گلِ رنگیں اپنے خون میں نہا گیا ؂

کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شر   نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
خیمے سے نکلے کہتے ہوئے آہ مرا پسر   کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

شہزادۂ انور پشت زین سے زمین پر آرہے، رہوار سے گرے ہوئے پکارے یا ابتاہ ادرکنی ابا جان مجھے سنبھالیے مجھ کو لیجیے ؎

جس دم سنی حسین نے یہ جان گزا صدا صابر اگرچہ تھے پر کلیجا الٹ گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا نعرہ کیا کہ اے علی اکبر کروں میں کیا
مل کر غریب و بے کس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

جا کر صفوں کے پاس پکارے بہ اشک و آہ ہے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ
اے ظالمو! یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسم زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

جلاّدوں سے کہتے تھے یہ رو رو کے بتاؤ اکبر ہیں کہاں لاش مجھے ان کی دکھاؤ
یا ان کے برابر مرا لاشہ بھی گراؤ یا قتل کرو یا علی اکبر سے ملاؤ
سیّد ہوں مسافر ہوں کئی دن سے ہوں پیاسا
یارو میں پیمبر کا تمہارے ہوں نواسا

آئے یہ بات کہہ کے جو سلطانِ بحر و بر بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
اٹھا وہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر دیکھا جو زخم منہ کے قریب آ گیا جگر
اکبر تیرے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر جواں یوں جہاں سے جائے اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمہاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

مظلوم کربلا نے اپنے شہزادۂ اقدس کا سر اپنی گود میں رکھا، علی اکبر نے آنکھ کھولی ؎

اکبر نے آنکھیں کھول کر دیکھا رخِ پدر سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر دو بار لی کراہ کے کروٹ ادھر ادھر
دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا ہنگامِ ظُہر تھا کہ لٹا گھر حسین کا

جب جان باز بیٹا آغوش پدر میں اپنی جان اللہ کے حضور پیش کر کے فردوس بریں پہنچا تو مظلوم کربلا نے نعش مبارک زمین کربلا پر رکھ دی اور فرمایا:

قَتَلَ اللّٰہُ قَوْمًا قَتَلُوْكَ يَا بُنَيَّ

''اے میرے فرزند! اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے جنہوں نے تجھے قتل کیا ہے''۔

مَا اَجْرَأَهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَعَلَى انْتِهَاكِ حُرْمَةِ الرَّسُوْلِ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعِفَاءُ

''یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آبرو ریزی پر کس قدر دلیر ہیں میرے بچے تیرے بعد دنیا پر خاک ہے''۔ (طبری ۵/۴۴۶، ابن اثیر: ۳/۱۷۹)

لشکر اعداء میں سے حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک خاتون خیمہ سے دوڑ کر نکلی، وہ اس قدر حسین وجمیل تھی کہ گویا آفتاب نکل آیا۔ اور وہ یہ پکارتی ہوئی آ رہی تھی یا اخیاہ ویا ابن اخاہ، اے میرے بھیا اور اے میرے بھیا کے فرزند، اور وہ بے تابانہ آکر علی اکبر کی لاش پر گر گئی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ ہمشیرۂ حسین زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو ہائے ہائے میری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو کیوں کر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارواں برس تھا کہ موت آ گئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

اسی دل فگار غم گسار پھوپھی نے شہزادۂ امام علی اکبر کو بڑے ناز ونعمت سے پالا تھا۔ روزن خیمہ سے اسی شہزادے کی شہادت کا قیامت خیز منظر دیکھ رہی تھی جب پیارے بھتیجے کو

خاک وخون میں تڑپتا دیکھا، بے تاب ہوگئیں، یارائے ضبط باقی نہ رہا، خیمہ سے باہر نکل آئیں اور بھتیجے کی نعش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں۔ مظلوم کربلا نے دکھیاری بہن کا یہ حال دیکھا تو ہاتھ پکڑ کر خیمہ میں لائے اور فرمایا، اے اہل بیتِ رسول، اللہ تعالیٰ آج تمہارے صبر کی انتہا دیکھنا چاہتا ہے، صبر وضبط سے کام لو اور آج سب کچھ قربان کر کے اس کی رضا حاصل کرلو۔

امام خیمے سے باہر تشریف لائے اور شہزادۂ شہید کی نعش مبارک اور اپنے قلب وجگر کے ٹکڑوں کو اٹھا کر خیمہ کے قریب لا کر رکھ دیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔ میرے معبود! آج تیرے ایک وفادار بندے نے تیری راہ میں سب سے بڑی نذر پیش کر کے سنتِ ابراہیمی پوری کی ہے۔ میرے مولیٰ، میرا یہ ہدیہ قبول فرما۔ رضی اللہ عنہ۔

جوں ہی ستم رسیدہ غم نصیب ماں نے اپنے نورِ نظر کی نعش کو پاش پاش دیکھا، چلّا اٹھی اور کہا ؎

اے جانِ فاطمہ مرا پیارا کہاں گیا — امّاں کی زندگی کا سہارا کہاں گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کہاں گیا — آلِ نبی کی آنکھ کا تارا کہاں گیا
مرتی ہوں اپنے سروِ سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہِ محمد کو دیکھ لوں

معصوم کربلا حضرت علی اصغر

ادھر مجاہدین فی سبیل اللہ ایک ایک کر کے نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت امام پاک پر نثار ہو گئے اور ادھر لشکر اعداء میں اب بھی ہزاروں کی تعداد میں ترکش لگائے، کمانیں چڑھائے، ہاتھوں میں شمشیر وسناں لیے، فرزند رسول کے خون کے پیاسے موجود ہیں۔ ذرا ریحان وراکب دوش رسول، جگر پارۂ بتول سیدنا امام حسین کے جان گسل غم واندوہ کا تصور کیجئے۔ غریب الوطنی میں اور مسافری کے عالم میں ان پر کیا بیت رہی ہے۔ ہزاروں داغ ہائے جگر، ساتھ ہی سیکڑوں انتہائی دل شکن مناظر ہیں، بھوک اور پیاس کا سخت غلبہ ہے۔

انصار اور عزیروں کے فراق کا صدمہ ہے۔ جان نثاروں، قرابت داروں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور بیٹوں کی بے کفن دفن مقدس لاشیں تپتی دھوپ میں جھلس رہی ہیں۔ خیمہ عصمت و طہارت کی بے پناہی و لاوارثی میں اپنی تنہائی کا جان گداز احساس ہے کہ کربلا کا جنگل ان دشمنوں سے بھرا ہوا ہے جن سے اپنے بعد بھی پس ماندگان کے لیے کسی رحم و کرم کی امید نہیں۔ ایسے ہی روح فرسا صدہا خیال ہیں۔ یہ وہ اندوہ گین مصائب و آلام ہیں کہ کسی ایک ذات پر یوں جمع نہیں ہوئے تھے نہ اس سے پہلے چشم فلک نے کبھی دیکھے تھے۔ بلاشبہ نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور جگر گوشہ بتول (رضی اللہ عنہا) نے جس کمال صبر و رضا کا مظاہرہ فرمایا اس کی مثال نہیں ملتی، یہ انہیں کا مرتبہ و مقام اور حصہ و حق تھا اور رب کائنات کی ان پر کمال مہربانی تھی کہ حق کے لیے ان کے عزم و استقلال اور ثبات میں معمولی سی لغزش کجا، زبان پر حرف شکایت بھی نہیں ہے۔

صبح سے اس وقت تک جتنے مجاہد بھی میدان کارزار میں گئے انہوں نے قتل کیا بھی اور خود بھی قتل ہوئے لیکن اب وہ ننھا شیر خوار شش ماہہ مجاہد میدانِ کارزار میں دشمنوں کے سامنے آرہا ہے، جس نے غصے سے کسی کو انگلی بھی نہیں لگائی تھی اور تیوری چڑھا کر کسی کو دیکھا بھی نہ تھا، وہ کیوں آیا؟ صرف اس لیے کہ تاریخ کے صفحات پر اپنے مقدس خون سے اپنی معصومیت و مظلومیت اور ان اشقیاء کی شقاوت و قساوت کی داستان نقش کر دے اور آنے والی نسلوں کو بتا دے کہ ان سنگ دل یزیدیوں نے مجھ جیسے بے جرم و خطا شیر خوار پر بھی کوئی ترس نہیں کھایا اور تین دن کے پیاسے کے حلق میں پانی ڈالنے کی بجائے تیر پیوست کیا۔

معصوم شیر خوار علی اصغر کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ رباب نے امام کی خدمت میں عرض کیا۔ میرے سر کے تاج، فرط غم اور فاقے سے میرا تو دودھ خشک ہو گیا ہے اور پانی کا ایک قطرہ نہیں۔ ذرا اپنے اس لخت جگر کو دیکھو کہ شدت پیاس سے اس کی کیا حالت ہو رہی ہے! مجھ سے تو اس کا رونا تڑپنا دیکھا نہیں جاتا۔ میرا تو کلیجا پاش پاش ہو رہا ہے۔ خدارا اس کو لے جائیے اور ان پتھر دل ظالموں کو دکھائیے۔ اس کی حالتِ زار دیکھ کر ضرور کسی کو رحم آجائے گا، بچوں پر تو ہر کسی کو رحم آجاتا ہے۔ حضرت سیدہ رباب کی درخواست پر امام پاک اپنے

اس پھول علی اصغر کو جو ابھی کھلنے بھی نہ پایا تھا، گود میں اٹھا کر سینے سے لگائے سیاہ دل دشمنوں کے سامنے پہنچے ۔

جب رن میں حسین اصغرِ بے شیر کو لائے　　لختِ جگرِ بانوئے دل گیر کو لائے
جلاّدوں میں اس صاحبِ توقیر کو لائے　　ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پر اٹھایا ہے قمر کو

گر میں بقولِ شمر و عَمرو ہوں گنہ گار　　یہ تو نہیں کسی کے بھی آگے قصور وار
شش ماہ و بے زبان نبی زادہ شیر خوار　　ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بے قرار
سِن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

ان پھول سے رخساروں کے کُمہلائے کو دیکھو　　گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو　　غش آنے کو اور سانس الٹ جانے کو دیکھو
ناحق ہے عداوت تمہیں نازوں کے پلے سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گا گلے سے

فرمایا، اے قومِ جفا کار! میں تمہارے نبی کا نواسا ہوں اور یہ طفل صغیر میرا لختِ جگر ہے اگر تمہارے زعم باطل میں میں مجرم ہوں تو اس بچے کا تو کوئی جرم نہیں، اس کو تو پانی پلا دو، دیکھو شدت پیاس سے اس کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ دشمنو! میرے ہاتھ میں پانی کا پیالہ نہ دو شاید تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ اس میں سے میں بھی پی لوں گا۔ پانی کے دو قطروں سے اس کا خشک گلا تر ہو سکتا ہے اور چند قطروں سے بہتے ہوئے دریائے فرات میں کوئی کمی نہیں آ جائے گی۔ بچوں پر تو کافروں کو بھی ترس آ جاتا ہے اور تم تو مسلمان کہلاتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ بچہ کون ہے ۔

یہ کون بے زبان ہے تمہیں کچھ خیال ہے　　دُرِّ نجف ہے بانوئے بے کس کا لال ہے
لو مان لو تمہیں قسمِ ذوالجلال ہے　　بطحا کے شاہ زادے کا تم سے سوال ہے

تم کو قسم ہے روحِ رسالت مآب کی
ٹپکا دو اس کے حلق میں دو بوند آب کی

افسوس صد افسوس! سنگ دل جفا کار تیرہ بختوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور ان کو ذرا رحم نہ آیا۔ بجائے پانی کے ایک بد بخت شقی ازلی حرملہ بن کاہل اسدی نے نشانہ لے کر اس زور سے ایک تیر مارا جو علی اصغر کا حلق چھیدتا ہوا امام پاک کے بازو میں بیٹھ گیا۔

امام پاک نے وہ تیر کھینچا، خون کا فوارہ ہم راہ پیکان برآمد ہوا۔ امام پاک نے بچے کا گرم گرم لہو اپنے چلّو میں لیا اور جانبِ فلک پھینکا اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُشْھِدُكَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ

''اے اللہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر میں تجھے گواہ بناتا ہوں''۔

پروردگار عالم! جس راہ میں اس وقت میں گام زن ہوں اس کی سخت کٹھن منزلیں تیری رحمت ہی سے آسان ہو رہی ہیں۔

وہ دیکھ دست امامت پہ شیر خوار کی لاش　　وہ دیکھ پھر بھی کہیں ڈگمگا سکے نہ قدم

بچے نے ایک جھرجھری سی لی اور مظلوم باپ کے ہاتھوں میں تڑپ کر جان دے دی۔ مظلوم باپ نے ننھے شہید کو چوما اور ہاتھ میں لگے ہوئے خون سے ریش مبارک کو خضاب کر کے فرمایا: میرے چاند تم چلو میں بھی اسی ہیئت میں تمہارا خون مونھ پر ملے تمہارے پیچھے نانا جان کے پاس آتا ہوں اور ان کو دکھاتا ہوں کہ ان جفا کار امّتیوں نے تمہارا اور میرا کیا حال کیا ہے۔

ادھر خیموں میں بی بیوں کو گمان تھا کہ بے رحم سنگ دل بچے کی حالت زار پر ضرور ترس کھائیں گے اور پانی پلا دیں گے، لیکن جب انہوں نے اس شگوفہ آرزو کو بھی امام کے ہاتھوں میں خون سے رنگین پایا تو ان کے جگر چھلنی ہو گئے ۔

کیا یہی انصاف ہے اک بوند پانی کے عوض　　حلق اصغر میں عدو کا تیر ہونا چاہیے

امام نے ننھے شہید کو علی اکبر کے پاس لٹا دیا۔ جوں ہی ماں نے اپنی گود میں تڑپنے والے کو خاک کربلا پر سکون سے لیٹا دیکھا تو کہا:

اے زمینِ کربلا یہ تو بتا کیا ہو گیا بے زباں اصغر تیری گودی میں کیسے سو گیا

ہوسکتا ہے معصوم علی اصغر شدت پیاس سے نہیں شوق شہادت میں بے تاب ہوں اور دوسری طرف وہ بد بخت معصوم علی اصغر کے قتل کو شاید اپنا کارنامہ سمجھ رہے ہوں مگر چھ ماہ کے اس جنتی پھول نے اپنی جان دے کر یہ بتا دیا کہ لشکر یزید میں شامل بد بخت انسانیت سے بھی عاری ہو گئے تھے اور انہوں نے ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی ۔

تیر اصغرِ معصوم پہ اعدا نے لگایا، فریاد خدایا
بے دردی و بے رحمی سے ہے خون بہایا، فریاد خدایا
کس طرح جگر اس کے محبوں کا نہ شق ہو کیوں کر نہ قلق ہو
تڑپا کیا بے چین رہا پانی نہ پایا، فریاد خدایا
بچوں پہ ترحم کی نظر رسم جہاں ہے مشہور و عیاں ہے
افسوس لعینوں نے ذرا ترس نہ کھایا، فریاد خدایا
پانی کے لیے پیاسے تڑپتے رہے سادات اور مانگا تو ہیہات
بے دینوں نے آب دم شمشیر پلایا، فریاد خدایا
سچ ہے غم فرزند اٹھائے نہیں اٹھتا یہ سب پہ ہے بالا
ٹوٹی ہے کمر ہائے یہ صدمہ جو اٹھایا، فریاد خدایا
پھٹتا ہے جگر کیا کریں تدبیر بھلا ہم، دارو ہے نہ مرہم
یہ زخم تو کاری دلِ مجروح پہ کھایا فریاد خدایا
کہتے ہیں شقی آپ جو بیعت نہ کریں گے ہم پانی نہ دیں گے
ہے آلِ محمد کو لعینوں نے ستایا، فریاد خدایا

☆☆☆

☆☆☆

حشر تک چھوڑ گئے اک درخشندہ مثال
حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسان حسین

سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطب الاقطاب شیخ الاسلام والمسلمین، برہان الشرع والدین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دراں روز کہ امیر المومنین حسین شہادت خواہد یافت آں شب بزرگے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا را درخواب دید کہ باہمگی زنانِ انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین آمدہ است دامن مبارک در کمر بستہ در دشت کربلا ہمان جا کہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ، شہادت خواہد یافت جاروب می دہد و بآستین مبارک خود پاک میکند پرسیدند اے خاتون قیامت واے شفیع روز محشر ایں چہ مقام است کہ بآستین مبارک پاک میکنی گفت ایں مقامے است کہ حسین غریب ما این جا سر خواہد داد و شہادت خواہد یافت

(راحۃ القلوب، صفحہ ۵۹)

جس روز امیر المومنین حضرت حسین نے شہادت پائی اسی رات ایک بزرگ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام کی عورتوں کے ساتھ آئیں اور دامن مبارک کمر سے باندھے ہوئے دشت کربلا جہاں کہ امیر المومنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تھی جھاڑو دے رہی تھیں اور اپنی آستین مبارک سے پاک وصاف کر رہی ہیں۔ پوچھا گیا کہ اے خاتون قیامت اور اے شفیع روز محشر یہ کون سا مقام ہے جس کو آپ نے اپنی آستین مبارک سے صاف کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ مقام ہے جہاں ہمارا مسافر حسین سر دے گا اور شہادت پائے گا

وہ سبطِ مصطفیٰ کی شہادت کی رات تھی
زہرا و مرتضیٰ پہ قیامت کی رات تھی

تاج دار کربلا سیدنا امام حسین

اب راکبِ دوشِ رسول، نور دیدۂ بتول، لختِ دلِ علی مرتضیٰ، راحتِ جانِ حسن مجتبیٰ جنت کے نوجوانوں کے سردار، عاشقوں کے قافلہ سالار، آل رسول کی آنکھوں کے تارے ٹوٹے ہوئے دلوں کے سہارے، پیکر صبر و رضا، شہید دشتِ کربلا، مومنوں کے دل کے چین، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت آ گیا ہے۔

اب قیامت غم والم بر پا ہونے والی ہے۔ اب کائناتِ ارضی وسماوی میں صفِ ماتم بچھنے والی ہے۔ اب زمین وآسمان خون کے آنسو روئیں گے۔ اب وہ کرب انگیز لمحات آنے والے ہیں جن کے تصور سے دنیائے اسلام لرزہ بر اندام ہو جائے گی۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ شہزادۂ کونین جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے سینے مبارک پر سلاتے، کندھوں پر بٹھاتے اور اپنی زبان مبارک چوساتے تھے، وہ جانِ جگر نواسا جس کا اپنی مہربان ماں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رو پڑنا نبیوں کے سردار کو بے قرار کر دیا کرتا تھا، وہ ناز کا پالا جس کے پشتِ اقدس پر چڑھ جانے کی صورت میں سرور کونین سجدوں کو طویل فرما دیا کرتے تھے، جس کا پشت مبارک سے گرنا رسولوں کے تاج دار کو گوارا نہیں تھا، وہ فرزند رسول جس کی عقیدت ومحبت ہر مسلمان پر فرض ہے، جس کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام ہر مسلمان پر لازمی وضروری ہے، جس کے ساتھ محبت رکھنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ محبت رکھنا ہے اور جس کو ستانا اور اذیت پہنچانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اذیت پہنچانا ہے، اس کو اس کے اہل و عیال کے سامنے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے گھائل کر کے گھوڑے سے نیچے گرایا جائے گا اور اس کی مقدس نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا جائے گا، خیمے جلائے جائیں گے اور رسول زادیوں کا سب ساز وسامان لوٹ لینے کے بعد ان کو قیدی بنا لیا جائے گا۔ ہائے افسوس ؎

جن کے صدقے ہوئے آزاد صدیوں کے اسیر ۔۔۔ کیا انہیں کو بستۂ زنجیر ہونا چاہیے

چناں چہ تاج دار کربلا اپنے تمام کنبہ، قبیلہ، عزیز واقارب اور اعوان وانصار، راہِ حق میں نثار کرنے کے بعد اب اپنی جان کی نذر اپنے معبود برحق کی بارگاہ اقدس میں پیش کرنے

کا عزم فرماتے ہیں اور خیمہ اہل بیت میں تشریف لے جاتے ہیں، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بیمار بیٹا جس نے سخت بخار کی حالت میں کئی دن بستر پر گزارے تھے، جس کو سفر کی کوفت، بھوک و پیاس کی شدت اور آنکھوں کے سامنے ہونے والے جان کاہ واقعات نے اس قدر کم زور و ناتواں بنا دیا تھا کہ کھڑے ہونے سے بدن مبارک لرزتا تھا، باوجود اس کے نیزہ سنبھالے ہوئے عازم میدان جنگ ہے۔ تاج دار کربلا نے اپنے نور نظر زین العابدین کو اپنی آغوش محبت میں لیا۔ پیار کیا اور فرمایا بیٹا! ابھی تمہارا وقت نہیں آیا، ابھی تو تم نے اپنی ان ماؤں بہنوں کی نگہ داشت کرنی ہے اور ان بے کسانِ اہل بیت کو وطن تک پہنچانا ہے۔ میرے فرزند! اللہ تعالیٰ تم ہی سے میری نسل اور حسینی سادات کا سلسلہ جاری فرمائے گا۔ دیکھو صبر و ثبات سے رہنا اور راہ حق میں آنے والی ہر تکلیف و مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔ ہر حالت میں نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت وسنت کی پابندی کرنا۔ بیٹا مصائب و آلام سہتے ہوئے جب کبھی مدینہ منورہ پہنچو تو سب سے پہلے نانا جان کے روضہ انور پر جانا اور نانا جان کو میرا اسلام کہنا، سارا آنکھوں دیکھا حال سنانا پھر میری اماں جان کی قبر پر جانا انہیں بھی میرا اسلام کہنا، میرے بھائی حسن مجتبیٰ کو میرا اسلام کہنا۔ میرے لخت جگر میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو۔ امام پاک نے اپنی دستار مبارک اتار کر زین العابدین کے سر پر رکھ دی اور اس صبر و رضا کے پیکر کو فرش علالت پر لٹا دیا ؎

شفقت والفت میری جتنی ہے اہلِ بیت پر — بعد میرے تم بھی رکھیو بلکہ اس سے بیش تر
یہ امانت سونپتا ہوں تم کو اے جانِ حسین — اتباع مصطفیٰ ملحوظ رکھیو نورِ عین
بے پدر ہونے کا غم دل پر سکینہ کے نہ ہو — رنج تنہائی نہ آئے زینب و کلثوم کو
پنجہ اعداء سے آخر صبر میں ہے مخلصی — رفتہ رفتہ تا وطن تم لوگ پہنچو گے کبھی
واقعاتِ کربلا کی جو حضور حد بیاں — آئی جب نوبت ہماری اس قدر کہیو وہاں
گو بہ تن از بارگاہت بس کہ دور افتادہ ام — لیکن از جاں ہم چناں سر بر درت بنہادہ ام (☆)

☆ ترجمہ:۔ کہنے کو تو میرا جسم رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے بہت دُور ہے لیکن میں اپنی روح سے وہیں ہوں، ان کے در پر میرا سر جھکا ہوا ہے۔

اب امام پاک اپنے خیمہ میں تشریف لائے۔ سامان کھولا۔ قبائے مصری زیب تن فرمائی۔ اپنے نانا جان حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ مبارک سر پر باندھا۔ سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی سپر پشت پر رکھی، اپنے برادر اکبر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا پٹکا اپنی کمر پر باندھا۔ اپنے باپ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی تلوار ذو الفقار حمائل کی شہیدوں کے آقا جنت کے نوجوانوں کے سردار سب کچھ راہ حق میں قربان کر کے اب اپنے سر کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

بی بیوں کے خیموں میں تشریف لائے۔ بی بیوں نے جب اس منظر کو دیکھا تو ان پر بے کسی کی انتہا ہو گئی۔ چہروں کے رنگ اڑ گئے، حسرت و یاس کی خاموش تصویر بنی ان مقدس خواتین کی آنکھوں سے موتی ٹپکنے لگے۔ ادھر امام پاک فرما رہے تھے: لو! تم پر میرا سلام ہو۔ درد میں ڈوبی ہوئی جگر سوز آواز میں بہنوں نے کہا: پیارے بھیا! ازواج کی صدا آئی، سر کے تاج! سکینہ نے کہا بابا! کہاں جا رہے ہو؟ ہمیں اس جنگل میں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو؟ جن درندوں نے علی اصغر جیسے معصوم پر ترس نہیں کھایا وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ فرمایا: اللہ تمہارا حافظ و نگہبان ہے۔ آپ نے صبر کی تلقین فرمائی اور رضائے الٰہی پر صابر و شاکر رہنے کی وصیت کی اور فرمایا ؎

لگ جاؤ گلے تم سے بچھڑتا ہے یہ مظلوم — اللہ کو سونپا تمہیں اے زینب و کلثوم
ہے صبر کا اماں کے طریقہ تمہیں معلوم — اب جاتے ہی خنجر سے کٹے گا مرا حلقوم

مجبور ہیں ناچار ہیں مرضی خدا سے
بھائی نہیں جی اٹھنے کا فریاد و بکا سے

رونا نہ سنو آئے نہ آواز تمہاری — جس وقت مجھے ذبح کرے لشکرِ ناری
کرتے ہیں جو صبر ان کی خدا کرتا ہے یاری — بے صبروں کا شیوہ ہے بہت گریہ و زاری

ہوں لاکھ ستم رکھیو نظر اپنی خدا پر
اس ظلم کا انصاف ہے اب روز جزا پر

آپ کی بہت پیاری بیٹی حضرت سکینہ آ کر آپ سے لپٹ گئی اور چلّاتے ہوئے کہا، بابا اگر آپ چلے گئے تو میں بابا کہہ کر کس کو پکاروں گی؟ میرے سر پر محبت وشفقت سے کون ہاتھ پھیرا کرے گا۔ امام پاک نے سکینہ کو گود میں اٹھالیا، پیار کیا اور اپنی بہن حضرت زینب کی گود میں دیتے ہوئے فرمایا، زینب یہ میری نازوں کی پالی بہت پیاری بچی ہے، اس کو رونے نہ دیا کرنا، اس کو یتیمی کا احساس نہ ہونے دینا، اس کو میری نعش کے پاس نہ آنے دینا۔ زینب نے کہا میری ماں جائے، آج سکینہ ہی یتیم نہیں ہو رہی آج ہم سب بے سہارا اور یتیم ہو رہے ہیں۔ کاش! ہمیں موت آ گئی ہوتی اور ہماری آنکھیں اس روح فرسا منظر کو نہ دیکھتیں۔ بھیا آپ کے بغیر اور آپ کے بعد آخر ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو، ہم بھی آپ کے دوش بدوش لڑ کر اپنی جانیں فدا کریں گی۔ فرمایا، میری بہن! تم صابروں کی اولاد ہو، قضا وقدرِ الٰہیہ پر صابر وشاکر رہو اور زبان پر کوئی حرفِ شکایت نہ آنے دو۔ یہ دنیا ایک سرائے فانی ہے اور دارآخرت ہی باقی اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔ دنیا یوم چند آخر با خداوند۔ سنو میری بہن!

ہمارے شفیق نانا اللہ کے رسول تشریف لے گئے۔ پھر اماں جان سیدہ عالم داغ جدائی دے گئیں۔ بابا کے سر کا زخم تین دن آنکھوں سے دیکھا وہ بھی لحد میں جا چھپے۔ بھائی حسن کے جگر کے ٹکڑے تم نے اور ہم نے طشت میں دیکھے اور صبر کیا، اب میرے معاملے میں بھی صبر کرو، تم نے تو ابھی آنے والے شدید ترین مصائب پر بھی صبر کی مہر لگانی ہے۔ پھر آپ نے ایک ایک بی بی کا نام لے کر سلام کیا اور صبر وضبط کی وصیت فرمائی۔ دکھے ہوئے مجروح دل جدائی کے تصور سے پاش پاش ہو رہے تھے۔ حسرت بھری نگاہیں پر نور چہرے کا دیدار کر رہی تھیں۔ آہ صد آہ چند لمحات کے بعد یہ جلوے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہونے والے ہیں۔ امام نے خدا حافظ کہا اور خیمہ سے نکلے۔

کہہ کر یہ سخن شاہ چلے خیمہ کے باہر　　اس وقت بپا ہو گیا ہنگامہ محشر
چلّا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے مرے سرور　　کہتی تھی کوئی اب نہیں آئیں گے برادر

بابا کو قسم دے کے بلاتی تھی سکینہ
روتی ہوئی پیچھے چلی آتی تھی سکینہ

چلّاتی تھی قربان ہو بیٹی چلے آؤ　　مر جاؤں گی بابا مجھے تم چھوڑ نہ جاؤ
صدقے گئی ننھا سا مرا دل نہ دکھاؤ　　بے تاب ہوں مڑ کے مجھے صورت تو دکھاؤ

شہ کہتے تھے ماں پاس رہو نکلو نہ تم گھر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

مظلوم کربلا نے دائیں بائیں نگاہ کی تو تمام میدان ان جان نثاروں سے خالی پایا جو ہر وقت رکاب نصرت میں حاضر رہتے تھے اور سواری کے وقت رکاب گردانی کرتے تھے۔ حضرت زینب نے دیکھا کہ بھائی کو کوئی سوار کرانے والا نہیں ہے، تو پکاری، اے راکبِ دوشِ رسول! رکاب داری کی خدمت کو کوئی نہیں تو مایوس نہ ہونا، رسول اللہ کی نواسی اس خدمت کے لیے حاضر ہے ؎

زینب نے پکارا مرے ماں جائے برادر　　نا شاد بہن لینے رکاب آئے برادر
اب کوئی مددگار نہیں ہائے برادر　　صدقے ہو بہن گر تمہیں پھر پائے برادر

کس عالم تنہائی میں سید کا سفر تھا　　بھائی نہ بھتیجا نہ ملازم نہ پسر تھا

تاج دار کربلا سوار ہوئے اور میدان کی طرف رخ کیا ؎

خیمہ کی طرف مڑ کے یہ کرتے تھے اشارا　　زینب بہن اللہ نگہ بان تمہارا
گر روضۂ انور پہ گزر ہووے قضارا　　نانا سے مرا صبر بیاں کیجیو سارا

وہ کہتی تھی اللہ نہ لے جائے وطن میں
ہم شیر کو پہلو ہو نصیب آپ کا رن میں

ہم شیر نے لاشوں کو اٹھانا ترا دیکھا　　مردہ لیے معصوم کا آنا تیرا دیکھا
ہونٹوں پہ زباں خشک پھرانا ترا دیکھا　　اکبر کے لیے اشک بہانا ترا دیکھا

ہر چند بہادر مرے بابا بھی بڑے تھے
پیاسے کبھی چوبیس پہر کے نہ لڑے تھے

سیدہ زینب کہہ رہی تھیں ؎

اے اہل جہاں آج کے دن کرلو زیارت — دنیا سے محمد کے نواسے کی ہے رحلت
یہ شکل نہ آئے گی نظر پھر کسی صورت — سمجھو پسرِ فاطمہ زَہرا کو غنیمت

ڈھونڈو گے تو شبیر سا آقا نہ ملے گا
پھر تم کو محمد کا نواسا نہ ملے گا

امام پاک میدان کربلا میں باطل کی تاریکیوں میں حق وصداقت کا آفتاب بن کر چمکے اوراپنے ذاتی ونسبی فضائل پر مشتمل ایک رجز پڑھا ؎

اَنَا ابْنُ عَلِیّ الخَیرِ من اٰلِ ھَاشِمٍ — کَفَانِی بِھٰذَا مفخَرًا حِینَ اَفخَرُ
بودہ ام ابن علی از آل ہاشم باوقار — ایں قدر کا فیست مارا اعتبار و افتخار
وَجَدِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اَکرَمُ مَن مَشٰی — وَ نَحْنُ سِرَاجُ اللّٰہِ فِی النَّاسِ اَزْھَرُ
جدّمن باشد رسول اللہ محبوب خدا — برسر فرش زمین ہستم چراغ کردگار
وَفَاطِمَۃٌ اُمِّی سُلَالَۃُ اَحمَدٍ — وَ عَمِّی یُدعَی ذَا الْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ
مادرم زہرا ست بنت مصطفی وعمّ من — جعفر طیار ملک مکرمت را تاج دار
وَفِیْنَا کِتَابُ اللّٰہِ اُنزِلَ صَادِقًا — وَفِینَا الھُدٰی وَالْوَحْیُ وَالْخَیْرُ یُذْکَرُ
درمیان ما کتاب اللہ نازل بودہ است — ذکرحق وحی و رشد خیر جملہ یادگار(☆)

(الصواعق المحرقہ،سمط النجوم العوالی ص185/3)

اتمام حجت

پھرفرمایا، اے لوگو! تم جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہو یہ اسی رسول کا ارشاد

☆ ترجمہ:۔ میں آل ہاشم سے حضرت علی کا باوقار فرزند ہوں۔ میرے اعتبار وافتخار کے لیے اتنا ہی کافی ہے، میرے ہی جدّ مکرّم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، ہم زمین پر اللہ تعالیٰ کے چمکتے ہوئے چراغ ہیں۔ میری ہی والدہ حضرت فاطمہ زہرا ہیں رسول پاک کی پیاری بیٹی، میرے ہی چچا حضرت جعفر طیار ہیں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ہم میں ہی اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب نازل ہوئی ہے، ذکرِحق، وحی اور ہدایت اور بھلائی کی جملہ باتیں ہمارے ہی حوالے سے یادگار ہیں۔

ہے کہ حسن و حسین میرے دونوں نواسے جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں۔ تم میں کون ہے جو اس حدیث کا انکار کرتا ہے۔ بے غیرتو! ذرا شرم کرو اور اگر خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو تو سوچو کہ اس سمیع و بصیر، شاہد و شہید خدا کو کیا جواب دو گے۔ اور محسن اعظم نور مجسم، رحمت عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا مونھ دکھاؤ گے۔ اپنے رسول کا گھر اجاڑنے والو، اگر قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اپنے انجام پر نظر کرو۔ بے وفاؤ! تم نے مجھے خطوط لکھے، میرے پاس قاصد بھیجے اور کہا کہ ہماری راہ نمائی کیجیے ورنہ ہم خدا کے حضور آپ کا دامن پکڑ کر شکایت کریں گے۔ میں نے تم پر اعتماد کیا اور چلا آیا۔ بے شرمو! تمھیں تو چاہیے تھا کہ میری راہ میں آنکھوں کا فرش بچھاتے، میرے پاؤں کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بناتے اور حسب وعدہ سب کچھ مجھ پر نثار کرتے مگر تم نے اس کے بالکل برعکس میرے ساتھ ایسا برا سلوک کیا کہ مظالم کی انتہا کر دی۔ ظالمو! تم نے میری آنکھوں کے سامنے چمنِ زَہرا کے لہلہاتے ہوئے پھولوں کو کاٹا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑوں کو خاک و خون میں تڑپایا۔ میرے اعوان و انصار کو قتل کیا، اب تم مجھے بھی ذبح کرنا چاہتے ہو، اب بھی وقت ہے غیرت و شرم سے کام لو اور میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرو، میرے قتل کا وبال اپنی گردن پر نہ لو۔ بولو کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا آپ یزید کی اطاعت قبول کرلیں ورنہ بہ جز جنگ کے کوئی چارہ نہیں۔ آپ کو معلوم تھا کہ میری باتوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوگا کیوں کہ ان کے قلوب پر مہریں لگ چکی ہیں۔ شقاوت انتہا کو پہنچ چکی ہے لیکن آپ نے یہ باتیں حجت قائم کرنے کے لیے فرمائی تھیں تا کہ ان کے پاس کوئی بھی عذر باقی نہ رہے۔

اب آفتاب نبوت کا نور نظر، شہنشاہ ولایت کا لخت جگر، مخدومہ کائنات خاتون جنت کے دل کا چین، پیکر صبر و رضا سیدنا حسین بھوک و پیاس کی حالت میں دوستوں اور عزیزوں کی جدائی کے زخم دل پر لیے ہوئے، کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر بیس ہزار کے لشکر جرار کے سامنے کھڑے یہ فرما رہے تھے کہ اگر تم کسی طرح خون ناحق سے باز آنے والے نہیں ہو تو آؤ اپنی مراد پوری کرو اور میرے خون سے اپنی پیاس بجھاؤ اور اپنے بہترین بہادروں اور جنگ جوؤں کو ایک ایک کر کے میرے مقابلے میں بھیجتے جاؤ اور قوت ربانی اور شجاعت حسینی

اور ضربات حیدری کے مظاہرے دیکھتے جاؤ۔

چناں چہ مشہور جنگ جو اور بہادر افراد جن کو سخت وقت کے لیے محفوظ رکھا گیا تھا، ان میں سے تمیم بن قحطبہ پوری تیاری کے ساتھ اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہوا اور غرور و تکبر کے کلمے کہتا ہوا آپ کے مقابلہ پر آیا اور خون مونھ کو لگے ہوئے چیتے کی مانند آپ پر جھپٹا آپ نے برق خاطف کی طرح تیغ براں چمکا کر اس کا سر مثل خیام خام جسم سے اڑا دیا اور اس کے غرور شجاعت کو خاک میں ملا دیا۔ یہ دیکھ کر جابر ابن قاہر قمی بڑے کروفر اور لاف گزاف کے ساتھ آگے بڑھا اور ایک نعرہ مار کر کہنے لگا کہ بہادرانِ شام و عراق میں میری شجاعت اور بہادری کے چرچے ہیں، کسی میں میرے مقابلے کی تاب نہیں، سپاہ شام کا یہ سرکش گستاخ جب حضرت امام کے سامنے آیا تو آپ پر تلوار کا وار کیا۔ آپ نے اس کا وار بچا کر سیف براں کا ایک ایسا وار اس پر کیا کہ اس کا بازو کٹ کر زمین پر جا پڑا، پشت پھیر کر بھاگنے لگا، ملک الموت نے اس کا راستہ روک لیا اور امام پاک نے دوسری ضرب لگا کر اس کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔

بدر بن سہیل یمنی غصے سے لال پیلا ہوتا ہوا عمرو بن سعد سے کہنے لگا، کن بزدلوں اور شجاعت کا نام بدنام کرنے والوں کو حسین کے مقابلے میں بھیج رہے ہو، جو دو ہاتھ بھی جم کر مقابلہ نہیں کر سکے۔ میرے چاروں بیٹوں میں سے جسے چاہو اب میدان میں بھیج دو اور پھر دیکھو کہ مجھ سے سیکھے ہوئے میرے یہ فرزند آج کس طرح فن حرب کا مظاہرہ کرتے ہیں! عمرو بن سعد نے بدر کے بڑے فرزند کو اشارہ کیا، وہ گھوڑا اڑاتا ہوا امام پاک کے مقابل آیا۔ امام پاک نے فرمایا بہتر ہوتا کہ تیرا باپ میدان میں آتا تاکہ وہ تیری بدبختی کا تماشا نہ دیکھتا۔ یہ فرما کر تیغ خون آشام سے ایک ہی وار اس پر ایسا کیا کہ اس کا کام تمام کر دیا۔ بدر نے جب اپنے بیٹے کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھا، اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ غیظ و غضب کا پتلا بن کر نیزہ ہلاتے ہوئے میدان میں نکلا اور آپ پر وار کیا، آپ نے اپنی ڈھال پر اس خوب صورتی سے اس کے وار کو روکا کہ یک لخت اس کے نیزے کی انی ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی، بدنصیب نے خالی ڈنڈے کو غصے سے زمین پر دے مارا اور تلوار

سنبھال لی۔ حضرت امام پاک نے فرمایا، لاف زنی اور چیز ہے شجاعت اور چیز، ہوشیار اب تیرا کام بھی تمام ہونے والا ہے یہ کہہ کر صاحبِ شق القمر کے لختِ جگر نے تکبیر کہی اور تلوار آب دار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس جنگ جو بدر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

اسی طرح نئے نئے شمشیر زن، نیزے باز، بہادران شام و عراق شیر کی طرح گرجتے اور ہاتھی کی طرح چنگھاڑے ہوئے حضرت امام عالی مقام کے مقابل آتے رہے، مگر جو بھی سامنے آیا زندہ واپس نہیں گیا۔ شیر خدا کے لال نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ زمین کربلا میں بہادرانِ کوفہ و شام کا کھیت بو دیا۔ نام ورانِ صف شکن کے تازہ تازہ خون سے زمین مقتل کو لالہ زار بنا دیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے ؎

آئی ندائے غیب کہ شبیر مرحبا — اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو، یہ جنگ، یہ توقیر مرحبا — دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر — بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

لشکر اعداء میں شور برپا ہو گیا کہ اگر جنگ کا انداز یہی رہا تو حیدر کا یہ شیر کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا، بس مصلحت وقت یہی ہے کہ چاروں طرف سے گھیر کر یک بارگی حملہ کرو ؎

ناگاہ ابن سعد نے لشکر کو دی ندا — کیسے جری ہو کچھ بھی ہے یارو تمہیں حیا
نرغے میں لو حسین کو اب دیکھتے ہو کیا — اک بار ہر طرف سے پڑیں حربۂ قضا
دم لینے دو نہ فاطمہ کے نورِ عین کو
سینے پہ نیزے رکھ کے گرا دو حسین کو (معاذ اللہ)

یہ سن کر مستعد ہوئے وہ سارے نابکار — پہلو میں آئے تان کے نیزوں کو نیزے دار
سینہ کے آگے تیر زنوں نے کیا قرار — پتھر لیے یمین و یسار آئے دو ہزار
پیدل سوار، گرد سب اس آن ہو گئے
بے کس کے قتل ہونے کے سامان ہو گئے

چناں چہ زہرا کے چاند پر جور و جفا کی تاریک گھٹا چھا گئی۔ ہزاروں جوان دوڑ پڑے اور حضرت امام عالی مقام کو گھیرے میں لے لیا۔ آپ نے فرمایا ظالمو! اگر تم نے ابن زیاد

اور یزید کی خوش نودی کی خاطر اولاد رسول کا خون بہانا ضروری سمجھ لیا ہے تو اولاد رسول نے بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش نودی اور دین اسلام کی حفاظت کے لیے سب کچھ قربان کرنے کی ٹھان لی ہے ۔

یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھے برچھیوں والے | اور آئے پس پشت سواروں کے رسالے
دہنے کو پیادے گئے تلواریں نکالے | زہرا کے جگر بند پہ چلنے لگے بھالے
غل تھا کہ کرو ٹکڑے محمد کے جگر کو | گھوڑے پہ سنبھلنے نہ دو زہرا کے پسر کو (معاذ اللہ)

حضرت امام عالی مقام ان خون خواروں کے انبوہ میں اپنی تیغ خارا شگاف کے جوہر دکھا رہے تھے۔ جس طرف گھوڑا بڑھاتے پرے کے پرے کاٹ ڈالتے۔ دشمن ہیبت زدہ ہو گئے اور حیرت میں آ گئے۔

عبداللہ بن عمار ایک لشکری کا بیان ہے:

فو اللہ ما رایت مکسورا قط قد قتل ولدہ و اھل بیتہ و اصحابہ اربط جاشا ولا امضیٰ جنانا ولا اجراء مقدما منہ واللہ ما رایت قبلہ ولا بعدہ مثلہ ان کانت الرجالۃ لتنکشف من عن یمینہ و شمالہ انکشاف المعزی اذا اشد فیھا الذئب

(طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۵۹)

خدا کی قسم! میں نے کسی ایسے بے کس اور بے بس جس کی اولاد اور اہل بیت اور اصحاب سب قتل ہو چکے ہوں اس جرأت دلیری اور بہادری سے نہ کبھی پہلے نہ ان کے بعد لڑتے ہوئے ہرگز نہیں دیکھا جس طرح حسین کو دیکھا ان کے حملہ سے ان کے دائیں بائیں کے لوگ اس طرح بھاگتے جس طرح بھیڑیے کے حملہ سے بھیڑ بکریاں بھاگتی ہیں۔

حضرت امام پاک لڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، میرے قتل کے لیے جمع ہونے والو! خدا کی قسم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کے غضب کا باعث ہوگا۔ خدا مجھ کو اعزاز بخشے گا اور تمہیں ذلیل کرے گا اور جب تک تم پر سخت عذاب نازل نہ کرے گا راضی نہ ہوگا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۰)

باوجود اس کے کہ تین دن کے پیاسے اور صدموں سے چور چور تھے اپنی شہادت کے بعد مخدرات عصمت وطہارت کی اسیری و بے کسی کا خیال بھی دامن گیر تھا، مگر قربان جائیں آپ کے صبر واستقلال کے اور سرشاری شوق شہادت کے، کہ باطل کے سامنے کسی کم زوری کا مظاہرہ نہیں فرمایا اور ثابت کر دیا کہ میری رگوں میں خونِ رسول ہے اور میرے بازوؤں میں قوت حیدر ہے۔ میرے جیسا کوئی شہ سوار نہیں ہے کیوں کہ میں نے دوش رسول پر سواری کی ہوئی ہے۔ میرے جیسا کوئی بہادر نہیں ہے اس لیے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شجاعت بخشی ہوئی ہے۔ میں مظہرِ شجاعتِ رسول ہوں۔

الغرض! ابن سعد اور اس کے مشیروں نے یہ دیکھ کر کہ اکیلے امام پاک نے نام وران کوفہ اور بہادرانِ شام کی عزت وشجاعت کو خاک میں ملا دیا ہے، یہ تجویز کی کہ دست بدست جنگ کی بجائے امام پر چاروں طرف سے تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب امام خوب زخمی ہو جائیں تو نیزوں کے حملے سے تن نازنین کو ہدف بنایا جائے۔ چناں چہ ان اشقیا کے حکم سے تیر اندازوں نے ہر چہار طرف سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں قوت وہمت نہ رہی، ناچار حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ اب ہر طرف سے تیر آ رہے تھے اور امام مظلوم کا تن اقدس ہدف بنا ہوا تھا۔ ظالموں نے آپ کے نورانی جسم کو زخموں سے پارہ پارہ اور لہولہان کر دیا۔ ایک مردود ابوالحنوق کا تیر پیشانی مبارک پر لگا، وہ پیشانی جو بارگاہ بے نیاز میں جھکنے والی اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوسہ گاہ تھی، شگافتہ ہو گئی، اس کے خون سے چہرۂ انور سرخ ہو گیا آپ نے مونھ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا بدبختو! تم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا بھی خیال نہ کیا۔ گویا اب جنت کے دولہا اور مسند شہادت کے شہ نشین نے خون رواں کا سہرا باندھ لیا تھا اور زخموں کے ہار گلے میں ڈال لیے تھے اور ادھر حوران بہشتی فردوس بریں کے جھروکوں سے اس جوانان جنت کے سردار کو جھانک رہی تھیں۔ حوض کوثر نے اپنے ٹھنڈے اور شیریں جام اس تین روز کے پیاسے کے لیے تیار کر رکھے تھے۔ انبیا و اولیاء اور شہداء کی ارواح مقدسہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے سید الشہداء کے استقبال کے لیے ہمہ تن تیار تھیں۔

جنت الفردوس کی تزئین و آرائش ہو رہی تھی ؎

بہاروں پر ہیں آج آرائشیں گلزار جنت کی
سواری آنے والی ہے شہیدانِ محبت کی

اتنے میں خولی بن یزید اصبحی نے سینہ بے کینہ پر ایک تیر ایسا مارا کے قلب اقدس میں پیوست ہو گیا۔ اب راکب دوشِ پیمبر کو گھوڑے پر قرار دشوار ہو گیا۔ ہاتھوں سے لجامِ فرس چھوٹ گئی۔ اور امام عرش نشین بہت بے دردی سے صدر زین سے فرش زمین پر گرا دیئے گئے۔ شمر لعین نے عارض مبارک پر تلوار ماری اس کے بعد بدبخت سنان بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر ایک نیزہ مارا کہ تن اقدس کے پار ہو گیا ؎

تشنہ لب ذرّوں پہ خونِ مشک بو بہنے لگا
خاک پر اسلام کے دل کا لہو بہنے لگا

اور ریحان روضہ رسالت، یاسمین گلشن ولایت، گلدستہ باغ لافتیٰ، لالۂ شائستہ چمن ہل اتی، یادگار خاندان نبوت، سلالہ دودمانِ رسالت، شہزادۂ کونین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر واصل بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

شمشیر بکف قاتل ہو کھڑا اور کوئی رہے سجدے میں پڑا
کہتی ہے زمین کرب و بلا اس شان کا سجدہ کھیل نہیں

جان نثار بہن سیدہ زینب یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر خیمہ سے نکل آئیں اور چلّاتی ہوئی دوڑیں۔ آہ! میرے بھائی میرے سید! کاش آسمان زمین پر پھٹ پڑتا۔ اس وقت ابن سعد حضرت امام کے پاس کھڑا ہوا تھا، اس سے کہنے لگیں اے عمرو بن سعد! ابو عبداللہ قتل کیے جا رہے ہیں اور تو دیکھ رہا ہے۔ گو ابن سعد کی آنکھوں پر جاہ و حشمت کی حرص و طمع نے پردے ڈال دیئے تھے پھر بھی قرابت تھی، سیدہ زینب کی فریاد سن کر اور حالت دیکھ کر بے اختیار رو دیا کہ رخساروں پر آنسوؤں کی لڑی رواں ہو گئی اور فرط خجالت سے سیدہ زینب کی طرف سے مونھ پھیر لیا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۵۹)

شقی ازلی خولی بن یزید حضرت امام کے سر انور کو جسد اطہر سے جدا کرنے کے لیے

بڑھا۔ لیکن ہاتھ کانپ گئے، تھرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بھائی ہشل بن یزید پلید نے گھوڑے سے اتر کر سر مکرم کو جسد معظم سے جدا کر کے اپنے بھائی خولی کے حوالے کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مردود ازلی سنان ابن انس نخعی ہی نے سر انور کو جسم اطہر سے جدا کیا اور بعض کہتے ہیں شمر لعین جو کوڑھی تھا، اس نے سر مبارک کو کاٹا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک ابلق کتا میرے اہل بیت کے خون میں مونھ ڈالتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کی تعبیر پچاس برس کے بعد ظاہر ہوئی جب کہ شمر ذی الجوشن ابرص نے حضرت امام کا خون بہایا۔ حضرت محمد بن عمر بن حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حسین کے ساتھ کربلا میں تھے آپ نے شمر کو دیکھ کر فرمایا: اللہ اور اس کا رسول سچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ایک ابلق (چتکبرا، دھبے دار) کتے کو دیکھتا ہوں جو میرے اہل بیت کے خون میں مونھ ڈالتا ہے۔

(کنز العمال: ۳۴۳۲۲، ۳۷۷۱۷، ابن عساکر: ۱۱۵۸۲، تاریخ الخمیس، جلد ۲، صفحہ ۲۹۹)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی اپنے پیارے بھائی کی طرف بڑھیں ؎

القصہ گرتی پڑتی گئیں فوج کے قریں　　آیا نظر نہ فاطمہ زہرا کا مہ جبیں
گھیرے ہوئے تھی چار طرف سے سپاہِ کیں　　چلّائیں راہ دو مجھے اے دشمنانِ دیں
یہ ابن فاطمہ ہے میں زہرا کی جائی ہوں
دیدار آخری کی تمنا میں آئی ہوں

قاتل تو اس طرف کو سر پاک لے چلا　　تڑپا زمین پہ یاں بدنِ شاہ کربلا
طبل ظفر بجانے لگے دشمن خدا　　غل پڑ گیا شہید ہوا ابن مرتضیٰ
کھیتی علی کی کٹ گئی بستی اجڑ گئی
پردیس میں حسین سے زینب بچھڑ گئی

ناگاہ بہن کو آیا نظر لاشۂ امام　　بغلوں میں ہاتھ ڈال کے لپٹی وہ تشنہ کام
رکھ کر کٹے گلے پہ گلا یہ کیا کلام　　اپنی کہی نہ میری سنی ہو گئے تمام

ہائے ہائے یہ مرے آتے ہی بے داد ہوگئی
تم ہو گئے شہید میں برباد ہو گئی

تذکرہ سبط ابن الجوزی میں ہے کہ آپ کے جسد اطہر پر تینتیس زخم نیزوں کے اور چالیس زخم تلوار کے تھے اور آپ کے پیراہن شریف میں ایک سو اکیس سوراخ تیروں کے تھے۔

آسمان تھا زلزلے میں اور تلاطم میں زمین اس سے آگے کیا ہوا مجھ سے کہا جاتا نہیں

بے حیا بد بختوں نے جسم مبارک کے تمام کپڑے اتار لیے اور آپ کو برہنہ کر دیا، چناں چہ آپ کا جبہ خزم عصری کا تھا وہ قیس بن محمد بن اشعث نے تن بے سر سے اتار لیا اور بحر بن کعب نے پاجامہ لیا۔ اسود بن خالد نے نعلین اتار لیں۔ عمرو بن یزید نے عمامہ مبارک لے لیا۔ یزید بن شبل نے چادر لے لی۔ سنان بن انس نخعی نے زرہ اور انگوٹھی اتار لی۔ بنی نہشل کے ایک شخص نے تلوار لے لی جو بعد میں حبیب بن بدیل کے خاندان میں آ گئی۔ اس قدر ظلم وستم کرنے کے بعد بھی سنگ دل اور خونی شامیوں اور کوفیوں کا جذبۂ بغض وعناد ختم نہ ہوا۔ بدبختوں نے حضرت امام کے جسد اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر کے ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ اس بہیمانہ شقاوت کے بعد لٹیروں نے پردہ نشینان عفاف کے خیموں میں داخل ہو کر اہل بیت کا سارا سامان لوٹ لیا۔ (طبری، جلد ۵، صفحہ ۴۵۳)

اس شقاوت و سنگ دلی پر زمین کانپ اٹھی۔ عرش الٰہی تھرا گیا۔ زمین و آسمان خون کے آنسو روئے، شجر و حجر سے نالہ وشیون کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جن وانس اور ملائکہ آسمانی میں صف ماتم بچھ گئی ۔

اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں لعنۃ اللہ علیکم دشمنان اہل بیت

کربلا کے بیابان میں ظلم و جفا کی آندھی چلی۔ مصطفائی چمن کے غنچہ وگل بادسموم کی نذر ہو گئے۔ علی کا گھر تاراج ہو گیا۔ زہرا کا لہلہاتا باغ اجڑ گیا۔ ریاض نبوی کا گل سرسبد مسلا گیا اس غریب الوطنی میں بچے یتیم اور بی بیاں بیوہ ہو گئیں اور ان کو اسیر بنا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ ھ جمعہ کے روز ہوا۔

حضرت امام پاک کی عمر شریف اس وقت ۵۶ سال ۵ ماہ اور ۵ دن کی تھی (سوانح کربلا) (☆)۔ اس صادق جان باز نے اپنے نانا جان کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کیا۔ دین حق پر قائم رہ کر اپنا کنبہ اور اپنی جان راہ خدا میں ایسی ثابت قدمی کے ساتھ نذر کی جس کی مثال نہیں ملتی ؎

حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسانِ حسین　　حشر تک چھوڑ گئے اک درخشندہ مثال

☆☆☆

☆ سیدنا امام پاک رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت: 5 شعبان المعظم 4 ہجری (8 جنوری 626ء) تاریخ شہادت: 10 محرم الحرام 61 ہجری (10 ر اکتوبر 680ء)۔

شہادت کے بعد کے واقعات

کربلا میں آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وہ ظلم عظیم ہوا تھا جس پر زمین و آسمان خون کے آنسو روئے اور کائنات پر تاریکی چھا گئی۔ علامہ امام ابن حجر عسقلانی، امام بیہقی، حافظ ابو نعیم، علامہ ابن کثیر، علامہ ابن حجر مکی، امام سیوطی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے جلیل القدر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی معتبر تصانیف میں روایات نقل فرمائی ہیں۔ چناں چہ حضرت بصرہ (نضرۃ) ازدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

لما قتل الحسین مطرت السماء دما فاصبحنا و حبابنا و جرارنا و کل شیء لنا ملان دما (بیہقی: جلد ۶، ص ۴۷۱، ابونعیم، سر الشہادتین، صفحہ ۳۲، صواعق محرقہ ۱۹۲، ذخائر العقبی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۵)

کہ جب حضرت حسین قتل کیے گئے تو آسمان سے خون برسا صبح کو ہمارے مٹکے گھڑے اور سارے برتن خون سے بھرے ہوئے تھے۔

حضرت زہری فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی۔

ان یوم قتل الحسین لم یقلب حجر من احجار بیت المقدس الا وجد تحته دم عبیط (بیہقی: جلد ۶، ص ۴۷۱، ابو نعیم، سر الشہادتین، صفحہ ۳۲، تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۴، صواعق محرقہ ۱۹۲)

کہ جس دن حضرت حسین شہید کیے گئے اس دن بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے تازہ خون پایا جاتا تھا۔

حضرت ام حبان فرماتی ہیں۔

یوم قتل الحسین اظلمت علینا ثلاثا ولم یمس منا احد من زعفر انهم شیئا یجعله علی وجهه الاحتراق ولم یقلب حجر بیت المقدس الا وجد تحته دم

جس دن حضرت حسین شہید کیے گئے اس دن سے ہم پر تین روز تک اندھیرا رہا اور جس شخص نے مونھ پر زعفران (غازہ) ملا اس کا مونھ جل گیا اور بیت المقدس کے

عبیط — پتھروں کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔

(بیہقی: جلد ۶ ص ۴۷۱، سر الشہادتین، صفحہ ۳۲)

خلف بن خلیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

لما قتل الحسین اسودت السمآء و ظهرت الکواکب نهارا (تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۴، صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۲)

کہ جب حضرت امام حسین شہید کیے گئے تو (سورج کو گرہن ہو گیا اور) آسمان سیاہ ہو گیا۔ اور دن میں ستارے نظر آنے لگے۔

وان السمآء احمرت لقتله وانکسفت الشمس حتی بدت الکواکب نصف النهار وظن الناس ان القیامة قال قامت ولم یرفع حجر فی الشام الا روی تحته دم عبیط (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۲)

اور حضرت حسین کے قتل پر آسمان سرخ ہو گیا اور سورج کو گہن ہو گیا یہاں تک کہ دن کے وقت تارے نظر آنے لگے اور لوگوں نے گمان کر لیا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور شام میں کوئی پتھر نہیں اٹھایا جاتا تھا مگر اس کے نیچے تازہ خون دیکھا جاتا تھا۔

امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ان الدنیا اظلمت ثلاثة ایام لم ظهرت الحمرة فی السمآء (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۲)

بے شک دنیا پر تین روز تک تاریکی چھائی رہی پھر آسمان پر سرخی ظاہر ہوئی۔

ولقد مطرت السمآء وما بقی اثره فی الثیاب مدة حتیٰ تقطعت (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۲)

بے شک آسمان نے خون برسایا اور اس خون کی بارش کی سرخی کپڑوں سے پرزے پرزے ہونے تک نہ گئی۔

حضرت علی بن مسہر اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں۔

کنت ایام قتل الحسین جاریة شابة فکانت السمآء ایاما تبکی له (بیہقی: جلد ۶ ص ۴۷۲، سر الشہادتین، صفحہ ۳۳)

کہ میں حضرت حسین کی شہادت کے ایام میں جوان لڑکی تھی پس کئی روز تک آسمان ان پر رویا تھا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سات روز تک آسمان خون کے آنسو رویا۔ اس کے اثر

سے دیواریں اور عمارتیں رنگین ہو گئیں اور جو کپڑا اس سے رنگین ہوا اس کی سرخی پرزے پرزے ہونے تک نہ گئی۔

امام سیوطی فرماتے ہیں

ولما قتل الحسین مكثت الدنیا سبعة ایام والشمس علی الحیطان كالملاحف المعصفرة والكواكب یضرب بعضها بعضا و كان قتله یوم عاشوراء و كسف الشمس ذلك الیوم و احمرت آفاق السمآء ستة اشهر بعد قتله ثم لا زالت الحمرة تریٰ فیها بعد ذلك ولم تكن تریٰ فیها قبله (تاریخ الخلفاء، صفحہ ۸۰، صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۲)

جب حضرت امام حسین شہید کیے گئے تو سات دن تک دنیا تاریک رہی دیواروں پر دھوپ کا رنگ زعفرانی رہا اور ستارے ایک دوسرے پر ٹوٹ کر گرتے رہے اور آپ کی شہادت یوم عاشورا میں ہوئی اس دن سورج کو گہن لگ گیا چھ ماہ تک برابر آسمان کے کنارے سرخ رہے پھر وہ سرخی تو جاتی رہی مگر افق کی سرخی اب تک برابر موجود ہے جو اس واقعہ سے پہلے نہیں دیکھی جاتی تھی۔

علامہ ابن جوزی فتح ملیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آسمان کو سرخ کرنا اور خون کی بارش برسانا، اس کے بہت زیادہ ناراض اور غضب ناک ہونے کی علامت ہے کیوں کہ جب کوئی غصہ وغضب میں آتا ہے تو اس کا خون جوش کرتا ہے اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ بلاشبہ جملہ عوارض جسمانی سے پاک اور منزہ ہے لیکن اس نے اپنی ناراضی اور غضب کا اظہار اس طرح کیا کہ آسمان کو سرخ کر دیا اور اس سے خون برسایا اور اس علامت کو قیامت تک کے لیے باقی رکھا۔ چناں چہ امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان الحمرة التی مع الشفق لم تكن قبل قتل الحسین

''کہ بے شک آسمان پر شفق کے ساتھ جو سرخی ہوتی ہے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے پہلے نہیں ہوتی تھی''۔ (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۲)

حضرت ابن عیینہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں۔

لقد رایت الورس عادت رما دا ولقد رایت اللحم کان فیہ النار حین قتل الحسین (تہذیب التہذیب، جلد۲، صفحہ ۳۵۴، ابو نعیم: جلد۶ ص ۲۷۴، سر الشہادتین، صفحہ ۳۳)

کہ حضرت حسین کی شہادت کے وقت ورس (کسم) راکھ ہوگئی اور گوشت ایسا ہو گیا کہ گویا اس میں آگ بھری ہے۔

جمیل بن مرہ سے روایت ہے کہ

اصابوا ابلا فی عسکر الحسین یوم قتل فنحروھا و طبخوھا قال فصارت مثل العلقم فما استطاعوا ان یسیغوا منھا شیئا (بیہقی: جلد۶، ص ۴۷۲، تہذیب التہذیب، صفحہ ۳۵۴، سر الشہادتین، صفحہ ۳۳)

یزید کے لشکریوں نے لشکر امام حسین کے اونٹ آپ کی شہادت کے روز پکڑ لیے پھر ان کو ذبح کیا اور پکایا، تو وہ اندرائن کے پھل کی طرح کڑوے ہو گئے اور ان کو کوئی نہ کھا سکا۔

زمیں میں اور فلک میں رنج و غم تھا شورِ ماتم تھا
زمیں روئی فلک رویا کہ ان دونوں سے خوں برسا
اٹھے جب صبح کو تو خون سے برتن بھرے دیکھے
سبھی پُر ہو گئے اس خون سے مٹکے گھڑے ان کے
کسی پتھر کو جب بیت المقدس میں اٹھاتے تھے
تو اس کے نیچے سے تازہ اور بہتا خون پاتے تھے
چھپا سورج، اندھیرا ہو گیا یومِ شہادت میں
رہا پھر یہ اندھیرا تین دن شکلِ مصیبت میں
بہ وقتِ دوپہر دن میں نظر آنے لگے تارے
برابر سات دن تک خون روئے آسماں سارے
ملا غازہ کو جس نے مونھ پر اس کا مونھ جلا سارا

ہُوا وَرس تو راکھ اور ہُوا تھا گوشت انگارا
مکانوں کے در و دیوار خوں سے ہو گئے رنگیں
رنگے کپڑے اور ان کی رنگتیں ڈھل کر نہیں بدلیں
یزیدی فوج نے جب سیّدوں کے اونٹ کو کاٹا
تو اس کا گوشت مثلِ اندرائن ہو گیا کڑوا
تمام عالم میں اجمل اس شہادت پر ہوا ماتم
سنی جنات سے بھی نوحہ خوانی داستانِ غم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یری النائم ذات یوم بنصف النہار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیہا دم فقلت بابی انت وامی ما ھذا؟ قال ھذا دم الحسین و اصحابہ ولم ازل التقطہ منذ الیوم فاحصی ذلك الوقت فاجد قتل ذلك الوقت (بیہقی: جلد ۶، ص ۴۷۱، احمد: ۲۸۳ و ۲۴۳، حاکم: ۸۲۰۱، مشکوٰۃ: ۶۱۸۱، تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۵، ذخائر العقبی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۸، تاریخ الخمیس، جلد ۲، صفحہ ۳۰۰، سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۷۵ ج ۱۱)

میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے بال مبارک بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں، دست مبارک میں خون بھرا شیشہ (بوتل) ہے میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین اور اس کے رفیقوں کا خون ہے، میں اسے آج صبح سے اٹھاتا رہا ہوں۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس تاریخ اور وقت کو یاد رکھا، جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت حسین اسی وقت شہید کیے گئے تھے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احیاء العلوم کے آخر میں باب منامات میں فرماتے ہیں، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک روز نیند سے بیدار ہوئے تو کہا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ خدا کی قسم! حسین قتل کر دیے گئے۔ لوگوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا، کیسے؟ ابن عباس نے فرمایا: کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے آپ کے ہاتھ میں خون سے بھرا ہوا ایک شیشہ ہے اور آپ فرما رہے ہیں، اے ابن عباس تمہیں نہیں معلوم کہ میری امت نے میرے بعد کیا کام کیا ہے؟ میرے بیٹے حسین کو قتل کر دیا ہے، یہ اس کا اور اس کے دوستوں کا خون ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے کے جا رہا ہوں۔ اس خواب کے چوبیس روز کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۰، احیاء العلوم)

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی:

وهی تبکی فقلت ما یبکیك قالت رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المنام یبکی و علی راسه ولحیته التراب فقلت مالك یا رسول الله ؟ قال شهدت قتل الحسین انفا (المستدرک: ۶۷۶۴، مشکوٰۃ: ۶۱۶۶، تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۵۶، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۰۔ ذخائر العقبیٰ، جلد ۱، صفحہ ۱۴۸، تاریخ الخمیس، جلد ۲، صفحہ ۳۰۰)

تو وہ رو رہی تھیں، میں نے کہا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں روتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ کے سر مبارک اور ریش اقدس پر گرد و غبار ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا میں ابھی حسین کی شہادت گاہ پر گیا تھا۔

جب غزوۂ بدر کے کفار اسیروں کے ہاتھ باندھ کر ان کو ایک جگہ بند کر دیا گیا تھا تو ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی تھے جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، وہ بوجہ اسیری اور اہل و عیال کی جدائی روتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رونے کی آواز سنی تو بسبب قرابت کے اس قدر بے چین ہو گئے کہ آپ کو رات بھر نیند نہ آئی، صبح ہوتے ہی فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ مقام غور ہے کہ جب حضرت عباس کے صرف رونے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت بے چین کر دیا اور آنکھوں سے خواب راحت چھین لیا تھا، تو اپنے جگر پارے حسین کے مصائب سے کیا حالت ہوئی ہو گی۔

نیز جب وحشی قاتلِ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لایا تو آپ نے اس سے فرمایا: کہ میرے سامنے نہ آیا کر اور نہ مجھے اپنا مونھ دکھایا کر کہ یہ مجھے ناگوار ہے، حالاں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اسلام ماقبل کے جملہ گناہوں اور کفر کو مٹا دیتا ہے، تو غور کرنا چاہیے کہ جس کے صغیرہ کبیرہ تمام گناہ مٹ گئے تھے اور کفر دور ہو گیا تھا، اس کو دیکھنا ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار ہے تو جنھوں نے اولادِ اقدس پر مظالم کی انتہا کر دی، بھوکا پیاسا ذبح کیا، لاش مبارک پر گھوڑے دوڑائے، بے گور کفن پڑا رہنے دیا اور پھر اہل بیت کو لوٹا۔ اور مقدس خواتین کو بے پردہ اونٹوں پر بٹھا کر گلیوں، بازاروں میں پھرایا، اس سے رحمت عالم کے قلب مبارک کو کس قدر رنج وغم ہوا ہوگا اور آپ کس قدر غضب ناک ہوئے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا الم ناک سانحہ اور جان کاہ حادثہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کسی نبی کی اولاد کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ پھر اگر زمین و آسمان خون کے آنسو روئیں اور جن وانس تڑپ اٹھیں اور جہان تیرہ و تار ہو جائے، تو کون سی تعجب کی بات ہے۔

چناں چہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

سمعت الجن یبکین علی الحسین و	میں نے جنوں کو حضرت حسین پر روتے
سمعت الجن تنوح علی الحسین و ھی	اور نوحہ کرتے ہوئے سنا ہے، وہ کہتے تھے

یقلن:

ایھا القاتلون جھلا حسینا ابشروا بالعذاب والتنکیل

اے حسین کے نادان قاتلو، تمہارے لیے سخت عبرت ناک عذاب کی بشارت ہے۔

کل اھل السماء یدعوا علیکم و نبی مرسل و قبیل

تمام اہل آسمان (ملائکہ) تم پر بددعائیں کرتے ہیں اور سب نبی و مرسل وغیرہ بھی۔

قد لعنتم علی لسان داؤد و موسیٰ و صاحب الانجیل

بے شک لعنت کیے گئے ہو تم، حضرت داؤد و موسیٰ اور صاحبِ انجیل یعنی عیسیٰ (علیہم

السلام) کی زبانوں پر۔ (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۱، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۱)

نیز انہی سے روایت ہے کہ یا تو میں نے نبی ﷺ کی وفات پر جنوں کو نوحہ کرتے ہوئے سنا تھا، یا حضرت حسین کی شہادت کے موقع پر سنا۔ وہ روتے ہوئے کہتے تھے:

الا یاعین فابتھلی بجھد ومن یبکی علی الشھدآء بعدی

ہو سکے جتنا تو رو لے اے چشم۔ کون روئے گا پھر شہیدوں کو

علی رھط تقودھم المنایا الی متجبر فی ملك عھدی

پاس ظالم کے کھینچ کر لائی۔ موت ان بے کسوں غریبوں کو۔ (ابونعیم، سر الشہادتین، صفحہ ۳۴)

اعتراض

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ نے ۵۹ ھ میں وفات پائی اور یہی صحیح تر ہے۔ اور واقعہ کربلا ۱۰ محرم ۶۱ ھ میں ہوا۔ ثابت ہوا کہ حضرت ام سلمہ کے متعلق روایات کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور جنوں کے نوحے وغیرہ سنے غلط ہے، کیوں کہ وہ اس وقت زندہ نہ تھیں۔

جواب

اشعۃ اللمعات میں یہ بھی تو ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۶۲ ھ میں ہوئی ہے اور صاحب اشعۃ اللمعات حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری مشہور تصنیف، مدارج النبوت میں اسی دوسرے قول کی تائید فرمائی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

ولیکن موید قول ثانی ست کہ روایت کردہ است ترمذی از سلمٰی امرءۃ انصار گفت درآمدم برامّ سلمہ دیدم اورا میگرید گفتم چہ چیز درگریہ آوردترا یا امّ سلمہ گفت دیدم الآن رسول خدارا درمنام و برسر ولحیہ شریف وے خاک ست و میگرید گفتم چہ شدہ است ترا یا رسول اللہ گفت حاضر شدم قتل حسین را کہ واقع شدہ است وظاہر ایں حدیث آنست کہ وی در قتل امام حسین زندہ بود و نیز گویند کہ چوں خبر قتل حسین بوی رسید لعنت کرد اہل عراق را کہ کشتند اورا (مدارج النبوت، جلد ۲، صفحہ ۶۷۴)

''ولیکن دوسرے قول کی تائید ترمذی شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت سلمی انصاریہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ فرمایا، میں نے ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے سر مبارک و داڑھی شریف پر گرد و غبار ہے اور آپ رو رہے ہیں، یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا، یارسول اللہ آپ کو کیا ہوا؟ فرمایا میں حسین کے (مقام) قتل پر گیا تھا جو واقع ہو چکا ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ، امام حسین کے قتل کے وقت زندہ تھیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ان کو حضرت حسین کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے ان عراقیوں پر لعنت فرمائی جنہوں نے حضرت حسین کو قتل کیا تھا''۔

الحمدللہ! خود حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک بھی صحیح یہی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں۔

۵۹ھ میں وفات ہوئی، یہ واقدی کا قول ہے جو صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت ام المومنین کی وفات ۶۳ھ ہوئی ہے جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہے، چناں چہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

قال الواقدی توفیت سنة تسع و خمسین و صلی علیها ابو هریرة وقال ابن ابی خیثمة توفیت فی ایام یزید بن معاویة قلت والاحادیث المتقدمة فی مقتل الحسین تدل علی انها عاشت الی ما بعد مقتله، والله اعلم و رضی الله عنها

''واقدی نے کہا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے ۵۹ھ میں وفات پائی اور ابوہریرہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کی حکومت کے ایام میں ان کی وفات ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ وہ احادیث جو ذکر شہادت حسین میں بیان ہوئی ہیں وہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ حضرت حسین کی

شہادت کے بعد تک زندہ رہیں، واللہ اعلم ورضی اللہ عنہا"۔(البدایۃ والنہایہ،جلد ۸،صفحہ ۲۱۵)

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مات فی ایام یزید من الاعلام سوی الذین قتلوا مع الحسین و فی وقعۃ الحرۃ ام سلمہ ام المومنین

"یزید کے ایام حکومت میں جن نام وروں نے وفات پائی علاوہ ان کے جو حضرت حسین کے ساتھ شہید ہوئے اور حضرت ام المومنین ام سلمہ نے وفات پائی واقعہ حرہ میں۔(آگے ان نام وروں کے نام لکھے ہیں) اور واقعہ حرہ ۶۳ ھ میں ہوا ہے"۔(تاریخ الخلفاء،صفحہ ۸۹)

جناب شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

اس اختلاف روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعیین مشکل ہے تاہم یہ یقینی ہے کہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں۔مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان، امّ سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا، یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا۔واقعہ حرہ ۶۳ ھ میں پیش آیا ہے، اس لیے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں۔(سیرۃ النبی،جلد ۲،صفحہ ۴۱۲)

چناں چہ صحیح مسلم شریف کی وہ روایت یہ ہے، حضرت عبیداللہ بن قبطیہ فرماتے ہیں:

دخل الحارث بن ابی ربیعۃ و عبداللہ بن صفوان و انا معھما علی ام سلمۃ ام المومنین فسالاھا عن الجیش الذی یخسف بہ وکان ذالك فی ایام ابن الزبیر (بقدر الضرورۃ)

(مسلم شریف،۴۔۲۸۸۲)

کہ حارث بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان اور میں بھی ان کے ساتھ تھا، ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (حارث اور صفوان) دونوں نے ام المومنین سے اس لشکر کے متعلق پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا۔اور یہ سوال

عبداللہ بن زبیر کے ایام (خلافت) میں
اس وقت کیا گیا (جب کہ لوگ یزید سے
منحرف ہو کر ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت
کر چکے تھے اور یزید نے ایک لشکر ان کی
تباہی کے لیے مدینہ منورہ بھیجا تھا)

حضرت حبیب ابن ثابت فرماتے ہیں: میں نے حضرت حسین پر جنوں کو روتے اور یہ کہتے ہوئے سنا:

مسح النبی جبینہ قلہ بریق فی الخدود
ابواہ فی علیا قریش وجدہ خیر الجدود
اس جبین کو نبی نے چوما تھا — تھی چمک کیا ہی اس کے چہرے پر
اس کے ماں باپ برترین قریش — اس کا نانا جہان سے بہتر

(ابونعیم، سرالشہادتین، صفحہ ۳۴، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۰)

خرجوا بہ وفدا الیہ فہم لہ شر الوفود
قتلوا ابن بنت نبیہم سکنوا بہ نار الخلود

یعنی پہلے تو یہ لوگ اس (امام) کی طرف وفود لے کر گئے تو وہ کتنے بدترین وفود تھے پھر انہوں نے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کیا اور اس کے سبب ان کا ٹھکانا جہنم ہوا۔

(البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۰)

حضرت احمد بن محمد المصقلی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما، شہید ہوئے تو انہوں نے رات کے وقت ایک ندا کرنے والے کی ندا کو سنا جس کی صورت کو انہوں نے نہیں دیکھا، اس منادی نے کہا:

عقرت ثمود ناقۃ فاستو صلوا وجرت سوانحہم بغیر الاسعد

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں پس ان کی جڑیں کٹ

گئیں اور وہ سعادتوں سے محروم ہو گئے۔

فبنو رسول الله اعظم حرمة واجل من ام الفصيل المقعد

اور اللہ تعالیٰ نے حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حرمت ناقہ صالح علیہ السلام سے اعظم و بزرگ تر بنایا ہے۔

عجبا لهم لها اتوالم يمسخوا والله يملى للطغاة الجحد

پھر تعجب ہے کہ وہ ایسے ظلم کے مرتکب ہوئے اور قاتلین ناقۃ اللہ کی طرح مسخ نہ ہوئے ہاں اللہ مہلت دیتا ہے باغیوں منکروں کو۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۶، صفحہ ۳۰۶)

جب حضرت امام عالی مقام نے شہادت پائی تو ایک کوّا آیا، اس نے اپنی چونچ آپ کے خون مبارک میں ڈبوئی اور اڑا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت امام عالی مقام کی بیٹی سیدہ فاطمہ صغریٰ کے گھر کی دیوار پر جا بیٹھا اور کہنے لگا ان الحسين يقتل بكربلاء، سیدہ نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور روتے ہوئے کہا ؎

نعق الغراب فقلت من تنعيه و يحك يا غراب

آواز دی کوّے نے تو میں نے کہا، اے کوّے تجھ پر افسوس تو کیا خبر دے رہا ہے۔

قال الامام فقلت من قال الموفق للصواب

اس نے کہا حضرت امام کی، میں نے کہا کون امام؟ اس نے کہا وہ جو توفیق دیئے گئے حق و صداقت کی۔

قلت الحسين فقال لی بمقال محزون اجاب

میں نے کہا حضرت حسین؟ تو اس نے مغموم آواز میں کہا، ہاں۔

ان الحسين بكربلاء بين الاسنة و الظراب

بے شک حضرت حسین کربلا میں ریت اور ٹیلوں کے درمیان پڑے ہیں۔

ابکی الحسين بعبرة ترضى الا له مع الثواب

میں حسین پر روتا ہوں ایسے غم کے ساتھ جو اللہ کو راضی رکھے مع حصول ثواب کے۔

ثم استقل به الجناح فلم یطق رد الجواب

پھراس کے بازوایسے جم گئے کہ اس کو جواب دینے کی طاقت نہ رہی۔

فبکیت مما حل بی بعد الرضی المستجاب

پھر روئی میں ان مصیبتوں کی وجہ سے جو پسندیدہ اور مقبول حضرت کے بعد مجھ پر نازل ہوئیں۔ (درر الاصداف، نور الابصار، صفحہ ۲۰۶)

اللہ اللہ! انقلابِ زمانہ کا کیسا عجیب اور کتنا عبرت ناک منظر ہے! ایک وقت وہ تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہزاروں جان نثاروں کے ساتھ فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس وقت دشمنانِ دین کی ساری قوتیں پاش پاش ہو چکی تھیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ عفو وکرم کے علاوہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کو جن کی ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی سخت دشمنی اور عداوت میں گزری تھی، جب انتہائی بے بس ولاچار حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر کیا گیا تو رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، اس مجرم سے جس کے جرائم کی فہرست بہت طویل تھی، جو رحمت وکرم اور شفقت وعنایت کا سلوک کیا تھا وہ تاریخ کے صفحات پر زریں نقش ہے۔ کوئی سزا تجویز نہیں فرمائی بلکہ فرمایا: من دخل دار ابی سفیان فھو آمن (کنز العمال: ۳۰۱۷۳، ابن ابی شیبہ: ۳۶۹۰۰) جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کی جان ومال محفوظ ہے۔ سبحان اللہ! نہ صرف ابو سفیان کی جان بخشی فرمائی بلکہ اس کے گھر کو جس میں ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنتے رہے تھے، دار الامن بنا کر اپنی شانِ رحمت کا مظاہرہ فرمایا تھا، اب اسی ابوسفیان کی ذریت نے اسی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے ساتھ وہ ظالمانہ سلوک کیا تھا جس پر زمین وآسمان اور جن وانس خون کے آنسو روئے، چناں چہ

حضرت شیخ نصر اللہ بن یحییٰ جو ثقات معتبرین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا، اے امیر المومنین آپ نے تو فتح مکہ کے روز

فرمایا تھا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امن میں ہے، اب سفیانیوں نے آپ کے بیٹے حسین کے ساتھ کربلا میں ایسا برا سلوک کیا ہے جو کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: کیا تو ابن صیفی کے وہ اشعار جانتا ہے جو اس نے اس معاملے میں کہے ہیں؟ میں نے عرض کیا، نہیں! فرمایا اس کے پاس جا کر اس سے وہ اشعار سن؟ میں بڑی حیرانی کے ساتھ بیدار ہوا اور پھر اس کے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی، وہ باہر نکلا اور میں نے اس کو اپنا خواب سنایا تو وہ سن کر اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی اور کہنے لگا خدا کی قسم یہ اشعار میں نے آج رات ہی کہے ہیں اور ابھی تک ان کو مجھ سے کسی نے نہیں سنا، وہ اشعار یہ ہیں:

ملکنا فکان العفو منا سجیۃً فلما ملکتم سال بالدم ابطح

جب ہم مالک اور با اختیار تھے تو معاف کر دینا ہی ہمارا طریقہ وشیوہ رہا اور جب تم مالک و با اختیار ہوئے تو تم نے خون کی ندیاں بہادیں۔

و حللتم قتل الاساریٰ و طالما غدونا علی الاسریٰ فنعفو و نصفح

تم نے قیدیوں کا قتل حلال جانا اور اکثر ہم جو گزرے قیدیوں پر تو ہم معاف کرتے اور درگزر کرتے رہے۔

و حسبکم ھذا التفاوت بیننا و کل اناء بالذی فیہ ینضح

ہمارے اور تمہارے درمیان یہ تفاوت کافی ہے اور بے شک ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ (نور الابصار، صفحہ ۱۴۶)

حضرت عامر بن سعد بجلی فرماتے ہیں کہ میں نے امام پاک کی شہادت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے عامر حضرت براء بن عازب (صحابی) کے پاس جا اور ان کو میرا اسلام کہہ اور خبر دے کہ جن لوگوں نے حضرت حسین کو قتل کیا ہے وہ دوزخی ہیں۔ پس میں نے براء بن عازب کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خواب سنایا، تو انہوں نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔

علامہ حافظ ابن حجر، امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت نقل فرماتے ہیں

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قاتل الحسین فی تابوت من نار علیہ نصف العذاب اھل النار (نور الابصار، صفحہ ۱۵۲، اسعاف الراغبین، صفحہ ۲۱۰)

حسین کا قاتل آگ کے تابوت میں ہے اس پر آدھے جہنمیوں کے برابر عذاب ہے۔

علامہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت صالح شحام سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حلب میں خواب دیکھا کہ ایک کالا کتا پیاس کے مارے زبان نکالتا ہے، میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پانی پلاؤں، تو ہاتف غیبی نے آواز دی، خبردار! اس کو پانی نہ پلا، یہ حسین کا قاتل ہے، اس کی یہی سزا ہے کہ یہ قیامت تک یوں ہی پیاسا رہے۔ (تسوید القوس فی تلخیص مسند الفردوس)

شامِ کربلا

ابن سعد نے اپنے مُردوں کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کیا لیکن حضرت امام اور آپ کے رفقاء جن کی تعداد بہتر (۷۲) تھی اور ان میں بیس خاندانِ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے، ان سب شہیدوں کو بے گور و کفن پڑا رہنے دیا اور ان کے سروں کو ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ تیرہ سر بنو کندہ کے پاس تھے اور ان کا سردار قیس ابن اشعث تھا۔ بیس سر بنو ہوازن کے پاس تھے اور ان کے ساتھ شمر ذی الجوشن الضبابی تھا۔ سترہ سر بنو تمیم اور سولہ بنو اسد اور سات بنو مذحج کے پاس تھے۔ (ابن اثیر، جلد ۳، صفحہ ۱۹۴)

کربلا کے میدان میں شام ہوگئی تھی۔ ظلم و جفا کا لشکر منتشر ٹولیوں کی صورت میں ادھر ادھر اپنے طعام وغیرہ میں مشغول تھا۔ وہ بدبخت ایک دوسرے کو دادِ شجاعت دے رہے تھے اپنی سفاکی اور ظلم پر خوش ہو رہے تھے۔ اور ادھر اہل بیتِ نبوت کے بقیہ افراد، جو چند عورتوں شیر خوار بچوں اور ایک بیمار حضرت علی اوسط زین العابدین پر مشتمل تھے، رضائے الٰہی پر صابر و شاکر گریہ زاری کر رہے تھے

راہِ تسلیم و رضا میں اہلِ بیتِ مصطفٰی　　صبر کا کرتے تھے باہم امتحان بیٹھے ہوئے

ذرا فطرت کے تقاضوں کے پیش نظر اندازہ کیجئے کہ ان سوگ واروں کی کیا حالت ہو

گی جن کی آنکھوں کے سامنے بھرے ہوئے خیمے خالی ہو گئے۔ ان کے عزیز قتل کیے گئے۔ خیمے جلائے گئے۔ ساز وسامان لوٹ لیا گیا۔ مقدس لاشیں بے گور وکفن پڑی تھیں اور خود دشمن کی قید میں تھے۔ یہ کیسے عز وشان اور فضل اور مرتبے والے لوگ ہیں۔ ان کے گھرانے کی عظمت کا یہ حال ہے کہ جبریل امین بھی ان کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی محبت وخوشی خدا اور رسول کی محبت وخوشی اور ان کی اذیت وناراضی خدا اور رسول کی اذیت وناراضی کا موجب ہے۔ یہی وہ گھرانہ ہے جس سے امت کو دین، ایمان اور قرآن ملا ہے۔ ان پر درود بھیجنا ہر نماز میں ضروری ہے۔ ہر خطیب جمعہ کے خطبے میں ان کے نام لیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا واسطہ ووسیلہ اجابت دعا کے لیے ضمانت ہے۔ یہ چمن رسالت کے لہلہاتے ہوئے پھول اور کلیاں ہیں، ان کی پاکیزگی اور عظمت کا ذکر قرآن میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آج کربلا کے میدان میں ان پر غم کی شام کا بسیرا ہے۔ یہ شام کیسی اندوہ ناک شام ہے، آل رسول کے خون سے رنگین۔ یہ ایسے دن کی شام ہے جو شاید کبھی پھر اس طرح طلوع نہ ہوگا۔ یہ شام، اسلام ہی کی نہیں انسانیت کی تاریخ میں بھی رہتی دنیا تک وہ شام کہلائے گی جو ظلم و جفا اور صبر ورضا کی دونوں مثالوں کی یاد دلاتی رہے گی۔ یزیدیت کی تاریکی میں حسینیت کا اجالا کرنے والی یہ شام صفحہ دہر پر کبھی نہ مٹنے والا وہ نقش اور ایسی ساعت ہے، جو صدیوں تک دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں کے لیے حق و باطل اور اندھیرے اور اجالے میں فرق کرتی رہے گی۔ یہ شام ایک طرف انسان نما درندوں کی خباثت ورذالت اور شیطنت کی پہچان کرواتی ہے، جور و جفا اور ظلم وستم کی بدترین سیاہیوں سے اشرف المخلوقات انسان کو شرمندہ کرتی ہے اور دوسری طرف یہ شام خانوادہ رسول کی مظلومیت کے ساتھ ساتھ ان کی عظمت ومرتبت، ان کے عفوو عطا، جود وسخا، ایثار ووفا، صبر ورضا اور عزم واستقلال اور استقامت جیسے معطر، مطہر اور منور محاسن سے انسانیت کو ہمیشہ سر بلند کرتی رہے گی۔ کیوں کہ نام حسین عظمتوں، رفعتوں، رحمتوں اور برکتوں کا امین ہے اور کربلا کی دھندلاتی شام میں یہی نام حسین جگ مگا رہا ہے

اور قیامت تک جگ مگاتا رہے گا۔ شام کربلا آل رسول کی حقانیت، ایمان، اسلام، حق و صداقت، جرأت وشجاعت، عزت ومرتبت، عزیمت واستقامت، امن وحریت اور سیادت وسعادت کا باقی رہنے والا عنوان ہے۔ رات ہوگئی، یہ رات ان غم زدہ مظلوم پس ماندگان امام کے لیے قیامت کی رات تھی۔ رات کا دوسرا پہر شروع ہوا، یزید کے لشکر اونگھنے لگے۔ اسیران کربلا کی قافلہ سالار سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے عزیزوں کی مقدس لاشوں کے پاس آئیں اور انتہائی دردمندانہ انداز میں اپنے جذبات اور اپنی بے بسی کا اظہار کیا، جب اپنے ماں جائے پیارے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی کٹی پھٹی اور کچلی ہوئی مقدس لاش کے پاس آئیں تو خود پر قابو نہ رکھ سکیں۔ اپنے بھائی کے سینے پر مونھ رکھ کے اس درد سے روئیں کہ سب کی ہچکیاں بندھ گئیں، سیدہ فرما رہی تھیں ؎

سر میرے کوئی دوس نہ دیویں، بہن تیری مجبور اے
کتھوں لیاواں کفن میں تیرا، ایتھوں شہر مدینہ دور اے

؎ تم سا کوئی غریب نہیں خستہ تن نہیں
بعدِ وصال گور نہیں اور کفن نہیں
بستی پرائی ہائے یہ اپنا وطن نہیں
واقف یہاں کسی سے یہ بے کس بہن نہیں
لاکر کفن ضرور میں پہناتی بھائی کو
ہوتا اگر وطن تو میں دفناتی بھائی کو

ان یزیدی درندوں نے خانوادۂ نبوت کے آخری چشم و چراغ حضرت امام زین العابدین علی اوسط رضی اللہ عنہ کو بھی (جو بیمار تھے) قتل کرنا چاہا لیکن ایک شخص حمید بن مسلم کے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحم ڈال دیا، اس نے ان درندوں کو یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ کم سن بچہ ہے اور بیمار ہے، اس کو قتل نہ کرو۔ ابھی حمید سپاہیوں کو یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ابن سعد بھی آگیا، اس نے کہا خبردار کوئی شخص ان لوگوں کے خیموں میں نہ جائے اور نہ ہی کوئی اس بیمار لڑکے سے

مزاحم ہو اور جس کسی نے ان کے مال واسباب وغیرہ میں سے جو کچھ لوٹا ہے واپس کر دے، اس کے کہنے پر سپاہیوں نے بیمار عابد سے تو ہاتھ روک لیا لیکن لوٹا ہوا مال کسی نے واپس نہ کیا۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۰، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۲)

یزیدی تو سو گئے کچھ پہرے دار جاگتے رہے مگر اہل بیت نبوت کے بقیہ افراد کی آنکھوں میں نیند نہیں، صدمے اور غم کے آنسو تھے۔ یہ کیسے صبر والے لوگ تھے، ان کی زبانوں پر حرفِ شکایت نہیں، ان کی جبینیں شکن آلود نہیں، انہوں نے واویلا نہیں کیا، گریبان نہیں پھاڑے، قضاء الٰہی پر صبر کیا کیوں کہ یہی ان کے نانا جان کی تعلیم تھی اور یہی امام پاک کی وصیت تھی۔ یزیدی سمجھ رہے تھے کہ قتل حسین سے وہ کام یاب ہو گئے ہیں لیکن امام پاک نے میدانِ کربلا میں فتح و شکست کے عنوان ہی بدل دیئے تھے اور تاریخ کے صفحات پر یہ نقش کر دیا تھا کہ حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے سب کچھ قربان کر دینا اور اپنی جان دے دینا شکست نہیں، بلکہ عظیم الشان فتح و کام یابی ہے۔ انہوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور عزیمت و استقامت کی وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک ایک با مقصد اور زندہ یادگار اور آنے والی نسلوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ انہوں نے اپنے مقدس خون سے گلشن اسلام کی آبیاری کی، اسلام کی حق و صداقت کی گواہی دی اور دین کو اس کی اصل پر باقی رکھا، ہر امتحان میں پورے اترے۔ خود تو نہ رہے مگر اپنی وہ یادیں چھوڑ گئے جو تابندہ و پائندہ رہیں گی۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

آں امام عاشقاں پورِ بتول — سروِ آزادِ زبستانِ رسول
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنیِ ذبحِ عظیم آمد پسر
بہرِ آں شہ زادۂ خیر الملل — دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
زندہ حق از قوتِ شبیری است — باطل آخر داغِ حسرت میری است
خاست آں برجلوہ خیر الامم — چون سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا با رید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطعِ استبداد کرد موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است
سرِّ ابراہیم و اسمٰعیل بود یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزمِ او چوں کوہ ساراں استوار پائدار و تند سیر و کام گار
تیغ بہرِ عزت دین است و بس مقصد او حفظ آئین است و بس
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ او تفسیر ایں اسرار کرد ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید از رگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اورساں (☆)

(اسرار و رموز، اقبال)

☆ ترجمہ:۔ وہ عاشقوں کے امام ہیں سیدہ فاطمہ بتول کے فرزند، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ کے سروِ آزاد یعنی قد آور درخت۔ اللہ اللہ (کیا خوب ہے کہ) آپ کے باپ (حضرت اسمٰعیل) کا مرتبہ بسم اللہ میں با کی طرح ہے، آپ ان کے فرزند، ذبح عظیم کا معنی ہیں۔ بہترین ملت کے اس بہترین شاہ زادے کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کے مبارک کندھے بہترین سواری تھے۔ حق تو قوتِ شبیری ہی سے زندہ ہے۔ باطل کا انجام حسرت کی بہت بری موت ہے۔ بہترین امت کا وہ بہترین جلوہ (امام پاک) اس طرح ظاہر ہوا جس طرح قبلہ کی طرف سے بارش سے بھرا بادل اٹھتا ہے۔ وہ بادل کربلا کی سرزمین پر خوب برس کر گیا، کربلا کے ویراں صحرا میں سرخ پھول کاشت کر کے یعنی شہادت کا عظیم رتبہ پا کر شان والی زندگی کی طرف گیا۔ امام پاک نے قیامت تک ظلم و جبر کی جڑیں کاٹ دیں، آپ کے مقدس خون کی موج نے نیا چمن ایجاد کر دیا، حق اور دین کی خاطر امام پاک نے خاک و خون میں تڑپنا گوارا کر لیا مگر کلمہ توحید کی بنیاد کے پابند ثابت ہوئے یعنی باطل کا انکار کر کے حق کے علم بردار ہوئے۔ امام پاک حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا بھید تھے، ان کی قربانی کے اجمال کی تفصیل تھے۔ امام کے عزم و استقامت پہاڑوں کی طرح استوار تھے، قائم رہنے والے مضبوط، تیزی سے کام یابی پانے والے، اثر دکھانے والے۔ ان کی تلوار تو صرف دین اسلام کی عزت کے لیے چلی تھی، ان کا مقصد دین کے اصولوں کی حفاظت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ سچا مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی نہیں کرتا اس کا سر کسی سرکش فرعون کے سامنے ہرگز نہیں جھکتا۔ امام پاک کے خون نے انہی اسرار کو آشکار کیا ہے اور سوئی ہوئی ملت کو غفلت سے جگا یا بیدار کیا ہے۔ امام نے لا یعنی باطل کا انکار کرنے کی تلوار جب میان سے نکالی تو باطل کی رگوں سے خون بہہ نکلا یعنی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کوفہ روانگی

صبح کے وقت اہل بیتِ نبوت کے یہ ستم رسیدہ افراد بہ حالتِ اسیری جب لشکر یزید کے ساتھ کوفہ کی جانب چلے تو امام پاک کی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کے سامنے بے گور وکفن ان کے پیاروں کی مقدس لاشیں تھیں، وہ سب ایک ایک لاش کے قریب جا کر الوداع کہہ رہی تھیں، ان کے رونے میں اتنا درد تھا کہ کلیجے پھٹے جاتے تھے، حشر برپا ہو گیا تھا۔ سیدہ زینب نے انتہائی درد وکرب کے ساتھ روتے ہوئے کہا:

یا محمداہ، یا محمداہ، صلی علیك الله وملك السماء، هذا حسین بالعراء، مزمل بالدماء، مقطع الاعضا یا محمداه، و بناتك سبایا و ذریتك مقتله، تسفی علیها الصبا، قال فابکت والله کل عدو و صدیق

”یا محمداہ، یا محمداہ! آپ پر اللہ اور ملائکہ آسمانی کا درود وسلام ہو۔ دیکھیے یہ حسین چٹیل میدان میں اعضا بریدہ خاک وخون میں آلودہ پڑے ہیں۔ یا محمداہ! آپ کی بیٹیاں قید میں ہیں، آپ کی اولاد مقتول پڑی ہوئی ہے۔ ہَوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔ یہ دل دوز فریاد سن کر دوست و دشمن سب رو دیئے“۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۳، طبری، جلد ۶ صفحہ ۲۶۲، ابن اثیر: جلد ۳، صفحہ ۱۸۵)

اے محمد گر قیامت سر بروں آری زخاک   سر بروں آر د قیامت درمیان خلق بین (☆)

شہداء کی تدفین

جب لشکر یزید کربلاء سے کچھ دور چلا گیا تو شہادت کے دوسرے اور بقول بعض

(بقیہ از گزشتہ) باطل کی قوت اور زندگی کاٹ کے رکھ دی۔ باطل کی نفی کر کے امام پاک نے ایک معبود اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا نقش صحرا پر لکھ دیا۔ یوں انھوں نے ہماری نجات کے عنوان کی سطر لکھ دی۔ اے چلنے والی نرم ہوا، دور بسنے والوں کی پیغام رساں، بہت دور جہاں امام پاک کی تربت ہے، محبت وعقیدت کے یہ میرے آنسو اس پاک خاک پر پہنچا دے۔

☆ ترجمہ:۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) قیامت میں آپ قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے ابھی باہر آئیے اور دیکھیے کہ مخلوق کے درمیان قیامت بپا ہو چکی ہے۔

تیسرے روز قبیلہ بنو اسد جو قریہ غاضریہ۔ کنارہ فرات پر واقع تھا، کے لوگ آئے اور انہوں نے امام عالی مقام کے تن بے سر کو ایک جگہ اور باقی شہداء کو جن کی تعداد بہتر تھی، ایک جگہ دفن کیا۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۳، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۱)

سر انور پر نور اور سفید پرندے

اہل بیتِ نبوت کے لٹے ہوئے قافلہ کے بقیہ افراد، ۱۱ محرم کو کوفہ پہنچے جب کہ شہداء کے سر، ان سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ امام عالی مقام کا سر انور، خولی بن یزید کے پاس تھا، یہ رات کے وقت کوفہ پہنچا۔ قصر امارت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یہ سر مبارک کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ ظالم نے سر انور کو فرش پر رکھ کر ایک بڑے برتن سے ڈھانک دیا۔ اور اپنی بیوی ''نوار'' کے پاس جا کر کہا: میں تمہارے لیے زمانے بھر کی دولت لا یا ہوں، وہ دیکھ حسین بن علی کا سر تیرے گھر میں پڑا ہے۔ اس نے کہا: تجھ پر خدا کی مار، لوگ تو سونا چاندی لائیں اور تو فرزند رسول کا سر لا یا ہے۔ خدا کی قسم! اب میں تیرے ساتھ کبھی نہ رہوں گی۔ نوار یہ کہہ کر اپنے بچھونے سے اٹھی اور جہاں سر انور رکھا تھا وہاں آ کر بیٹھ گئی۔

قالت فواللہ ما زلت انظر الی نور یسطع مثل العمود من السمآء الی الاجانۃ و رایت طیرا بیضاء ترفرف حولھا فلما اصبح غدا بالراس الی عبیداللہ ابن زیاد (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۱، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۳، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۰)

وہ کہتی ہے، خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ ایک نور برابر آسمان سے اس برتن تک مثل ستون چمک رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ سفید سفید پرندے اس کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو وہ سر کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

کوفہ میں سر انور اور ابن زیاد

الغرض! ابن زیاد بدنہاد کا دربار لگا اور لوگوں کے لیے اذن عام ہوا۔ بھرے دربار میں اس کے سامنے امام عالی مقام کا سر انور ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ اس ظالم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، جسے وہ آہستہ آہستہ آپ کے لبوں اور دانتوں پر مارتا تھا اور کہتا تھا کہ

میں نے ایسا حسین و جمیل نہیں دیکھا۔ اس مردود کی گستاخی اور بے ادبی پر نبی کریم ﷺ کے بوڑھے صحابی حضرت زید بن ارقم، جو اس وقت وہاں موجود تھے، تڑپ اٹھے اور درد و کرب کے ساتھ روتے ہوئے فرمایا: او ابن مرجانہ! یہ لکڑی امام پاک کے لب ہائے مبارک اور دندان شریف سے ہٹا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ انہی لبوں اور دانتوں کو چوما کرتے تھے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا: خدا تجھے بہت رلائے اگر تو بہت بوڑھا نہ ہوتا اور تیری عقل زائل نہ ہو گئی ہوتی تو میں ضرور تیری گردن سے تیرا سر جدا کر دیتا☆۔ حضرت زید نے فرمایا، میں اس سے بھی زیادہ تجھے غصہ دلانے والی بات سناتا ہوں، سن! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے دائیں زانو پر حسن اور بائیں زانو پر حسین تھے، آپ ان دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے، اے اللہ میں ان دونوں کو تیرے مومنین صالحین کے پاس بہ طور امانت سپرد کرتا ہوں۔ تو اے بدنہاد! تو نے امانتِ رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ یہ کیسا سلوک کیا ہے؟ پھر آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، اے کوفیو! خدا تم سے کبھی خوش نہ ہو، تم نے فرزند رسول اللہ کو قتل کیا اور ابن مرجانہ کو اپنے اوپر مسلط کیا، اب یہ تمہارے اچھوں کو مارے گا۔ اور تمہارے بروں کو چھوڑے گا یہ کہہ کر حضرت زید روتے ہوئے باہر نکل گئے۔ (☆☆)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حسین کا سر انور ایک طشت میں رکھ کر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس وقت میں اس کے پاس تھا تو اس نے آپ کے حسن و جمال میں کچھ کلام کیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کو وہ آپ کی ناک پر مارتا تھا، فقال انس کان اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم و کان مخضوبا بالوسمة۔ تو حضرت انس نے فرمایا کہ حسین بہت زیادہ مشابہ تھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ نے وسمہ کا خضاب کیا ہوا تھا۔ (ترمذی: ۳۷۷۸، باب مناقب الحسین، بخاری شریف: ۳۷۴۸)

☆۔ طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۲۳، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۳، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۰

☆☆۔ ابن ابی الدنیا، صواعق محرقہ، ۱۹۶

روایت میں ہے کہ جس وقت امام عالی مقام کا سر انور ابن زیاد بدنہاد کے سامنے رکھا گیا تو قاتل نے بڑے فخر کے ساتھ کہا:

او قر رکابی فضة و ذهبا فقد قتلت الملك المحجبا
قتلت خير الناس أما و أبا وخير هم اذ ينسبون نسبا

میرے اونٹوں کو سونے اور چاندی سے بھر دو۔ کیوں کہ میں نے ایک نام ور بلند مرتبہ سردار کو قتل کیا ہے۔ میں نے اس کو قتل کیا ہے جو بہ لحاظ مادر و پدر اور حسب ونسب سب لوگوں سے بہتر تھا۔

ابن زیاد یہ سن کر غضب ناک ہوا اور کہنے لگا: اگر تیرے نزدیک وہ ایسے ہی فضائل والے تھے تو پھر تو نے ان کو قتل کیوں کیا؟ واللہ لا نلت منی خیرا ولا لحقنك به ثم ضرب عنقه۔ خدا کی قسم تیرے لیے اس کا بہتر صلہ میری طرف سے یہی ہے کہ تجھے بھی انہی کے پاس پہنچا دوں۔ پھر اس کی گردن ماردی۔

(الصواعق المحرقہ، صفحہ ۱۹۵، سعادت الکونین، صفحہ ۱۱۷، نور الابصار، صفحہ ۱۴۴)

ابن زیاد اور اسیران کربلا

پھر اہل بیت کے بقیہ افراد ابن زیاد کے سامنے پیش کیے گئے۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کنیزوں کا سا پرانا بوسیدہ سا لباس پہن کر اپنی ہیئت بدل دی تھی، آپ کے اردگرد چند عورتیں تھیں۔ ابن زیاد بدنہاد نے پوچھا، یہ کون ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اس نے دوسری تیسری بار پوچھا، پھر بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو ایک عورت نے کہا کہ یہ زینب بنت فاطمہ ہیں۔ یہ سن کر مردود نے کہا:

الحمد لله الذی فضحكم و قتلكم و اكذب احدوثتكم	خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔ (معاذ اللہ)۔

شیر خدا کی بیٹی نے فرمایا:

الحمد لله الذی اکرمنا بمحمد (صلی	خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں بوجہ اولاد محمد

الله علیه و سلم) و طهرنا تطهیرا لا کما تقول و انما یفتضح الفاسق و یکذب الفاجر	(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے) مکرم و معظم بنایا اور ہمیں پاک کیا جیسا کہ حق ہے پاک کرنے کا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہے۔ بلاشبہ فاسق و فاجر ہی رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔

ظالم کہنے لگا: تم نے دیکھا خدا نے تمہارے اہل بیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ سیدہ نے فرمایا، ان کے لیے شہادت مقدر ہو چکی تھی اس لیے وہ مقتل میں آئے اور عنقریب وہ اور تم اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہو گے اور اس وقت وہ اللہ کے سامنے اس کا انصاف طلب کریں گے۔ یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد زیادہ غضب ناک ہو کر کہنے لگا: خدا نے تمہارے اہل بیت کے سرکش اور نافرمان آدمی سے میرے غصہ کو ٹھنڈا کر دیا۔ ظالم کے ان الفاظ نے سیدہ کو تڑپا دیا اور وہ انتہائی درد کے ساتھ روئیں اور فرمایا، میری عمر کی قسم! تو نے میرے ادھیڑوں کو قتل کیا، میرے خاندان کو تباہ کیا، میری شاخوں کو کاٹا اور میری جڑ کو اکھاڑا۔ اگر اسی سے تیری تسکین اور تیرا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو بے شک ہو گیا۔ ظالم کہنے لگا: یہ جرأت اور یہ شجاعت۔ میری عمر کی قسم! تمہارے باپ بھی تو شاعر اور بڑے شجاع تھے۔ سیدہ نے فرمایا، عورت کو شجاعت سے واسطہ۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۲، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۳، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۳)

اسی اثناء میں اس ظالم کی نظر حضرت امام زین العابدین پر پڑی تو کہنے لگا، تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علی بن حسین! نام سن کر بولا: کیا خدا نے علی بن حسین کو قتل نہیں کیا؟ آپ خاموش رہے! کہنے لگا، بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام بھی علی تھا، لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ بولا نہیں بلکہ اسے خدا نے قتل کیا۔ آپ پھر خاموش رہے۔ بولا چپ کیوں ہو گئے، جواب دو؟ آپ نے جواب میں یہ آیتیں پڑھیں:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (زمر: ۴۲) وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۴۵)

''اللہ ہی جانوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت۔ اور کوئی نفس نہیں مرتا مگر

اللہ کے حکم سے''۔

یہ سن کر ابن زیاد بولا، تم بھی انہی میں سے ہو، پھر آپ کے بلوغ کی تصدیق کروا کر آپ کے قتل کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا: ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے؟ ظالم کے اس انتہائی سفاکانہ حکم کو سن کر سیدہ زینب تڑپ گئیں اور زین العابدین کو اپنی آغوش میں لے کر ان سے چمٹ گئیں اور نہایت درد انگیز انداز میں فرمایا: کیا ابھی تک تم ہمارے خون سے سیراب نہیں ہوئے؟ تم نے کس کو باقی چھوڑا ہے۔ کیا یہ ایک آسرا بھی باقی نہ رکھو گے، خدا کے لیے جو مصیبتیں ہم پر گزر چکی ہیں ان پر بس کرو۔ جان نثار پھوپھی نے عابد حزیں کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا، ابن زیاد میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر ایک سوال کرتی ہوں کہ اگر ان کو قتل کرو تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دو۔ لیکن حضرت زین العابدین پر مطلقاً کوئی خوف و ہراس طاری نہ ہوا، انہوں نے نہایت اطمینان اور وقار کے ساتھ فرمایا، اگر تم لوگ مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو قرابت داری کا لحاظ اور پاس کرتے ہوئے کسی متقی اور شریف آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو جو ان کو عزت و شرافت کے ساتھ وطن پہنچا دے۔ حضرت زین العابدین کی یہ بات سن کر ابن زیاد دیر تک دونوں پھوپھی بھتیجے کا مونھ تکتا رہا۔ آخر اس شقی کا دل پسیج گیا، اس نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو ان عورتوں کے ساتھ رہنے کے لیے چھوڑ دو۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۴، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۳، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۳)

مسجد کوفہ میں اعلان فتح اور ابن عفیف کی شہادت

اس کے بعد اعلان ہوا کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو ابن زیاد نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا: خدا کا شکر ہے جس نے امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کے ساتھیوں کی مدد کی اور ان کو فتح و نصرت سے نوازا اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور ان کے رفقاء کو شکست دی اور قتل کیا۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ جب ظالم نے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو (معاذ اللہ) کذاب کہا تو حضرت عبداللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں سے ایک بزرگ تھے اور دونوں آنکھوں سے معذور ہو

گئے تھے اور سارا دن مسجد میں ذکر واذکار اور نماز پڑھنے میں گزارتے تھے) بہت بے تاب ہو کر اٹھے اور بھرے مجمع میں کہا: او ابن مرجانہ! تو بھی کذاب ہے تیرا باپ بھی کذاب تھا۔ تم لوگ اولادِ رسول کو قتل کرتے ہو اور باتیں ایسی کرتے ہو جیسے صدیقین ہوتے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اس کو پکڑلو۔ سپاہیوں نے ان کو گرفتار کرلیا۔ اس وقت تو ان کی قوم کے لوگوں نے ان کو چھڑالیا، بعد میں ابن زیاد نے ان کو بلوایا اور حکم دیا کہ ان کو قتل کر کے ان کی لاش کو لٹکا دیا جائے۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ (طبری، جلد ۶ صفحہ ۲۶۳، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۴، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۱)

پھر ابن زیاد بدنہاد نے حکم دیا کہ اسیرانِ اہلِ بیت کو قید خانے میں رکھا جائے اور حسین کے سر کو نیزے پر بلند کر کے کوفہ کی گلی کوچوں میں پھرایا جائے، چناں چہ امام پاک کے سر انور کو گلیوں بازاروں میں پھرایا گیا۔

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب، جلاء العیون اور مقتل ابن نّما میں مذکور ہے، جب اہل بیت نبوت کے بقیہ افراد کوفہ پہنچے تو ان کی حالت زار اور عالم بے کسی کو دیکھ کر اہل کوفہ زور زور سے رونے اور ماتم کرنے لگے۔ ان کے رونے اور ماتم کرنے کو دیکھ کر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ زینب اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما نے ان کے سامنے خطبات ارشاد فرمائے، جن کا خلاصہ یہ ہے: امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا: جو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہوں۔ میں ان کا فرزند ہوں جو کنارۂ فرات پر بھوکے پیاسے شہید کیے گئے ہیں۔ حالاں کہ ان کے ذمے نہ کسی کا خون تھا نہ انہوں نے کسی کا مال لیا تھا، میں ان کا فرزند ہوں جن کی ہتک عزت کی گئی، مال واسباب بھی لوٹ لیا گیا، ان کے عیال قیدی بنائے گئے۔ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ! کیا تم نے میرے والد ماجد کو خطوط لکھ کر نہیں بلایا تھا؟ اور کیا تم نے ان سے عہد و پیمان نہیں کیے تھے؟ ضرور کیے تھے، پھر تم نے ان کو چھوڑ دیا، صرف یہی نہیں بلکہ ان سے جنگ کی اور دشمن کو ان پر مسلط کیا۔ پس تمہارے لیے ہلاکت و بربادی ہو، تم نے جہنم کی راہ اختیار کی اور اپنے لیے بہت برا راستہ پسند کیا۔ بولو! تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کس طرح آنکھ ملاؤ گے اور کیا جواب دو گے؟ جب وہ تم سے فرمائیں گے کہ تم نے میری عترت کو

قتل کیا اور میری حرمت کی ہتک کی، پس تم میری امت میں نہیں ہو۔

اس وقت ہر طرف سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور کوفیوں نے کہا: اب ہم ہر طرح آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ آپ نے فرمایا: اے گروہ غدار و مکار! تم یہ چاہتے ہو کہ تم مجھ سے بھی ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ تم نے میرے باپ کے ساتھ کیا ہے؟ میں تمہارے قول واقرار اور دروغ بے فروغ پر کسی طرح بھی اعتماد نہیں کروں گا۔ حاشا وکلا، خدا کی قسم! ابھی وہ زخم نہیں بھرے جو کل ہی ہمارے پدر بزرگوار، ان کے اہل بیت اور ان کے رفقاء کے قتل ہونے سے لگے ہیں اور یہ سب کچھ تمہاری غداری و بے وفائی کی وجہ سے ہوا۔ واللہ میرا جگر کباب ہے۔ پھر آپ نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

تعجب نہیں ہے اگر حضرت حسین قتل کیے گئے، اس لیے کہ ان کے بزرگ بھی جو، ان سے افضل تھے، قتل ہوئے تھے۔ اے کوفہ والو! خوش نہ ہو بوجہ ان ظلموں کے جو حضرت حسین پر کیے گئے یہ امر خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم ہے۔ جو بزرگوار نہر فرات پر قتل ہوئے تھے، ان پر میری روح قربان ہو۔ جن لوگوں نے ان کو قتل کیا ہے ان کی سزا جہنم ہے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا: اے بے وفا اور دغا باز کوفیو! کیا اب تم روتے اور ماتم کرتے ہو! خدا تمہیں ہمیشہ رلائے اور تمہارا رونا اور ماتم کرنا کبھی موقوف نہ ہو۔ تم بہت زیادہ روؤ اور تھوڑا ہنسو۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو کاتے ہوئے تاگے کو مضبوط ہو جانے کے بعد جھٹکے دے کر توڑ ڈالے۔ تم نے اپنے ایمان کو دھوکے اور فریب کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، تمہاری مثال اس سبزے کی سی ہے جو نجاست کی ڈھیری پر لگا ہو۔ تم میں بجز خودستائی، شیخی بگھارنے، عیب جوئی، تہمت سرائی اور لونڈیوں کی طرح خوشامد اور چاپلوسی کے کچھ نہیں۔ بلاشبہ تم بہت برے کام کے مرتکب ہوئے ہو، تم نے ہمیشہ کے لیے ذلت حاصل کی اور عیب کمایا اور جہنم کے سزاوار ہوئے۔ تمہارے ماتھے پر بے وفائی اور غداری کا داغ جو لگ چکا ہے، وہ کسی پانی سے زائل ہونے والا نہیں۔ اے کوفیو! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کس جگر رسول کو پارہ پارہ کیا اور کس کا خون بہایا ہے؟ تم نے

خلاصۂ خاندانِ نبوت اور سردارِ جوانانِ اہلِ جنت اور مینار دین و شریعت کو قتل کیا ہے، تم نے مخدراتِ عصمت و طہارت دخترانِ خاتونِ جنت کو بے پردہ کیا ہے۔ اے اہل کوفہ! تم نے اپنے لیے آخرت میں بہت برا توشہ بھیجا ہے۔ خدا تعالیٰ تم پر اپنا غضب نازل کرے اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کرے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا: اے کوفہ والو! تمہارا برا حال ہو اور تمہارے مونھ سیاہ ہوں۔ تم نے میرے پیارے بھائی کو بلایا پھر ان کو چھوڑ دیا اور ان کی مدد نہ کی۔ تمہاری بے وفائی اور غداری کی وجہ سے وہ قتل ہوئے۔ ان کا مال و اسباب لوٹا گیا اور ان کے اہل بیت قیدی بنے۔ اب تم ان پر روتے ہو! خدا تم کو ہمیشہ رلائے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کیا ظلم کیا ہے اور کن گناہوں کا انبار اپنی پشت پر لگایا ہے؟ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

قتلتم اخی صبرا فویل لامکم ستجزون نارا حرھا یتوقدوا

تم نے میرے بھائی کو عالم غربت میں چاروں طرف سے گھیر کر بھوکا پیاسا قتل کیا تمہاری مائیں تم کو روئیں۔ عنقریب تم اس کی سزا میں آگ میں جلو گے جو شعلہ ور ہوگی۔

سفکتم دماء حرم اللہ سفکھا و حرمھا القرآن ثم محمد

تم نے وہ خون بہایا ہے جس کا بہانا اللہ تعالیٰ نے اور قرآن نے پھر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام کیا ہے۔

الا فابشروا بالنار انکم غدا لفی سقرحقا یقینا تخلدوا

آگاہ رہو، تم کو بشارت ہے آتش جہنم کی، کل قیامت کے دن یقینا تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہو گے۔

وانی لابکی فی حیاتی علی اخی علی خیر من بعد النبی سیولدوا

اور بے شک میں تمام عمر اپنے بھائی پر غم سے رووں گی، وہ بھائی جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد، بہتر تھے ان سے جو پیدا ہوں گے۔

بدمع غزیر مستھل مکفکف علی الخد منی ذائبا لیس بحمد

اور یہ آنسو کبھی بند نہ ہوں گے بلکہ برابر رخساروں پر بہتے رہیں گے اور کبھی خشک نہ ہوں گے۔ (مقتل ابن نما، صفحہ ۸۳، جلاء العیون، جلد ۲، صفحہ ۲۲۳)

اس کے بعد ابن زیاد بدنہاد نے اشقیا کی ایک جماعت کے ساتھ، جس میں شمر ذی الجوشن، خولی بن یزید، زحر بن قیس وغیرہ بھی تھے، شہداء کے سروں اور اسیرانِ اہل بیت کو یزید پلید کے پاس اس حالت میں بھیجا کہ زین العابدین کے ہاتھ پاؤں اور گردن میں زنجیریں ڈال دی گئی تھیں اور بی بیوں کو اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا گیا تھا۔ ظالم نے اپنے سپاہیوں کو تاکید کر دی تھی کہ راستے میں تشہیر کرتے ہوئے اور سروں کو نیزوں پر چڑھا کر لوگوں کو بتاتے ہوئے جانا، کہ دیکھو جنھوں نے حاکم وقت یزید کی مخالفت کی ان کا یہ حشر ہوا ہے، تاکہ لوگ ڈر جائیں اور یزید کی مخالفت سے باز رہیں۔

قافلے دہر میں اس طرح سے بہت کم جاتے ہیں
جس طرح آج کے دن اہل حرم جاتے ہیں
قافلہ ہے مدنی لوگ ہیں اولاد علی
ہاشمی خیل ہیں اور آل رسول عربی
اہل بیتِ نبوی ہیں یہ اسیرانِ بلا
سرو سامان ہے یاں بے سروسامانی کا
آستین اشک سے تر جیب و گریبان سب چاک
مونھ پہ تھی گردِ الم آنکھیں تھیں خوں سے نم ناک
رہ روا نند شکستہ دل و خستہ جگرے
جز غم و درد ندارند انیسے دگرے
نہ ز ہم درد و رفیقان وطن ہیچ کسے
نہ کسے مونس تنہائی و نے داد رسے ☆

☆ (ترجمہ) یہ لوگ جو قافلے کے ساتھ سفر کر رہے ہیں ٹوٹے دل اور غم گین جگر کے ساتھ، سوائے غم اور درد کے ان کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ کوئی ہم درد اور نہ ہی کوئی ہم وطن ساتھ تھا، نہ ہی کوئی تنہائی میں قریبی دوست تھا نہ ہی کوئی داد رس۔

دن کو راحت نہ کسی وقت نہ شب کو آرام
ساتھ خیمہ نہیں جس میں کہ ہو راتوں کو مقام
سایہ گستر بجز افلاک د گر ہیچ نبود (☆)
فرشِ آرام بجز خاک دگر ہیچ نبود
غمِ شبیر نہاں دل میں کیے جاتے تھے
داغِ غم تحفۂ احباب لیے جاتے تھے
رنج تازہ بھی جو آتے تھے پئے جاتے تھے
جانِ غم دیدہ کو گو صبر دیے جاتے تھے
ضبط نالہ کریں تو سینہ پھٹا جاتا تھا
نہ کریں گریہ تو دل غم سے جلا جاتا تھا
کیا کہیں آ کے وہ اس دشت میں کیا کھو کے چلے
گھر سے آئے تھے یہاں کیا اور کیا ہو کے چلے
سرو سرمایہ ایں قافلہ را بود حسین
آہ اینک سفر خلد بفر مود حسین (☆☆)

راستہ میں ایک منزل پر اہل کتاب کا ایک دیر (گرجا) آیا، یہ لوگ رات گزارنے کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یشربون النبیذ وہ خرمے کا شیرہ پینے لگے لیکن علامہ ابن کثیر نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ وھم یشربون الخمر وہ شراب پینے لگے (☆☆☆)۔ کہ اتنے میں ایک لوہے کا قلم نمودار ہوا، اس نے خون سے یہ شعر لکھا ؎

اَتَرْجُوْا اُمَّۃً قَتَلَتْ حُسَیْنًا شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

☆۔ان پر سایہ کرنے والا آسمان کے سوا کوئی نہیں تھا، زمین کے فرش کے سوا آرام کرنے کو ان کے لیے بستر نہیں تھا۔

☆☆۔اس قافلہ کے سرو سامان امام حسین ہیں، آہ کہ سب پیچھے رہ گیا اور بہشت کی طرف امام حسین نے سفر فرمالیا۔

☆☆☆۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۰۰ ج ۸، صواعق محرقہ ص ۱۹۲، سر الشہادتین ص ۳۵، نور الابصار ص ۱۴۷ سعادت الکونین ص ۱۲۳۔

کیا وہ گروہ بھی یہ امید رکھتا ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے، کہ قیامت کے دن ان کے جدامجد اس گروہ کی شفاعت کریں گے؟ (تہذیب الکمال، ص ۴۴۲ ج ۶)

بعض روایات میں ہے کہ یہ شعر پہلے سے گرجے (چرچ) کی دیوار پر لکھا ہوا تھا۔ جب ان بدبختوں نے دیکھا تو دیر کے راہب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے اور کب کا لکھا ہوا ہے؟

فَقَالَ اِنَّهُ مَكْتُوْبٌ هٰهُنَا مِنْ قَبْلُ اَنْ يَّبْعَثَ نَبِيِّكُمْ بِخَمْسِمِائَةِ عَام

راہب نے کہا یہ شعر تمہارے نبی کے مبعوث ہونے سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ (تاریخ الخمیس، جلد ۲، صفحہ ۲۹۹، سعادت الکونین، صفحہ ۱۳۳، حیوۃ الحیوان الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۶)

علامہ ابن کثیر، ابن عساکر سے روایت فرماتے ہیں: اَنَّ طَائِفَةً مِنَ النَّاسِ ذَهَبُوْا فِي غَزْوَةٍ اِلٰى بِلَادِ الرُّوْمِ فَوَجَدُوْا فِي كَنِيْسَةٍ مَكْتُوْبًا

اَتَرْجُوْا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حَسَيْنًا شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَابِ

فَسالُوْهُمْ مَنْ كَتَبَ هٰذَه! فَقَالُوْا اِنَّ هٰذَا مَكْتُوْبٌ مِنْ قَبْلُ مَبْعَثَ نَبِيِّكُمْ بِثَلَاثَمِائَةِ سَنَةً (البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۰، تہذیب الکمال، ص ۴۴۲ ج ۶)

کہ لوگوں کا ایک لشکر بسلسلہ جنگ بلا د روم کی طرف گیا، انہوں نے وہاں ایک کنیسہ میں بھی یہ شعر لکھا ہوا پایا، تو ان سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ شعر تمہارے نبی کی بعثت سے تین سو سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

دیر کے راہب نے قافلے میں جب شہدا کے سروں کو نیزوں پر اور چند بی بیوں اور بچوں کو بہ حالتِ اسیری و مظلومیت دیکھا، تو اس کے دل پر بہت اثر ہوا، اس نے حالات دریافت کیے، جب اس کو سب کچھ معلوم ہوا تو وہ سخت حیران ہو کر بولا: تم بہت برے لوگ ہو کیا کوئی اپنے نبی کی اولاد کے ساتھ بھی ایسا سلوک کر سکتا ہے؟ جیسا تم لوگوں نے کیا ہے۔

پھر اس راہب نے اس گروہ اشقیا سے کہا: کہ اگر ایک رات کے لیے تم اپنے نبی کے نواسے کا سر میرے پاس رہنے دو اور ان بی بیوں کی خدمت کا موقع مجھے دو، تو میں تم کو دس ہزار دینار دیتا ہوں۔ وہ درہم و دینار کے بندے اس پر راضی ہو گئے۔ راہب نے ایک صاف ستھرا کمرا بی بیوں کو رات گزارنے کے لیے پیش کیا اور اپنی خدمات پیش کرتے

ہوئے کہا، کہ تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ، اگر چہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن میرے دل میں تمہارے خاندان کی بڑی عزت ہے۔ اس نے صبر کی تلقین بھی کی کہ اللہ والوں کو اللہ کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں آئی ہیں، انہوں نے صبر کیا تو اللہ نے ان کو صبر کا بدلہ بہت اچھا دیا ہے، اب تمہارے لیے بھی سوائے صبر کے چارہ نہیں۔ بی بیوں نے اس کی اس ہم دردی کا شکریہ ادا کیا اور اس کو دعائیں دیں۔

راہب نے رقم ادا کرنے کے بعد حضرت امام کا سر انور لیا اور اپنے خاص کمرے میں جا کر سر اقدس، چہرہ مبارک اور مقدس زلفوں اور داڑھی مبارک کے بالوں پر جو غبار اور خون وغیرہ جما ہوا تھا، اس کو دھو کر صاف کیا اور عطر و کافور لگا کر معطر کیا اور بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ اپنے سامنے رکھ کر زیارت کرنے لگا۔ اس کی اس تعظیم و تکریم اور حسن سلوک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوا اور اس نے اس پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیئے۔ اس پر گریہ طاری ہوا اور اس کی آنکھوں سے پردے اٹھ گئے، اس نے کیا دیکھا کہ سر انور سے لے کر آسمان تک نور ہی نور تھا۔ جب اس نے سر انور کی کرامت اور انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا تو بے ساختہ اس کی زبان پر جاری ہوا، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ چوں کہ اس نے دنیا کی دولت قربان کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی دولت عطا فرمادی۔ اس نے سر انور کا ادب کیا تھا اور ادب کرنے والے بدنصیب و بے ایمان نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے اس کو با نصیب و باایمان بنا دیا۔ اس نے رسول زادیوں کی دعائیں حاصل کی تھیں، وہ دعائیں رنگ لائیں اور اس کی تقدیر بدل گئی، چناں چہ اس نے اس دیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور سچے دل سے اہل بیت اطہار کا مطیع و خادم بن گیا۔

سر اقدس انہوں نے دے دیا اس کو رقم لے کر
دیا راہب نے پہلے غسل پھر خوش بو ملی اس پر
ادب کے ساتھ بیٹھا اس کو اپنے سامنے رکھا
گزاری رات بھر اس طرح جب وہ دیکھتا روتا

جو نازل ہوتے تھے انوارِ رحمت آپ کے سر پر
نظر آتا رہا راہب کو ان انوار کا منظر
اسی باعث سے وہ مذہب سے اپنے ہو گیا تائب
بہ اخلاص و عقیدت اب مسلماں ہو گیا راہب

یہاں ایک اور سخت عبرت خیز واقعہ ہوا، وہ یہ کہ اس گروہ اشقیا نے لشکر امام عالی مقام اور ان کے خیموں سے جو درہم و دینار لوٹے تھے اور دیکھ بھال کے محفوظ کر لیے تھے اور جو راہب سے لیے تھے، ان کو تقسیم کرنے کے لیے جب تھیلیوں کے مونھ کھولے تو کیا دیکھا کہ وہ سب درہم و دینار ٹھیکریاں بنے ہوئے تھے اور ان کی ایک طرف یہ آیت **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ** (ابراہیم: ۴۲) کہ اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے کردار سے غافل مت سمجھو۔ اور دوسری طرف یہ آیت مکتوب تھی: **وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾** (الشعراء) اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۷، سعادت الکونین، صفحہ ۱۲۴)

پھر اعدا نے درہم بانٹنے کو تھیلیاں کھولیں
تو دیکھا سارے درہم تھیلیوں کے ٹھیکریاں ہو لیں
ہر ایک ٹھیکری پہ ایک جانب لکھا تھا لوگو
عمل سے ظالموں کے حق کو تم غافل نہیں جانو
یہ آیت دوسری جانب لکھی جب غور کرتے ہیں
کہ اب ظالم سمجھ لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں

یہ قدرت کی طرف سے ایک سبق ایک تنبیہ تھی، کہ بدبختو! تم نے اس فانی دنیا کے لیے دین چھوڑا اور آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم و ستم کیا۔ یاد رکھو! دین تو تم نے چھوڑ ہی دیا اور جس فانی و بے وفا دنیا کے لیے چھوڑا، وہ بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی اور تم **خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ** کا مصداق بنو گے۔

دین و دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھے   نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

دنیا پرستو دین سے مونھ موڑ کے تمہیں دنیا ملی نہ عیش و طرب کی ہوا ملی

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جب کبھی بھی دین کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی اور دین چھوڑ کر دنیا کو اختیار کیا، پھر دنیا بھی ان کے پاس نہ رہی اور وہ دارین میں خسران کے سزاوار ہوئے۔اور جنہوں نے فانی دنیا کو لات ماردی اور دین وایمان کو نہیں چھوڑا بلکہ اپنے کردار وعمل سے یہ ثابت کر دیا ؎

سر کٹے، کنبہ مرے، سب کچھ لٹے دامنِ احمد نہ ہاتھوں سے چھٹے

تو دنیا ان کے پیچھے پیچھے ہوگئی اور وہ دارین میں سرخرو ہوئے۔ انہی لوگوں کو نوید ایزدی سناتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

دربار یزید

جب شہدا کے سر اور اسیران کربلا دمشق پہنچے،تو یزید نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں،ہم ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد نتیجہ پیش کریں گے۔

پہلی روایت

زحر بن قیس یزید کے پاس حاضر ہوا تو یزید نے پوچھا، کیا خبر لائے ہو؟ زحر نے کہا، امیر المومنین آپ کو مبارک ہو کہ اللہ نے آپ کو فتح ونصرت دی۔ حسین بن علی ہمارے مقابلہ میں اپنے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور اپنے گروہ کے ساٹھ آدمیوں کو لائے تھے۔ ہم ان کے پاس گئے اور ان سے کہا، یا تو اطاعت اختیار کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں! انہوں نے اطاعت سے انکار کر دیا،تو ہم نے صبح ہوتے ہی ان کو ہر طرف سے گھیر کر ان پر حملہ کر دیا۔ جب ہماری تلواریں ان کے سروں تک پہنچ گئیں،تو وہ بھاگنے لگے اور ان کے لیے کہیں جائے پناہ نہیں تھی،تو وہ ہم سے اپنی جانیں بچانے کے لیے اس طرح چھپتے پھرتے تھے جیسے کبوتر شاہین سے چھپتے ہیں۔ امیر المومنین! واللہ بس جتنی دیر ایک اونٹ کے ذبح کرنے میں لگتی ہے،اتنی دیر میں ہم نے ان کے سب آدمیوں کو قتل کر دیا۔اب ان

کی لاشیں برہنہ، ان کے پیراہن اور ان کے رخسار خاک وخون میں آلودہ پڑے ہیں۔ آفتاب کی تپش ان کو پگھلا رہی ہے، ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے۔ ایک سنسان بیابان میں عقاب اور گدھیں ان پر اتر رہی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ سن کر یزید آب دیدہ ہوگیا اور کہا کہ تمہاری اطاعت سے اس وقت خوش ہوتا جب کہ تم نے حسین کو قتل نہ کیا ہوتا۔ خدا ابن سمیہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے، واللہ اگر میں ہوتا تو میں حسین کو معاف کر دیتا۔ خدا حسین پر رحم کرے اور زحر کو کوئی انعام نہیں دیا۔

(ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۴، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۴، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۱)

دوسری روایت

شمر ذی الجوشن اور محفر بن ثعلبہ دونوں، حضرت امام عالی مقام کا سرِ انور لے کر جب یزید کے پاس پہنچے تو محفر بن ثعلبہ نے دروازے میں کھڑے ہوکر باآواز بلند کہا: کہ ہم امیر المومنین کی خدمت میں سب سے زیادہ بے وقوف اور بدترین شخص کا سر لے کر آئے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ یزید نے یہ سن کر کہا کہ محفر کی ماں نے اس سے زیادہ بے وقوف اور بدترین بیٹا نہیں جنا لیکن وہ قاطع اور ظالم ہے، پھر وہ اندر داخل ہوئے اور سر انور کو یزید کے آگے رکھ کر سارا واقعہ کربلا بیان کیا۔ یہ سارا واقعہ یزید کی بیوی ہند بنت عبداللہ بن عامر نے بھی سنا، وہ چادر اوڑھ کر باہر آئی اور کہا، امیر المومنین! کیا یہ حسین بن علی ابن فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا سر ہے؟ یزید نے کہا ہاں! اب تم اس پر روؤ۔ اور اس ابن بنت رسول اللہ ﷺ خالص النسب قریشی پر سوگ کرو جسے ابن زیاد نے جلد بازی میں قتل کر دیا ہے، خدا اسے قتل کرے۔ پھر یزید نے دربار لگایا اور عوام وخواص کو اندر آنے کی اجازت دی۔ لوگ اندر داخل ہوئے، سر انور یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کو وہ آپ کے لب و دندان مبارک پر مارتا تھا اور کہتا تھا: کہ اب تو ان کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسا کہ حصین ابن الحمام نے کہا ہے ؎

ابی قومنا ان ینصفونا فانصفت قواضب فی ایماننا تقطر الدما

یفلقن هاما من رجال اعزۃ علینا وھم کانوا اعق و اظلما

یعنی ہماری قوم نے تو انصاف کرنے سے انکار کر دیا تھا، پس ان تلواروں نے انصاف کر دیا جو ہمارے دائیں ہاتھوں میں تھیں، جن سے خون ٹپکتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں کی کھوپڑیاں توڑتی ہیں جو ہم پر غالب تھے اور وہ نہایت نافرمان اور ظالم تھے۔

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے یزید! تو اپنی چھڑی حضرت حسین کے دانتوں پر اس جگہ مار رہا ہے جس جگہ کو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوسا کرتے تھے۔ بے شک اے یزید! کل قیامت کے دن جب تو آئے گا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور یہ حسین آئیں گے تو ان کے شفیع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے، یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے۔ یزید نے امام کے سرِ انور سے مخاطب ہو کر کہا: اے حسین! خدا کی قسم! اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا۔ پھر یزید نے حاضرین سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ان کا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس لیے کہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علی میرے باپ معاویہ سے اور ان کی ماں فاطمہ میری ماں سے اور ان کے جدامجد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے جد سے بہتر تھے۔ لہٰذا یہ خلافت کے مجھ سے زیادہ مستحق تھے۔ ان کے اس قول کا جواب کہ ان کے باپ میرے باپ سے بہتر تھے، یہ ہے کہ ان کے باپ اور میرے باپ نے خدا سے محاکمہ چاہا اور لوگ جانتے ہیں کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دیا۔ ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں تو مجھے میری جان کی قسم! بلاشبہ وہ میری ماں سے بہتر تھیں اور ان کا یہ قول کہ ان کے جدامجد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے دادا سے بہتر تھے، تو میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی مسلمان جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ہم میں سے کسی کو بھی رسول اللہ کے برابر اور ہم سر نہیں ٹھہرائے گا لیکن ان پر جو یہ مصیبت آئی وہ ان کے نہ سمجھنے کی وجہ سے آئی۔ انہوں نے یہ آیت نہ پڑھی: **قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ**، الایۃ۔ (آل عمران:۲۶)

اس کے بعد اسیرانِ اہل بیت بھرے دربار میں اس کے سامنے پیش کیے گئے، حضرت امام کا سر انور اس کے سامنے ہی رکھا ہوا تھا، جب حضرت امام کی بیٹیوں حضرت فاطمہ اور

حضرت سکینہ نے سرانور کو دیکھا تو بے ساختہ ان کی چیخیں نکل گئیں۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۵)

تیسری روایت

جب سرانور یزید کے پاس لاکر اس کے آگے رکھا گیا، تو وہ خوش ہوا، اس نے اہل شام کو جمع کیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اس سے سرانور کو الٹ پلٹ کرتا تھا اور ابن الزبعری کے یہ اشعار پڑھتا تھا ؎

لَیْتَ اَشْیَاخِی بِبدرٍ شَھِدوا جَزَعَ الْخزرَج مِن وقع الاَسل
قد قتلنا الضِعفَ مِن اَشرَافِھِم و عَدَلْنَا مَیلَ بدرٍ فَاعتَدَل

اے کاش! آج میرے بزرگ جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے، زندہ و موجود ہوتے تو دیکھتے کہ بے شک میں نے ان سے دو گنے ان کے اشراف کو قتل کر کے بدلہ لیا اور معاملہ برابر کر دیا۔ (صواعق محرقہ، صفحہ ۲۱۸، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۲، ابن عساکر: ۷:۷۱۶)

علامہ ابن حجر مکی شافعی اور شعبی نے فرمایا۔

وزاد فیھا بیتین مشتملین علی صریح الکفر

یزید نے دو شعر اس میں اور بڑھائے جو یزید کے صریح کفر پر مشتمل ہیں۔ اور وہ یہ ہیں ؎

لعبت ھاشم بالملك فلا خبر جاء ہ ولا وحی نزل
لست من عتبة ان لم انتقم من نبی احمد ما کان فعل

بنی ہاشم ملک سے کھیلتے رہے پس نہ کوئی خبر ان کے پاس آئی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔ میں عتبہ کی اولاد سے نہ ہوتا اگر میں اولادِ احمد سے اس کا بدلہ نہ لیتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔

(صواعق محرقہ، صفحہ ۲۱۸، المنتظم ص ۱۹۹ ج ۲، مقاتل الطالبین، ص ۳۴ ج ۱، البدء والتاریخ، ص ۱۳۳ ج ۱، الدولۃ الامویہ، ص ۲۵۶ ج ۲، البدایہ والنہایہ، ص ۱۹۲ ج ۸، طبری، ص ۱۸۷ ج ۸)

انہیں پھر لے کہ وہ فوجِ مخالف شام میں پہنچی
یہ سر دربار میں رکھے کیے حاضر وہ سب قیدی

یزید اور اس کے ساتھی خوش ہوئے اس کام یابی پر
نہ غم تھا ان کو اجمل آلِ اطہر کی تباہی پر

چوتھی روایت

جب یزید کے سامنے حضرت امام پاک اور ان کے اہلِ بیت وانصار کے سر رکھے گئے تو اس نے حصین ابن الحمام کے وہی شعر پڑھے، جو دوسری روایت میں اوپر لکھے جا چکے ہیں۔تو اس وقت مروان کا بھائی یحییٰ بن حکم یزید کے پاس موجود تھا، اس نے یہ دو شعر کہے۔

لُهام بِجَنب الطّفِ اَدنی قَرابة مِنِ ابْنِ زیادِ العبد ذی الحسب الوَغْل
سُمّیه اَمسَی نَسلُها عددَ الحَصی وَلیسَ لآلِ الُمصطفَی الیومَ مِن نَسْلِ

وہ لشکر جو زمین طف کے پہلو میں (قتل کیا گیا) ہے وہ زیادہ قرابت دار ہیں ابن زیاد جیسے کمینہ غلام اور کھوٹے نسب والے سے۔سمیہ کی نسل تو سنگ ریزوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوگئی۔لیکن آل مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سے آج کوئی باقی نہیں رہا☆۔

یزید نے یہ سن کر یحییٰ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا خاموش۔

(طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۵، البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۲، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۷)

پھر یزید کے سامنے امام زین العابدین، خواتین واطفالِ اہل بیت کو بہ حالت اسیری و شکستہ حالی پیش کیا گیا۔حضرت فاطمہ بنت حسین نے جو حضرت سکینہ سے بڑی تھیں کہا ابنات رسول سبایا یا یزید۔اے یزید! کیا رسول اللہ کی بیٹیاں قیدی ہیں؟ امام زین العابدین نے فرمایا: لو رآنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغلولین لفك عنا قال صدقت و امر بفك غله عنه۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھتے تو ضرور ہماری ہتھ کڑیوں اور بیڑیوں کو کھول دیتے۔یزید نے کہا، تم سچ کہتے ہو اور حکم دیا کہ ان کی زنجیریں کھول دو۔پھر یزید نے حضرت زین العابدین کو مخاطب کر کے کہا: تمہارے باپ نے مجھ سے قطع رحم کیا، میرے حق کو نہ جانا اور میری سلطنت میں مجھ سے جھگڑا کیا۔پھر

☆۔اب سمیہ کی نسل کا نام ونشان تک مٹ گیا ہے اور آل مصطفیٰ دنیا بھر میں موجود ہے۔(المولف)

اللہ نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا وہ تم نے دیکھ لیا ہے۔

حضرت زین العابدین اس کے جواب میں آیت پڑھی: **مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا** (الحدید: ۲۲)

جو کوئی بھی مصیبت روئے زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہے وہ اس نوشتہ میں لکھی ہوئی ہے جو پیدائش عالم سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے۔

یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا، اس کا جواب دو۔ لیکن اس کی سمجھ میں جواب نہ آیا تو یزید نے خود بتایا: تم کہو: **وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ۞** (الشوریٰ)۔ جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اور بہت سی خطائیں اللہ معاف بھی کر دیتا ہے۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۵، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۵)

اسی اثنا میں ایک ظالم شامی نے حضرت فاطمہ بنت حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے دے دو۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ ڈر گئیں اور حضرت زینب کا کپڑا پکڑ لیا۔ حضرت زینب نے اس شامی کو ڈانٹا کہ تو جھوٹ بکتا ہے، او بدبخت! یہ لڑکی (شرعاً) نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ یزید کو۔ چوں کہ حضرت سیدہ نے یزید کے متعلق بھی کہہ دیا تھا، اس لیے یزید نے غضب ناک ہو کر کہا، تم جھوٹ کہتی ہو، خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اس لڑکی کو لے سکتا ہوں۔ حضرت زینب نے کہا: خدا کی قسم تو نہیں لے سکتا۔ اللہ نے تجھے یہ حق نہیں دیا، ہاں اگر تم ہماری ملت سے خارج ہو جاؤ اور ہمارے دین اسلام سے خارج ہو جاؤ اور ہمارے دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر لو، تو پھر تم لے سکتے ہو (یعنی جب تک مسلمان کہلاتے ہو مسلمان عورت کو مال غنیمت کے طور پر نہیں لے سکتے ہو)۔ اس پر یزید سخت برہم ہو کر کہنے لگا، تم مجھ سے اسی طرح کہتی ہو، دین سے تو تمہارا باپ اور تمہارا بھائی خارج ہوئے تھے۔ حضرت زینب نے فرمایا: اللہ کے اور میرے جد امجد اور میرے باپ اور میرے بھائی کے دین ہی سے تو، تو نے اور تیرے باپ دادا نے ہدایت پائی ہے۔ یزید نے کہا، او خدا کی دشمن! تو جھوٹ بکتی ہے۔ سیدہ نے فرمایا: تو امیر ہے اور اپنی بادشاہی کی وجہ سے ناحق سختی اور بدزبانی کرتا ہے، یزید اس پر شرما کر خاموش ہو گیا۔ (ابن اثیر، جلد ۴،

صفحہ ۳۵،طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۵، البدایہ، ج ۸، ص ۱۹۴۔تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۳)

پانچویں روایت

حضرت امام عالی مقام کا سر انور جب یزید کے پاس پہنچا تو وہ خوش ہوا اور اس کے نزدیک ابن زیاد کی قدر ومنزلت بہت بڑھ گئی، اس لیے اس کو انعام واکرام سے نوازا، مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ نادم ہوا کیوں کہ اس کو یہ معلوم ہوگیا کہ لوگوں کے دلوں میں میرا بغض اور عداوت پیدا ہوگئی ہے اور لوگ مجھے لعن وطعن اور سبّ وشتم کرنے لگے ہیں۔ پھر وہ ابن زیاد کو گالیاں دینے لگا کہ خدا کی مار ہو ابن مرجانہ پر، اس نے حسین کو قتل کر کے مسلمانوں کے دلوں میں میرے بغض وعداوت کا بیج بو دیا اور ہر نیک وبد آدمی قتل حسین کی وجہ سے میرا دشمن بن گیا۔ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے اور اس پر اپنا غضب نازل کرے۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۶) لما قتل ابن زیاد الحسین و من معه بعث برؤوسهم الی یزید فسر بقتله اولاً و حسنت بذالك منزلة ابن زیاد عنده ثم لم یلبث الا قلیلا حتی ندم (البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۳۲)

جب ابن زیاد نے حضرت حسین کو مع ان کے رفقاء کے قتل کر دیا تھا اور ان کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا تھا، تو یزید امام کے قتل سے اولاً تو خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کی قدر ومنزلت اس کے نزدیک زیادہ ہوگئی مگر وہ اس خوشی پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہا حتیٰ کہ پھر نادم ہوا۔ وقد لعن ابن زیاد علی فعله ذالك و شتمه فیما یظهر و یبدو، ولكن لم یعزله علی ذلك ولا عاقبه ولا ارسل یعیب علیه ذالك (البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۳)

بے شک یزید نے ابن زیاد پر اس کے فعل کی وجہ سے لعنت تو کی اور اس کو برا بھلا بھی کہا، اس وجہ سے کہ آئندہ جب حقیقت ظاہر ہوگی اور بات کھلے گی تو پھر کیا ہوگا؟ لیکن نہ تو اس نے ابن زیاد کو اس ناپاک حرکت پر معزول کیا اور نہ بعد میں اسے کچھ کہا اور نہ کسی کو بھیج کر اس کا یہ شرم ناک عیب اس کو جتایا، یعنی کوئی ملامت نہیں کی۔

نتیجہ

ان روایات میں ادنیٰ سا غور سے کرنے سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے، کہ بلاشبہ یزید نے ابن زیاد پر لعنت اور سبّ وشتم وغیرہ کیا اور قتلِ امام پر اظہار افسوس بھی کیا، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ اس کے نزدیک قتل امام ناجائز اور بہت بڑا ظلم تھا، ورنہ اس پر لازم تھا کہ وہ ابن زیاد اور قاتلان حسین سے مواخذہ کرتا اور ان کو اس ظلم کی سزا دیتا، جب کہ اس نے ابن زیاد کو اکرام وانعام سے نوازا۔ اس کے اظہارِ افسوس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ امام اور اہل بیت نبوت کے دیگر افراد کے ناحق قتل اور ان پر ظلم وستم کا بدترین سیاہ داغ، جو میری پیشانی پر لگ چکا ہے، وہ کبھی زائل نہیں ہوگا اور دنیائے اسلام قیامت تک مجھے ملامت کرتی رہے گی۔

چناں چہ اس نے اپنی رسوائی کے خطرات کے پیش نظر صرف زبانی لعنت وغیرہ بھیجی اور ندامت وافسوس کا اظہار بھی کر دیا، جس کو رسمی یا سیاسی لعنت وندامت کہنا چاہیے۔ گزشتہ صفحات میں اس پر کافی بحث گزر چکی ہے نیز صفحہ ۵۰ پر خود ابن زیاد کا بیان ملاحظہ فرمایئے جس میں اس نے اقرار کیا ہے کہ مجھے یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا (☆) اور ان مذکورہ روایات میں حضرت سیدنا زین العابدین اور سیدہ زینب کے ساتھ اس کی گفتگو، سختی، بدزبانی اور دوسری اور تیسری روایت میں اس کے اشعار اس کی قلبی عداوت وکیفیت اور بغض وعناد پر گواہ ہیں۔ بہرحال حقیقت یہی ہے اور روایاتِ معتبرہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ یزید پلید کا دامن کسی طرح بھی اس ظلمِ عظیم سے بری نہیں ہے۔ اس واقعہ ہائلہ کا وہی محرک اور اس میں برابر کا شریک اور پورا ذمہ دار ہے۔ نیز شہادت کے بعد واقعہ حرہ کی لرزہ خیز داستان نے بھی اس بدبخت کی بدنصیبی اور سیاہ بختی کا پردہ مزید چاک کر کے اس کی خباثت کو بے نقاب کر دیا (☆☆)۔

☆۔ الکامل ابن اثیر، ص ۳۲۴، ۴۷۴ ج ۳، سیر اعلام النبلاء، ص ۳۵۰ ج ۳، اخبار الدول وآثار الاول فی التاریخ، ص ۳۲۰ ج ۱، الفتوح، ص ۸۴ ج ۵، مطالب السؤول فی مناقب آل رسول، ص ۴۰۰، مقتل الحسین خوارزمی، ص ۴۰ ۳ ج ۱، تاریخ الخلفاء، ص ۸۴، ص ۱۹۴ ج ۱، الادلہ علی تورط یزید بدم الحسین، ص ۳۲ ج ۱، البدایہ والنہایہ، ص ۱۹۱ ج ہشتم، مترجم اردو، تاریخ یعقوبی، ص ۲۰۸ ج ۱، تفسیر مظہری، ص ۶۴۵ ج ۵، تاریخ اسلام، ص ۱۰ ج ۵، ابن عساکر ص ۲۱۳ ج ۱۴، انساب الاشراف ص ۸۵ ج ۲۔

☆☆۔ یزید پلید کے بارے میں تمام تفصیل کے لیے میری کتاب ''امام پاک اور یزید پلید'' ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض

بعض لوگوں نے ابن تیمیہ کے حوالہ سے یزید کا چھڑی سے امام پاک کے دندان مبارک کوٹھونکا دینا بالکل غلط اور جھوٹ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ ابن زیاد کا ہے، غلط فہم راویوں نے اس کو یزید کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جواب

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر جو خود مخالفین کے نزدیک نہایت معتبر، ثقہ، محدث، مفسر اور مورخ ہیں اور ابن تیمیہ ہی کے شاگرد ہیں، انہوں نے اس بارے میں تین روایتیں نقل کی ہیں، ملاحظہ ہو: لما وضع راس الحسین بین یدی یزید بن معاویه جعل ینکت بقضیب کان فی یدہ فی ثغرہ ثم قال ان هذا و ایانا کما قال الحصین ابن الحمام المری

یفلقن هاما من رجال اعزۃ علینا و هم کانوا اعق واظلما

فقال له ابو برزۃ الاسلمی اما واللہ لقد اخذ قضیبك هذا ماخذا لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یرشفه ثم قال الا ان هذا سیجیٔ یوم القیمة و شفیعه محمد وتجیٔ و شفیعك ابن زیاد ثم قام فولّی۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۲)

جب حضرت حسین کا سر، یزید بن معاویہ کے آگے رکھا گیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے وہ آپ کے سامنے کے دانتوں میں ٹھونکا دیتا تھا، پھر اس نے کہا: بے شک اس کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسا کہ حصین ابن الحمام المری نے کہا: کہ ہماری تلواریں ایسے لوگوں کی کھوپڑیاں توڑتی ہیں جو ہم پر غالب تھے اور وہ نہایت نافرمان اور ظالم تھے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی (صحابی) نے فرمایا: خدا کی قسم تو اپنی چھڑی ایسی جگہ پر مار رہا ہے جس جگہ کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چوستے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا: آگاہ ہو جا! قیامت کے دن یہ حسین آئیں گے تو ان کے شفیع حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں گے اور تو آئے گا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا، پھر وہ کھڑے ہوئے اور وہاں سے چلے گئے۔

(۲) اسی روایت کو انہوں نے دوسری سند سے حضرت جعفر سے روایت کیا ہے۔

(۳) اور اسی روایت کو انہوں نے تیسری سند سے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے۔

یہی روایت تاریخ طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۷، اور ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۵ اور صواعق محرقہ صفحہ ۹۷ میں بھی ہے۔

ف: یاد رہے کہ ابن زیاد نے جب لکڑی دندان مبارک پر ماری تھی، اس وقت وہاں حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ابن زیاد کو اس فعل شنیع سے منع فرمایا، لیکن یزید نے جب یہ ناپاک حرکت کی تو اس کو خطاب کرنے والے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

علامہ امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں: ولما فعل یزید برأس الحسین ما مر کان عندہٗ رسول قیصر فقال متعجبا ان عندنا فی بعض الجزائر فی دیر حافر حمار عیسیٰ فنحن نحج الیه کل عام من الاقطار و ننذر النذور و نعظمه کما تعظمون کعبتکم فاشهد انکم باطل وقال ذمی آخر بینی وبین داود سبعون ابا وان الیهود تعظمنی و تحترمنی وانتم قتلتم ابن نبیکم۔

(صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۷، سعادت الکونین، صفحہ ۱۲۷)

اور جب یزید نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے سر مبارک کے ساتھ بے ادبی کی، (جیسا کہ گزرا)، تو اس وقت یزید کے پاس قیصر روم کا سفیر بھی موجود تھا۔ اس نے بہت متعجب ہو کر کہا: کہ ہمارے ہاں ایک جزیرہ کے دیر (گرجا) میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے گدھے کے کُھر کا نشان ابھی تک محفوظ ہے، سو ہم ہر سال ہدیے نذرانے اور تحفے لے کر اس کی زیارت کو جاتے ہیں اور اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح تم لوگ اپنے کعبہ کی کرتے ہو۔ بلا شبہ تم لوگ جھوٹے اور بے ہودہ ہو۔ اسی طرح اس وقت وہاں ایک ذمّی (یہودی) بھی موجود تھا، اس نے کہا: میرے اور (پیغمبر) داؤد (علیہ السلام) کے درمیان ستر پشتیں گزر چکی ہیں (یعنی میں ان کی اولاد میں سے ہوں) لیکن اب تک یہودی میری تعظیم اور میرا احترام کرتے ہیں اور تم نے اپنی نبی کے فرزند کو اس طرح بے دریغ قتل کر دیا۔

اس کے بعد یزید پلید نے حکم دیا کہ سروں کو تین روز تک دمشق میں پھراؤ اور شہر کے دروازوں پر لٹکاؤ۔ چناں چہ منہال بن عمرو فرماتے ہیں:

واللہ رایت راس الحسین حین حمل وانا بد مشق و بین یدی الرأس رجل یقرأ سورۃ الکھف حتیٰ بلغ قولہ تعالیٰ ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایٰتنا عجبا فانطق اللہ الراس بلسان ذرب فقال اعجب من اصحٰب الکھف قتلی وحملی

''خدا کی قسم! جب حضرت حسین کے سر کو نیزے کے اوپر چڑھائے گلیوں بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا، تو میں اس وقت دمشق میں تھا، میں نے بچشم خود دیکھا کہ سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، جب وہ اس آیت پر پہنچا: اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ ۙ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔ کیا تو نے جانا کہ بے شک اصحاب کہف اور رقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجوبہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سر مبارک کو گویائی دی، اس نے بزبان فصیح کہا: اصحاب کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجیب تر ہے''۔ (شرح الصدور، صفحہ ۸۸، سر الشہادتین، صفحہ ۳۵، نور الابصار، صفحہ ۱۴۹)

بلاشبہ عجیب تر ہے، اس لیے کہ اصحاب کہف جن کے خوف سے گھر بار ساز و سامان وغیرہ چھوڑ کر نکلے اور غار میں چھپے تھے، وہ لوگ کافر تھے۔ لیکن حضرت امام عالی مقام اور آپ کے اہل بیت اور انصار کے ساتھ ظلم و ستم اور انتہائی بے حرمتی کرنے والے ایمان و اسلام کے دعوے دار تھے۔ اصحاب کہف، ولی اللہ تھے اور یہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے تھے۔ اصحاب کہف کے ساتھ ایسا نہیں ہوا جیسا کہ ان کے ساتھ ہوا۔ اصحاب کہف سال ہا سال کی طویل نیند کے بعد اٹھے اور بولے تو آخر وہ زندہ تھے لیکن حضرت امام کے سر انور کا جسم سے جدا ہونے کے کئی روز بعد نیزے کی نوک پر بولنا یقیناً اس واقعہ سے عجیب تر ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔ اِنَّ هٰذَا الشَّیْءُ عُجَابٌ

لیے جاتے تھے ظالم اس سر اقدس کو نیزہ پر
پڑھی قاری نے سورۂ کہف کی یہ آیت اطہر
ہماری آیتوں میں سے عجب یہ کہف والے تھے
سر اقدس نے فرمایا یہ سن کر حق کی قدرت سے
وَاَعۡجَبُ مِنۡهُ قَتۡلِی ثُمَّ حَمۡلِی پر نظر کرنا
کہ اس سے ہے عجب تر میرا قتل اور سر لیے پھرنا
کیے جورو جفا کفار نے ان کہف والوں پر
ادھر شہ پر مظالم ڈھائے خود امت نے بلوا کر
رفیق احباب بیٹے جو تھے سب کو قتل کر ڈالا
شہید آخر میں شہ کو کر کے اپنا مونھ کیا کالا
رہے بیوہ یتیم ان کے بنایا ان کو بھی قیدی
پھرائے ان کے سر نیزوں پہ یہ کی سخت بے دردی
عجب ہے بولنا بعدِ فنا جب کہف والوں کا
عجیب اس سے زیادہ کیوں نہ ہو اس سر کا فرمانا

علامہ حافظ امام ابی الخطاب ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ جب یزید پلید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر انور دمشق میں لٹکوایا تو حضرت خالد بن غفراء رضی اللہ عنہ، کہ افاضل تابعین سے تھے، انہوں نے اپنے آپ کو چھپا لیا اور ایک ماہ تک باہر نہ نکلے، ایک ماہ کے بعد جب باہر نکلے تو لوگوں نے ان سے اس عزلت کا سبب پوچھا۔ انہوں نے فرمایا دیکھتے نہیں ہو یہ کیسا دور ابتلا ہے؟ پھر یہ اشعار پڑھے ؎

جاؤا براسك یا ابن بنت محمد متزملا بدمائہ تزمیلا

اے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پاک بیٹی کے پاک فرزند (آہ) یہ لوگ تمہارے سر انور کو خون آلودہ لائے۔

فکانما بك یا ابن بنت محمد قتلوا جهارا عامدین رسولا

اے نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہوں نے آپ کو قتل کر کے گویا علانیہ طور پر رسول اللہ کو قتل کیا۔

قتلوك عطشانا ولم يتدبروا فی قتلك القرآن والتاويلا

ان ظالموں نے آپ کو سخت پیاس کی حالت میں قتل کیا اور یہ تدبر نہیں کیا کہ آپ کے قتل سے قرآن اور اس کے علوم جاتے رہیں گے۔

و يكبرون بان قتلت وانما قتلوا بك التكبير والتهليلا

یہ بدبخت آپ کو قتل کر کے فخر وغرور میں مبتلا ہیں حالاں کہ انہوں نے آپ کے ساتھ تکبیر وتہلیل کا خاتمہ کردیا۔ یعنی سرمایۂ اسلام ختم ہو گیا۔

(مرج البحرین فی فوائد المشرقین والمغربین۔ البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۸ مختصراً)

یزید کے گھر ماتم

اس کے بعد یزید کے حکم سے پہلے تو ان ستم رسیدہ افراد کو ایک الگ مکان میں رکھا گیا بعد میں یزید نے اہل بیت کی عورتوں کو خاص اپنے گھر میں بلالیا اور اپنے گھر کی عورتوں سے کہا، کہ ان سے افسوس اور اظہار ہمدردی کرو، چناں چہ جب اہل بیت کی بی بیاں نہایت ابتر حالت میں یزید کے گھر آئیں تو یزید کے گھرانے کی کوئی عورت ایسی نہ تھی جو ان سے ملنے نہ آئی ہو اور اس نے ان کی حالتِ زار پر ماتم نہ کیا ہو، چناں چہ تین دن تک یزید کے گھر میں نوحہ اور ماتم بپا رہا۔

یزید کا سلوک

کوفی وشامی وحشیوں نے اہل بیت اطہار کا سب ساز وسامان لوٹ لیا تھا۔ اوڑھنے کی چادریں تک اتار لی تھیں۔ اور ابن سعد کے حکم کے باوجود کسی نے کوئی چیز بھی واپس نہ کی تھی۔ یزید نے اس کی پوری پوری تلافی کی اور تمام عورتوں کا جس قدر مال ومتاع لوٹ لیا گیا تھا اس سے دگنا ان کو بہ صد اصرار دیا۔ یزید کے اس سلوک پر حضرت سکینہ بنت حسین کہا کرتی تھیں:

ما رایت رجلا کافرا باللہ خیرا من یزید

''میں کسی کافر باللہ کو یزید سے بہتر نہیں دیکھا''۔

یزید صبح و شام کھانے کے وقت حضرت زین العابدین کو بلا لیا کرتا تھا۔ ایک دن اس کے ساتھ عمرو بن حسین بھی تھے جو بہت کم سن تھے یزید نے ان سے کہا کیا تم اس جوان یعنی میرے بیٹے خالد سے لڑو گے؟ ابن حسین نے کہا، کیوں نہیں! ہاں ایک چھڑی مجھے دے دو اور ایک چھڑی اس کو دے دو، پھر میں اس سے لڑوں گا۔ یزید نے اس کو پکڑ کر اپنے ساتھ چمٹا لیا اور کہا آخر طینت کیسے بدل سکتی ہے، سانپ کا بچہ سنپولیے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

(ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۶، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۵)

اہل بیت کی مدینہ منورہ واپسی

پھر یزید نے اہل بیت رسول کے بقیہ افراد کو مدینہ منورہ بھجوانے سے پہلے حضرت زین العابدین کو بلایا اور کہا: خدا ابن زیاد پر لعنت کرے، واللہ اگر میں ہوتا تو حسین جو کچھ کہتے مان لیتا خواہ اس میں میرا نقصان ہی ہوتا لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو تم نے دیکھا۔ بہر حال تمہیں کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو مجھے لکھ دینا۔ پھر یزید نے حضرت نعمان بن بشیر کو بلا کر کہا، کہ ان کو ضروری سامان سفر اور شریف قسم کے حفاظتی دستہ کے ساتھ بہ حفاظت تمام مدینہ پہنچا دو۔ انہوں نے اس خدمت کو بہ طیبِ خاطر قبول کیا اور بڑے ادب و احترام اور انتہائی راحت و آرام کے ساتھ مدینہ پہنچایا۔

مخدراتِ اہل بیت کے پاکیزہ قلوب ان کے اس شریفانہ سلوک اور حسن خدمت سے بہت متاثر ہوئے اور چاہا کہ اس حسن سلوک کا ان کو کچھ صلہ دیا جائے چناں چہ حضرت زینب اور حضرت فاطمہ نے سونے کے وہ زیورات جو ان کو یزید نے ان کے زیورات کے بدلے میں دیئے تھے، ان کے پاس بھیجے اور زبانی کہلا بھیجا کہ اس وقت ہم معذور ہیں، ہمارے پاس ان کے سوا اور کچھ نہیں، یہ تمہارے حسن سلوک کا شکرانہ اور صلہ ہے اس کو قبول کر لو۔ حضرت نعمان بن بشیر نے زیورات ان کو واپس کر دیئے اور کہا خدا کی قسم! ہم

نے دنیاوی منفعت کے لیے یہ خدمت نہیں کی بلکہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے کی ہے۔ (طبری، جلد ٦ صفحہ ٢٦٦، ابن اثیر، جلد ٤، صفحہ ٣٦)

کربلا سے گزر

علامہ ابواسحاق اسفرائینی اپنی کتاب نورالعین فی مشہد الحسین میں نقل فرماتے ہیں کہ جب قافلہ دمشق سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا تو راستہ میں اہل بیت رسول نے حضرت نعمان سے کہا، ہماری یہ آرزو ہے کہ ہمیں براستہ کربلا لے چلیں تا کہ ہم دیکھیں کہ ہمارے عزیزوں کی لاشیں اسی طرح بے گوروکفن پڑی ہیں یا کسی نے دفن کر دیں۔ انہوں نے یہ بات مان لی۔ چناں چہ یہ قافلہ ماہ صفر کی بیس تاریخ کو کربلا پہنچا اس دن حضرت امام کی شہادت کو چالیس روز گزر چکے تھے۔ جب ان بی بیوں نے پھر اسی مقام کو دیکھا جہاں ان کو پانی کی ایک ایک بوند کے لیے ترسایا گیا تھا۔ جہاں چمن زہرا کو اجاڑا گیا تھا۔ جہاں گلشن رسالت کے لہلہاتے ہوئے پھولوں کو تیروں سے چھلنی کیا گیا تھا۔ جہاں راکب دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخموں سے چور چور کر کے گھوڑے سے گرا کر خاک وخون میں تڑپایا گیا تھا۔ فرزند رسول کو برہنہ کر کے ان کے مقدس جسم کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا گیا تھا اہل بیت کے خیمے جلائے گئے تھے ان پاک بی بیوں کا ساز وسامان لوٹا گیا تھا انہیں قیدی بنایا گیا تھا ایک ایک کر کے وہ جاں گسل اور روح فرسا مناظر آنکھوں کے سامنے آگئے اور بے اختیار سب کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ سیدہ زینب فرما رہی تھیں۔ یہاں ہمارے خیمے تھے، یہاں ہمارے جانور باندھے گئے تھے، یہاں ہمارے جانوروں کے کجاوے رکھے گئے تھے پھر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا یہاں بھائی عباس کٹے پھٹے لیٹے تھے۔ یہاں میرا علی اکبر خاک وخون میں آلودہ سو گیا تھا۔ یہاں میرا معصوم اصغر میرا جوان قاسم میرے عون ومحمد کے بے سر جسم پڑے تھے اور پھر اپنے پیارے بھائی سیدنا امام حسین کا نام لیتے ہی ان کی چیخیں نکل گئیں امام کی قبر انور پر اپنا منہ رکھ کر سیدہ نے سلام کیا اور اس درد سے روئیں کہ روتے روتے بے حال ہوگئیں سب قافلے والوں کے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ایک قیامت قائم ہوگئی

تھی بی بیوں نے اپنے عزیزوں اور سید الشہداء کی قبروں پر جن الفاظ میں اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا ہوگا وہ کون بیان کر سکتا ہے۔ ایک رات ان سب نے وہاں فاتحہ خوانی اور ذکر و تلاوت میں گزاری ☆۔ بوقت رخصت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو ایک بار پھر الوداع کہنے ان کی قبر پر آئیں روتے ہوئے جو کچھ فرمایا، شاعر نے ترجمانی کی ۔

بولیں زینب یہ تربت پہ آ کر
کربلا سے میں جاتی ہوں بھائی
ہجر میں تیرے ہوں سخت مضطر
کربلا سے میں جاتی ہوں بھائی
خون آلودہ تیرا بدن تھا
اور میسر نہ گور و کفن تھا
ہائے کیسا یہ رنج و محن تھا
کربلا سے میں جاتی ہوں بھائی
کوئی سر پر ہمارے نہیں ہے
ہے جو عابد وہ زار و حزیں ہے
سخت کلثوم اندوہ گیں ہے
کربلا سے میں جاتی ہوں بھائی
ہائے کس کس کو تسکین دوں گی
جا کے صغرا سے میں کیا کہوں گی
ہجر میں کیسے زندہ رہوں گی
کربلا سے میں جاتی ہوں بھائی

☆۔ تذکروں میں ہے کربلا کے قرب و جوار سے بہت سے لوگ اس دن مرقد امام پر جمع تھے کیوں کہ یہ چہلم کی فاتحہ کا موقع تھا ان لوگوں نے وہاں مثل لحیم (کھچڑا) کھانا تیار کر کے سب کو کھلایا اور اہل بیت رسول سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔

جب یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچا اور حضرت ام کلثوم نے جوں ہی مدینے کے درودیوار دیکھے تو روتے ہوئے یہ اشعار کہے ؎

مدینة جدنا لا تقبلینا فبا لحسرات والکسرات جینا
خرجنا منك بالاھل جمیعا رجعنا لا رجال ولا بنینا
وکنا فی الخروج علی المطایا رجعنا خائبینا آئسینا
وکنا فی امان اللہ جھرا رجعنا بالقطیفة خائبینا
و مولانا الحسین لنا انیسا رجعنا لا حسین ولا معینا
فلا عیش یدوم لنا دواما وزین الخلق مدفون حزینا
و نحن الباکیات علی حسین و نحن النادبات الساکتینا
و نحن السائرون علی المطایا لساق علی الجبال المغضبینا
و نحن بنات یٰسٓ و طٰہٰ و نحن الباکیات علی ابینا
و نحن الصارون علی البلایا و نحن الباکیات القاعدینا
الا یا جدنا قتلوا حسینا ولم یرعوا جنابك یا ابینا
وقد ھتکوا لقوم و حملونا علی الاقتاب جھرا جمعینا
و زینب اخرجوھا من خباھا و فاطمة مالھا احد معینا
سکینة تشتکی من حرناد تنادی یا اخی جاروا علینا
وزین العابدین قیدوہ ورامو قتلہ اضحی حزینا
وقد طافوا البلاد بنا جمیعا و بین الخلق جمعا قد خزینا

آہ اے مدینہ خلد فضا وا مصیبتاہ اب سامنے ہمارے نہ آ وا مصیبتاہ
آتے ہیں مبتلائے بلا وا مصیبتاہ کیا کیا اٹھائے جو رو جفا وا مصیبتاہ
نکلے تھے جب تو ساتھ تھے سب لوگ ہائے اب کوئی نہ ساتھ باقی رہا وا مصیبتاہ
نکلے تھے جب سوار تھے با شوکت وحشم اب دل ہے شق جگر ہے پھٹا وا مصیبتاہ

نکلے تھے جب ہر اس نہ قلب حزیں کو تھا ہر دم تھا حافظ اپنا خدا وا مصیبتاہ
لوٹے ہیں اس طرح کہ چادر ہے ایک پاس مظلوم ہیں بے جرم و خطا وا مصیبتاہ
نکلے تھے جب تو ساٹھ تھے غم خوار ما حسین سر ان کا کربلا میں کٹا وا مصیبتاہ
ہے نیزہ کے اوپر سرِ بے تن حسین کا ہے مثل بدر جلوہ نما وا مصیبتاہ
اب عمر بھر ہے عیش کہاں بے قرار دل وہ زینتِ جہاں نہ رہا وا مصیبتاہ
ہم ہیں تباہ حال نہیں کوئی اپنے ساتھ چھائی ہے دل پہ غم کی گھٹا وا مصیبتاہ
روتا ہے دل ہمارا فراقِ حسین میں ہے دل کے پار تیر جفا وا مصیبتاہ
بے پردہ سفر کیا ہے اونٹوں پہ بیٹھ کر ہر ہر جگہ پہ دکھ تھا نیا وا مصیبتاہ
اے وائے ہم ہیں آلِ نبی فخرِ کائنات ہوں اس طرح سے وقفِ بلا وا مصیبتاہ
جنت میں ہیں رسول، مصیبت زدہ ہیں ہم ہو ان پر اپنی جان فدا وا مصیبتاہ
صبر و شکیب کرتے ہیں کرب و بلا میں ہم گھٹتی ہے روح غم ہے بڑا وا مصیبتاہ
افسوس کیسے کیسے حسیں خاک میں ملے کس کس کا ہائے خون بہا وا مصیبتاہ
ہیں خستہ و ستم زدہ باقی نہیں ہے اب جز مرگ کوئی حرص و ہوا وا مصیبتاہ
نانا تمہارے بعد تمہارے حسین کو امت نے ہائے قتل کیا وا مصیبتاہ
کی آپ کی ہتک نہ کیا آہ کچھ خیال آفت یہ کیسی کی ہے بپا وا مصیبتاہ
بے پردہ ہم کو اونٹوں کے اوپر کیا سوار کچھ بھی نہ آئی شرم و حیا وا مصیبتاہ
زینب کو بے حجاب نکالا ہے خیمے سے کچھ پاسِ فاطمہ نہ کیا وا مصیبتاہ
بھوکی پیاسی آہ سکینہ تڑپ تڑپ چلاتی تھی کہ آہ اخا وا مصیبتاہ
عابد کو قید کر کے دیئے لاکھ لاکھ دکھ اس پر بھی عزمِ قتل کیا وا مصیبتاہ
بے یار اور بے کس و بے برگ و بے نوا شہروں میں اپنا گشت ہوا وا مصیبتاہ

مدینہ منورہ آمد

مدینہ منورہ میں واقعہ ہائلہ کربلا کی خبریں پہنچ چکیں تھیں اور جب یہ ستم رسیدہ قافلہ شہر

میں داخل ہوا تو اس قافلہ کو دیکھنے کے لیے تمام اہل مدینہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ اور حضرت محمد بن حنفیہ اپنے گھروں سے نکل پڑے حضرت ام لقمان بنت عقیل بن ابی طالب اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ روتی ہوئی نکلیں اور کہتی تھیں ۔

ما ذا تقولون ان قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم اٰخر الامم

لوگو کیا جواب دو گے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے پوچھیں گے تم نے نبی آخر الزمان کی آخری امت ہو کر۔

بعترتی و باھلی بعد مفتقدی منھم اساریٰ و منھم ضرّجوا بدم

میری عترت اور میرے اہل بیت کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا ان میں سے کچھ قیدی بنائے اور کچھ خاک وخون میں تڑپائے۔

ما کان ھٰذا جزائی اذ نصحت لکم ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحم

کیا میرے وعظ و نصیحت کی یہ جزا تھی کہ میری قرابت کے ساتھ برائی کرو۔

(البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۸، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۸، نورالابصار، صفحہ ۲۰۲)

ام المومنین حضرت ام سلمہ نے فرمایا جن لوگوں نے اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے اور ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ ام المومنین سیدہ زینب اور دوسری عورتوں سے مل کر اس قدر روئیں کہ بیہوش ہو گئیں۔ سب نے گھروں میں جانے کو کہا، سیدنا زین العابدین نے فرمایا ابا جان کی وصیت تھی کہ جب کبھی مدینہ پہنچو سب سے پہلے نانا جان کے روضہ اقدس پر جانا چناں چہ یہ قافلہ سیدھا روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوا۔ حضرت زین العابدین جو ابھی تک صبر وضبط کا پیکر بنے ہوئے خاموش تھے۔ جوں ہی ان کی نظر قبر انور پر پڑی اور ابھی اتنا ہی کہا تھا نانا جان اپنے نواسے حسین کا سلام قبول کیجئے کہ ان کا صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا اور وہ اس درد کے ساتھ روئے اور آنکھوں دیکھے حالات بیان کرنے شروع کیے کہ کہرام برپا ہو گیا اور قیامت قائم ہو گئی۔ انہوں نے کہا نانا جان جسے کندھوں پر بٹھاتے تھے جسے پھولوں کی طرح سونگھتے تھے جسے چوما کرتے تھے ظالم یزیدیوں نے اسے تلواروں، نیزوں اور تیروں سے

چھلنی کیا۔اس کا سر جسم سے جدا کیا، نانا! آپ کی امت نے آپ کی اولاد کوانتہائی بے کسی کی حالت میں بھوکا پیاسا شہید کیا، ہمارے خیموں کو جلایا، ہمارا مال واسباب سب لوٹ لیا، آپ کی بیٹیوں کو بے پردہ کیا، ان کی چادریں تک اتارلیں اور پھر قیدی بنا کر اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا اور شہروں بازاروں میں دربدر پھرا کے ان کی تذلیل وتوہین کی مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تاکہ آپ کی نسل منقطع ہو جائے۔ میرے ہاتھوں، پیروں اور گردن میں طوق ڈالے شہداء کے سروں کو نیزوں کے اوپر چڑھا کر گلی کوچوں میں پھرایا۔ ہمیں ابن مرجانہ اور یزید کے سامنے بھرے دربار میں کھڑا کیا۔ آپ کی آل واولاد کی سخت ہتک اور تذلیل کی گئی۔اب ہم بے یارومددگار شکستہ وغم زدہ حالت میں سب کچھ لٹا کے آئے ہیں ؎

نانا تمہارے پاس کریں کیا بیان ہم — اعدا کے ہاتھ سے ہوئے ہم پر کیا ستم

کیسے ذلیل و خوار کیے آلِ مصطفیٰ — رسوا کِیا جہاں میں ہمیں وا مصیبتاہ

وہاں سے یہ لوگ خاتون جنت دختر رسول مادر امام سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی قبر اطہر پر بقیع شریف میں گئے اور وہاں بھی حال غم کہا۔

پھر یہ لوگ اپنے گھروں میں آئے تو زنان بنی ہاشم نے وہ گریہ ونوحہ کیا کہ عبدالملک بن ابی الحارث السلمی کہتا ہے: فلم اسمع واللہ واعیۃ قط مثل واعیۃ نساء بنی ھاشم فی دو رھن علی الحسین۔

خدا کی قسم! میں نے ہرگز ایسا رونا چلانا نہیں سنا جیسا اس دن بنی ہاشم کی عورتیں اپنے گھروں میں حسین پر روئیں۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۸)

سیدہ زینب کے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر کو جب ان کے دونوں فرزندوں کی شہادت کی خبر ملی تو ان کے بعض غلام اور احباب تعزیت کے لیے آئے ان کے ایک آزاد غلام ابوالسلاس نے کہا یہ مصیبت ہم پر حسین نے ڈالی۔ حضرت عبداللہ نے ایک جوتا کھینچ کر اس کو مارا اور کہا او بدذات کے بچے! تو حسین کی نسبت ایسا کلمہ کہتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر میں بھی وہاں ہوتا تو میں بھی اپنی جان ان پر فدا کرتا۔ اپنے دونوں فرزندوں کی مصیبت کو میں

مصیبت نہیں سمجھتا انہوں نے میرے بھائی، میرے ابن عم کی رفاقت میں صبر و رضا کے ساتھ اپنی جانیں قربان کیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے شہادت حسین اور غم حسین میں ہمیں بھی شریک کیا اگر ان کی نصرت وحمایت میرے ہاتھ سے نہ ہوئی تو میرے بچوں سے تو ہوئی۔ (طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۶۸، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۷)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی واقعہ کربلا کے بعد یہی کیفیت وحالت رہی کہ آپ دن کو روزہ رکھتے اور ساری رات عبادت کرتے جب افطار کے وقت کھانا پانی سامنے آتا تو فرماتے کہ میرے باپ اور بھائی بھوکے پیاسے شہید ہوئے افسوس! یہ کھانا پانی ان کو نہ ملا اور رونے لگتے یہاں تک کہ بہ مشکل چند لقمے کھاتے اور چند گھونٹ پانی پیتے ان میں بھی آپ کے آنسو مل جاتے آنکھوں سے کربلا کا تصور اور دل سے باپ بھائیوں کی یاد کبھی محو نہ ہوئی عمر بھر آنکھیں اشک بار رہیں اگر کوئی صبر کرنے کو کہتا تو فرماتے ؎

شدہ ہم چوں ابر باراں ہمہ گریہ خندہ من　　نہ تواں غم وطرب راز ہم امتیاز کردن (☆)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کسی نبی کے فرزند نے حضرت امام حسین اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہما کا سا صدمہ نہیں اٹھایا ہوگا یہ انہیں کا صبر و استقلال تھا جو خاص عطائے الٰہی تھا، کسی باہمت کا ذکر ہی کیا۔ اس واقعہ جاں کاہ اور صدمہ جاں فرسا کے پوری طرح بیان کی زبان وقلم میں بھی تاب نہیں ؎

آہ ایں چہ حالت ست کہ عالم خراب شد　　بحر زلال آل محمد سراب شد
از یاد کربلا دل ما بے قرار گشت　　وز داغ ابتلا جگر ما کباب شد

☆ (ترجمہ) میرا تمام ہنسنا رونا ہی ابر باراں کی طرح ہوگیا۔ میرا تمام گریہ ابر باراں کی طرح ہنسنا ہوگیا میرے غم اور خوشی میں کوئی امتیاز نہیں کرسکتا۔

؎ حالِ من در ہجرِ والدکم تر از یعقوب نیست　　اُو پسر گم کردہ بود من پدر گم کردہ ام

اپنے والد محترم کی جدائی میں میرا حال حضرت یعقوب علیہ السلام سے بہت کم بھی نہیں ان سے بیٹا جدا کردیا گیا تھا، مجھ سے میرے والد کو جدا کردیا گیا ہے۔

روئے کہ بود بوسہ گہ حضرت رسول　　　　درخاک شدفتادہ زخونش خضاب شد(☆)

تعدادشہدائے اہل بیت اطہاراوراعوان وانصار

حضرت سیدناامام حسین رضی اللہ عنہ کے اعزاواقرباءاوراعوان وانصار جوآپ کے ساتھ کربلا میں کشتہ تیغ ظلم و جفا ہوئے۔ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔بعض نے ستر،بہتر،اناسی اور بیاسی اوربعض نے اس سے بھی زیادہ بتائے ہیں ان میں اہل بیت اطہار کی تعداداوراسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

تاج دارکربلاحضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما

ابوالفضل حضرت عباس بن علی علم دار،حضرت ابوبکربن علی،ان کوعبداللہ بھی کہتے تھے، حضرت عمربن علی،حضرت عثمان بن علی،حضرت جعفربن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم حضرت امام کے اخیافی بھائی بعض نے حضرت محمدبن علی کانام بھی لکھاہے۔

حضرت قاسم،حضرت عبداللہ،حضرت ابوبکر،حضرت عمربن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔حضرت امام کے بھتیجے اوربعض نے حضرت عثمان بن حسن کوبھی لکھاہے۔

حضرت محمد،حضرت عون بن عبداللہ بن جعفرطیار رضی اللہ عنہم حضرت امام کے بھانجے۔

حضرت عبداللہ،حضرت عبدالرحمٰن،حضرت جعفربن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اورحضرت مسلم جوپہلے کوفہ میں اپنے دونوں فرزندوں محمدوابراہیم کے ساتھ شہیدہوئے۔حضرت امام کے چچازادبھائی اوران کے فرزند۔بعض نے حضرت مسلم اورعون کوبھی لکھاہے۔

حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہم (ابن چچازاد)

حضرت علی اکبر۔حضرت علی اصغربن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم (بیٹے) سلام ہو کربلاکے ان عظیم شہیدوں پرجن کامقدس خون شجراسلام کی تازگی اورملت اسلامیہ کی کتاب حیات کاعنوان بنا ہے

☆(ترجمہ)افسوس یہ کیاحالت ہوئی ہے کہ عالم خراب ہوگیا۔آل محمد(سلام اللہ علیہم)کاصاف شفاف میٹھے پانی کاسمندر،سراب ہوگیا۔کربلاکی یادسے ہمارادل بے قرارہوگیا،داغ ابتلا(آزمائش کے زخم)سے جگرہماراکباب ہوگیا۔وہ چہرہ جورسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوسہ گاہ تھااسے خاک میں ملادیاگیاان کے خون سے وہ مٹی رنگ دی گئی۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

تعداد اسیران کربلا

حضرت امام زین العابدین علی اوسط، حضرت عمر بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم حضرت امام کے فرزند۔ بعض نے حضرت عمرو بن حسن لکھا ہے جو درست نہیں معلوم ہوتا۔

حضرت محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم (بھتیجے)

حضرت زینب وحضرت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم (بہنیں)

حضرت فاطمہ وحضرت سکینہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم (بیٹیاں)

حضرت شہر بانو بنت یز دجرد بن شہر یار جو شاہ فارس کسریٰ کی پوتی تھیں۔ (بیوی)

حضرت رباب بنت امراء القیس بن عدی (بیوی)

حضرت امام رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رباب جو حضرت سکینہ کی والدہ ہیں حضرت امام ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ چناں چہ حضرت سکینہ فرمایا کرتی تھیں کہ ایک مرتبہ میرے چچا حضرت امام حسن میری والدہ کے معاملے میں میرے والد حضرت حسین پر خفا ہوئے تو میرے والد نے ان سے کہا ؎

لعمرك انني لاحب دارا تكون بها سكينة والرباب

تمہاری جان کی قسم! میں اس گھر کو بھی محبوب رکھتا ہوں جس میں سکینہ اور رباب ہوں۔

احبهما و ابذل جل مالی ولیس لعاتب عندی عتاب

میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اور ان پر اپنا سارا مال خرچ کرتا ہوں اور کسی ملامت وعتاب کرنے والے کا عتاب وملامت میرے نزدیک عتاب نہیں ہے۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ کی یہ زوجہ محترمہ حضرت رباب نہایت نیک اور صالحہ تھیں حضرت امام کی شہادت کے بعد کچھ لوگوں نے ان کو پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہو بننے کے بعد کسی اور کی بہو نہیں بننا چاہتی۔ حضرت امام کی شہادت کا ان کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ انہوں نے آپ کی شہادت کے بعد چند اشعار بطور مرثیہ کہے ؎

ان الذی کان نورا یستضاء به بکربلاء قتیل غیر مدفون

بے شک وہ حضرت امام جو سراپا نور تھے اور ان سے روشنی حاصل کی جاتی تھی وہ کربلا میں قتل ہو کر بے گور و کفن پڑے تھے۔

سبط النبی جزاك الله صالحة عنا و جنبت خسران الموازین

اے فرزند نبی اللہ آپ کو بہت اچھی جزا دے ہماری طرف سے اور میزان کے نقصان سے دور رکھے۔

قد کنت لی جبلا صعبا الوذبه وکنت تصحبنا بالرحم والدین

بے شک میرے لیے آپ کی ذات ایک ایسے پہاڑ کی مانند تھی جس میں میں پناہ حاصل کرتی تھی اور آپ بڑی بھلائی اور رحمت و محبت کے ساتھ ہمارے ساتھ صحبت رکھتے تھے۔

من للیتامی و من للسائلین ومن یعنی ویأوی الیه کل مسکین

اب یتیموں اور سائلوں کے لیے کون ہے اور کون ہے جس کے پاس ہر مسکین و غریب کو پناہ ملے گی۔

والله لا ابتغی صهرا بصهرکم حتی اغیب بین الرمل والطین

خدا کی قسم! آپ کی قرابت کے بعد اب میں کوئی قرابت نہ ڈھونڈوں گی یعنی دوسرا شوہر نہ کروں گی یہاں تک کہ ریت اور مٹی میں غائب کر دی جاؤں یعنی مر جاؤں۔

واقعہ کربلا کے بعد حضرت سیدہ رباب ایک برس زندہ رہیں اور اس مدت میں کسی سایہ میں نہیں بیٹھیں۔ (نور الابصار، صفحہ ۱۹۲)

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سال بھر کربلا میں رہیں اور پھر مدینہ منورہ تشریف لائیں اور اپنے شوہر حضرت امام حسین کے غم اور فراق میں وفات پا گئیں۔ رضی اللہ عنہا

یزیدی مقتولین کی تعداد

اگرچہ طبری اور ابن اثیر میں ان کی تعداد اٹھاسی (۸۸) لکھی ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں

معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ مختصر طبری میں نہایت وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ مخالفین کے سیکڑوں قتل ہوئے۔ ایک حضرت حر ہی نے پہلے حملہ میں چالیس یزیدیوں کو مارا اسی طرح دوسرے ہاشمی جوانوں اور فاتح خیبر کے شیر دل بہادروں اور مظہر ہمت و جرأت رسول، راکب دوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت امام حسین نے سیکڑوں ملعونوں کو واصل بہ جہنم کیا۔ واللہ اعلم

مدفن سر انور

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر انور کے مدفن میں اختلاف ہے علامہ قرطبی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یزید نے اسیران کربلا اور سر انور کو مدینہ طیبہ روانہ کیا اور مدینہ طیبہ میں سر انور کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ زہرا یا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ امامیہ کہتے ہیں کہ اسیران کربلا نے چالیس روز کے بعد کربلا میں آ کر جسد مبارک سے ملا کر دفن کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ یزید نے حکم دیا تھا کہ ''حسین کے سر کو شہروں میں پھراؤ'' پھرانے والے جب عسقلان پہنچے تو وہاں کے امیر نے ان سے لے کر دفن کر دیا۔ جب عسقلان پر فرنگیوں کا غلبہ ہوا تو طلائع بن رزیک جس کو صالح کہتے ہیں نائب مصر نے تیس ہزار دینار دے کر فرنگیوں سے سر انور لینے کی اجازت حاصل کی اور ننگے پیر وہاں سے مع اپنے سپاہ و خدام کے مورخہ ۸ جمادی الآخر ۵۴۸ھ بروز اتوار مصر میں لایا اس وقت بھی سر انور کا خون تازہ تھا اور اس سے مشک کی سی خوش بو آتی تھی۔ پھر اس نے سبز حریر کی تھیلی میں آبنوس کی کرسی پر رکھ کر اس کے ہم وزن مشک و عنبر اور خوشبو اس کے نیچے اور ارد گرد رکھوا کر اس پر مشہد حسینی بنوایا چناں چہ قریب خان خلیلی کے مشہد حسینی مشہور ہے۔ شیخ شہاب الدین بن اطلبی حنفی فرماتے ہیں کہ میں نے مشہد میں سر مبارک کی زیارت کی مگر میں اس میں متردد اور متوقف تھا کہ سر مبارک اس مقام پر ہے یا نہیں؟ اچانک مجھ کو نیند آ گئی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص بہ صورت نقیب سر مبارک کے پاس سے نکلا اور حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حجرۂ نبویہ میں گیا اور جا کر عرض کیا یا رسول اللہ احمد بن حلبی اور

عبدالوہاب نے آپ کے بیٹے حسین کے سر مبارک کے مدفن کی زیارت کی ہے آپ نے فرمایا اللھم تقبل منھما و اغفرلھما اے اللہ ان دونوں کی زیارت کو قبول فرما اور ان دونوں کو بخش دے۔ شیخ شہاب الدین فرماتے ہیں کہ اس دن سے میرا یقین ہو گیا کہ حضرت امام کا سر انور یہیں ہے پھر میں نے مرتے دم تک سر مکرم کی زیارت نہیں چھوڑی۔

(طبقات الاولیاء للشعرانی)

شیخ عبدالفتاح بن ابی بکر بن احمد شافعی خلوتی اپنے رسالہ نور العین میں فرماتے ہیں۔ کہ خاتمۃ الحفاظ والمحدثین شیخ الاسلام والمسلمین نجم الدین غیطی رضی اللہ عنہ نے شیخ الاسلام شمس الدین لقانی سے جو اپنے وقت کے شیخ الشیوخ مالکیہ تھے نقل فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ مشہد مبارک میں سر انور کی زیارت کو حاضر ہوتے اور فرماتے کہ حضرت امام کا سر انور اسی مقام پر ہے۔

حضرت شیخ خلیل ابی الحسن تمارسی رحمۃ اللہ علیہ سر انور کی زیارت کو تشریف لایا کرتے تھے جب ضریح مبارک کے پاس آتے تو کہتے السلام علیکم یا ابن رسول اللہ جواب سنتے وعلیك السلام یا ابا الحسن۔ ایک دن سلام کا جواب نہ پایا۔ حیران ہوئے اور زیارت کر کے واپس آ گئے دوسرے روز پھر حاضر ہو کر سلام کیا تو جواب پایا۔ عرض کیا یا سیدی کل جواب سے مشرف نہ ہوا کیا وجہ تھی؟ فرمایا اے ابوالحسن کل اس وقت میں اپنے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا اور باتوں میں مشغول تھا۔

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ اکابر صوفیاء اہل کشف صوفیاء اسی کے قائل ہیں کہ حضرت امام کا سر انور اسی مقام پر ہے۔ شیخ کریم الدین خلوتی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے اس مقام کی زیارت کی ہے۔

کرامت سر انور

سلطان ملک ناصر کو اس کے چند ماتحتوں نے ایک شخص کے متعلق اطلاع دی کہ یہ شخص جانتا ہے کہ اس محل میں مال وزر کہاں دفن ہے مگر یہ بتاتا نہیں سلطان نے اس کی تعذیب کا حکم دیا۔ متولی تعذیب نے اس کو پکڑا اور اس کے سر پر خنافس لگائی اور اس پر قرمزید

باندھا☆۔ یہ سخت ترین عقوبت اور سزا ہے اس کو چند منٹ بھی انسان برداشت نہیں کرسکتا۔ دماغ پھٹنے لگتا ہے اور کچھ دیر کے بعد آدمی مرجاتا ہے۔ یہ سزا اس کو کئی مرتبہ دی گئی مگر اس کو کچھ اثر نہ ہوا بلکہ ہر مرتبہ خنافس مرجاتے تھے۔ لوگوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے بتایا کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سر مبارک یہاں مصر میں آیا تھا میں نے اس کو عقیدت سے اپنے سر پر اٹھایا تھا یہ اسی کی برکت اور کرامت ہے۔ (خطط والآثار للمقریزی)

ایک روایت یہ ہے کہ سر انور یزید کے خزانہ ہی میں رہا۔ جب سلیمان بن عبدالملک کا دورِ حکومت آیا اور اس کو معلوم ہوا تو اس نے سر انور کو منگوا کر دیکھا اس وقت اس کی ہڈیاں سفید چاندی کی طرح چمک رہی تھیں اس نے خوشبو لگائی اور کفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرایا۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۷)

چناں چہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی روایت فرماتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس کے ساتھ ملاطفت فرما رہے ہیں اور اس کو بشارت دے رہے ہیں۔ صبح اس نے حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس کی تعبیر پوچھی انہوں نے فرمایا شاید تو نے حضرت کی آل کے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے؟

قال نعم وجدت راس الحسین فی	اس نے کہا ہاں! میں نے حسین کے سر کو خزانہ
خزانة یزید فکسوته خمسة اثواب	یزید میں پایا تو میں نے اس کو پانچ کپڑوں کا
وصلیت علیه مع جماعة من اصحابی	کفن دے کر اپنے دوستوں کے ساتھ اس پر

☆۔ خنافس، خنفساء کی جمع ہے اور وہ سیاہ رنگ کا ایک کیڑا ہوتا ہے گوبر اور نجاست میں پیدا ہوتا ہے اردو میں اس کو گبریلا کہتے ہیں اس کے دو سینگ بھی ہوتے ہیں۔ قرمز، چھوٹے چھوٹے چنے کے برابر سرخ رنگ کے ریشم کے مانند کیڑے ہوتے ہیں بعض جنگلوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کو سوکھا کر رکھ چھوڑتے ہیں اور ضرورت کے وقت جوش دے کر سرخ رنگ بنا لیتے ہیں اور اس سے ریشم کو رنگتے ہیں اس کی دوا بھی بنتی ہے اور اس سے تیل بھی نکالتے ہیں اردو میں اس کو بیر بہوٹی کہتے ہیں اس زمانے میں چوروں، مجرموں اور ملزموں کو اعتراف جرم کے لیے یہ سزا دیتے تھے کہ سر پر نیچے دو سیاہ رنگ کے کپڑے اور اوپر قرمز ڈال کر باندھ دیتے تھے۔ کیڑے سر کی جلد میں کاٹ کاٹ کر سوراخ کر دیتے تھے ان سوراخوں میں قرمز کے ٹکڑے اور ان کا تیل جاتا جس سے دماغ کی رگیں پھٹ جاتی تھیں یہ ایسی سخت ترین سزا ہوتی تھی کہ مجرم برداشت نہیں کرسکتا تھا اور فوراً اعتراف جرم کر لیتا تھا۔

وقبرته فقال له الحسن هو ذٰلك سبب رضاه صلی اللہ علیہ وسلم
(صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۷)

نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا ہے۔ حضرت حسن نے اس سے کہا یہی تیرا کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی کا سبب ہوا ہے۔

ناچیز مولف عرض کرتا ہے کہ سر انور کے متعلق مختلف روایات ہیں اور مختلف مقامات پر مشاہد بنے ہوئے ہیں تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان روایات اور مشاہد کا تعلق چند سروں سے ہو کیوں کہ یزید کے پاس سب شہدائے اہل بیت کے سر بھیجے گئے تھے تو کوئی سر کہیں اور کوئی کہیں دفن ہوا ہوا اور نسبت حسن عقیدت کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے صرف حضرت امام حسین کی طرف کردی گئی ہو۔ (واللہ اعلم بحقیقة الحال)

واقعہ کربلا کے بعد یزید کا کردار

حضرت امام حسین کو قتل کروانے کے بعد بھی یزید نے کوئی اچھا کام نہیں کیا بلکہ اس کی شقاوت و بدبختی اور قساوت قلبی اس قدر زیادہ ہوگئی اور اس نے وہ گل کھلائے اور سیاہ کاریاں کیں جس سے انسانیت شرم سے پسینہ پسینہ ہوجاتی ہے۔ اس کے عہد میں اعلانیہ طور پر بدکاریاں ہونے لگیں۔ چناں چہ حرام کاری یعنی زنا ولواطت، محرمات سے نکاح، سود اور شراب خوری عام ہوگئی العیاذ باللہ اسی وجہ سے لوگ خصوصاً اہل حجاز اس کے سخت مخالف ہو گئے اور انہوں نے اس کی بدکاریوں کی وجہ سے اس کی بیعت توڑ دی چناں چہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارة من السمآء انه رجل ینکح امهات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰة
(تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۵۹، صواعق محرقہ)

خدا کی قسم ہم لوگوں نے یزید کی بیعت اس وقت توڑ دی جب کہ ہمیں یہ خوف ہوا کہ (کہیں اس کی بدکاریوں کی وجہ سے) ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں بلاشبہ وہ ماؤں بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا شراب پیتا اور نماز نہیں پڑھتا تھا۔

جب یزید نے دیکھا کہ اہل حرمین میرے سخت مخالف ہو گئے اور میری بیعت سے خارج ہو گئے ہیں اور ان کا خروج دوسرے علاقوں کے لوگوں کے خروج کا باعث بنے گا کیوں کہ حرمین اسلام کا مرکز اور دل ہیں اور اسی طرح میرا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو بیس ہزار کا لشکر گراں دے کر مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس بدبخت لشکر نے مدینہ منورہ میں وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا جس کے تصور سے روح تڑپ اٹھتی ہے۔ ساکنین مدینہ منورہ ہمسایہ گانِ رسول اللہ ﷺ پر مظالم کی انتہا کر دی۔ قتل و غارت، لوٹ مار اور آبرو ریزی کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ توبہ توبہ۔ اہل حرم سے یزید کی غلامی پر بہ جبر بیعت لی کہ چاہے بیچے چاہے آزاد کرے جو کہتا کہ میں خدا و رسول کے حکم پر اور کتاب وسنت کی اطاعت پر بیعت کرتا ہوں اس کو شہید کرتے چناں چہ بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور جو نہیں بھاگے ان میں سے سترہ سو مہاجرین و انصار صحابہ کبار تابعین اور سات سو حافظ قرآن اور چھوٹے بڑے اور مستورات سب ملا کر دس ہزار کے قریب شہید ہوئے ان کے گھر لوٹ لیے۔ ظالموں نے تین روز کے لیے مدینہ طیبہ کو مباح قرار دے کر اس پاک شہر میں تین روز مسلسل جس بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا اس کا تفصیلاً ذکر کرنا سخت ناگوار ہے۔ مدینہ طیبہ کی رہنے والی پاک دامن عورتوں کی عزت و آبرو کو لوٹا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں ان کی داڑھی کے سب بال اکھاڑ دیئے اور ان کی سخت بے عزتی کی۔ اس فوج اشقیاء نے مسجد نبوی شریف کے ستونوں سے گھوڑے باندھے۔ ان تین دنوں میں کوئی مسجد پاک میں نماز کے لیے نہیں آیا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کبار تابعین میں سے تھے وہ مجنون بن کر مسجد پاک میں ہی حاضر رہے۔ ظالموں نے ان کو بھی پکڑ لیا اور مسلم بن عقبہ کے پاس لے گئے مسلم بن عقبہ نے کہا اس کی بھی گردن مارو حضرت سعید دیوانوں کی سی حرکتیں کرنے لگے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو مجنون ہے۔ اس وجہ سے ان کو چھوڑ دیا گیا۔

انہی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان تین دنوں میں مسجد شریف میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ اہل شام مسجد میں آتے اور مجھے دیکھ کر کہتے یہ بوڑھا دیوانہ یہاں کیا

کر رہا ہے۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ میں نماز کے وقت روضہ مقدسہ سے برابر اذان و اقامت کی اور جماعت کے ہونے کی آواز سنتا تھا۔ چناں چہ میں نے تین دن کی نمازیں اسی جماعت کی اقتداء میں ادا کیں اور کوئی میرے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ ایک نوجوان کو اس لشکرِ شریر نے پکڑ لیا۔ اس کی ماں نے مسلم بن عقبہ کے پاس آ کر فریاد کی اور اس کی رہائی کے لیے بہت منت سماجت کی۔ مسلم نے حکم دیا اس کے لڑکے کو لاؤ جب وہ آیا تو مسلم نے اس کی گردن مار کر اس کا سر اس کی ماں کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا تو اپنے زندہ رہنے کو غنیمت نہیں سمجھتی کہ بیٹے کو لینے آئی ہے۔

جب مسلم بن عقبہ بدکردار نے اہل مدینہ کو یزید پلید کی بیعت کی بطریق مذکور دعوت دی تو کچھ لوگوں نے جان و مال کے خوف سے بیعت کر لی۔ ایک شخص قبیلہ قریش سے تھا اس نے بوقت بیعت یہ کہا کہ میں نے بیعت کی مگر اطاعت پر، معصیت پر نہیں۔ مسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ جب اس کو قتل کر دیا گیا تو اس مقتول کی ماں ام یزید بن عبداللہ بن ربیعہ نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں گی تو اس ظالم مسلم کو ضرور زندہ یا مردہ جلاؤں گی چناں چہ جب اس ظالم نے مدینہ منورہ میں قتل و غارت کے بعد اپنا روئے بد مکہ معظّمہ کی طرف کیا تاکہ وہاں جا کر عبداللہ بن زبیر اور وہاں کے ان لوگوں کا بھی کام تمام کرے جو یزید کے خلاف ہیں تو اتفاقاً راستہ میں اس پر فالج گرا اور وہ مر گیا۔ اس کی جگہ یزید پلید کے حکم کے مطابق حصین بن نمیر تکونی قائد لشکر بنا۔ مسلم کو انھوں نے وہیں دفن کر دیا۔ جب یہ لشکر بد آگے بڑھ گیا تو اس عورت کو مسلم کے مرنے کا پتا چلا وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر آئی تاکہ اس کو قبر سے نکال کر جلائے اور اپنی قسم پوری کرے۔ جوں ہی قبر کھودی تو کیا دیکھا کہ ایک اژدھا اس کی گردن سے لپٹا ہوا اس کی ناک کی ہڈی پکڑے چوس رہا ہے یہ دیکھ کر سب کے سب ڈرے اور اس عورت سے کہنے لگے خدا تعالیٰ خود ہی اس کے اعمال کی سزا اس کو دے رہا ہے اور اس نے عذاب کا فرشتہ اس پر مسلط کر دیا ہے اب تو اس کو رہنے دے۔ اس عورت نے کہا نہیں خدا کی قسم میں اپنے عہد اور قسم کو ضرور پورا کروں گی اور اس کو جلا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کروں گی۔ مجبور ہو کر سب نے کہا اچھا پھر اس کو پیروں کی طرف

سے نکالنا چاہیے جب ادھر سے مٹی ہٹائی تو کیا دیکھا کہ اسی طرح پیروں کی طرف بھی ایک اژدھا لپٹا ہوا ہے پھر سب نے اس عورت سے کہا اب اس کو چھوڑ دے اس کے لیے یہی عذاب کافی ہے مگر اس عورت نے نہ مانا اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ اس ظالم پر میرا غصہ محض تیری رضا کے لیے ہے مجھے یہ قدرت دے کہ میں اپنی قسم پوری کروں اور اس کو جلاؤں یہ دعا کر کے اس نے ایک لکڑی سانپ کی دم پر ماری۔ وہ گردن سے اتر کر چلا گیا پھر دوسرے سانپ کو ماری وہ بھی چلا گیا۔ چناں چہ انہوں نے مسلم بن عقبہ کی لاش کو قبر سے نکالا اور جلا دیا۔

اس مردود مسلم بن عقبہ نے قتل و غارت اور ہتک حرمت مدینہ میں اس قدر زیادتی اور اسراف کیا کہ اس کے بعد اس کا نام ہی مسرف ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہ (سراج منیر شرح جامع صغیر، جلد ۸، صفحہ ۲۸۰، فیض القدیر: ۸۲۶۹)

جس نے کسی مسلمان کو اذیت پہنچائی تو حقیقت میں اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے در حقیقت اللہ کو اذیت پہنچائی۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من اذی شعرۃ منی فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہ زاد ابو نعیم فعلیہ لعنۃ اللہ (سراج منیر شرح جامع صغیر، جلد ۳، صفحہ ۲۷۹، فیض القدیر: ۸۲۶۷)

جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت پہنچائی اس نے حقیقت میں مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ ابو نعیم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اراد اھل المدینۃ بسوء اذا بہ اللہ کما یذوب الملح فی الماء

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلائے

(مسلم شریف: ۴۹۴-۱۳۸۷) گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لا یرید احد اھل المدینة بسوء الا اذابه اللہ فی النار ذوب الرصاص (مسلم شریف: ۴۶۰-۱۳۶۳)

جو شخص بھی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اس کو دوزخ کی آگ میں رانگ کی طرح پگھلا دے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اخاف اھل المدینة اخافه اللہ زاد فی روایة یوم القیامة وفی اخریٰ وعلیه لعنة اللہ وغضبه (صحیح ابن حبان: ۳۷۳۸، سراج منیر، جلد ۳، صفحہ ۲۸۸، فیض القدیر: ۸۳۴۷)

جو اہل مدینہ کو ڈرائے گا اللہ اس کو قیامت کے دن ڈرائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اخاف اھل المدینة ظلما اخافه اللہ وعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین لا یقبل اللہ منه یوم القیمة صرفا ولا عدلا (طبرانی کبیر: ۱۶۳۱، وفاء الوفا، ج ۱، صفحہ ۳۲، جذب القلوب، صفحہ ۳۳، فیض القدیر: ۸۳۴۷)

جو اہل مدینہ کو ظلم سے خوف زدہ کر دے اللہ اس کو خوف زدہ کر دے گا اور اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے قیامت کے دن اس کی فرضی عبادت قبول ہوگی نہ نفلی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من آذی اھل المدینة آذاہ اللہ وعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین لا یقبل صرف ولا عدل (سراج منیر، جلد ۳، صفحہ ۲۸۰، فیض القدیر: ۸۲۶۸)

جو اہل مدینہ کو اذیت دے گا اللہ اس کو اذیت دے گا اور اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نہ اس کا فرض قبول ہوگا اور نہ نفل۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جو کسی مسلمان کو اذیت پہنچائے اس نے درحقیقت

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اذیت پہنچائی خصوصاً جو اہل مدینہ کو ڈرائے اذیت پہنچائے بلکہ ان سے برائی کا ارادہ بھی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو نار دوزخ میں پگھلا دے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اور اس کی کوئی عبادت اور نیکی قبول نہیں۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ یزید پلید اور اس کے اعوان و انصار نے اہل بیت نبوت اور اہل مدینہ کی وہ توہین تذلیل کی اور ان کو ایسی تکلیف و اذیت پہنچائی کہ اس کے تصور ہی سے روح لرز اٹھتی ہے لہٰذا بلا شبہ یزید اور اس کے اعوان و انصار مستحق لعنت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝۵۷ (احزاب)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

انزلت فی عبداللہ بن ابی اناس معه قذفوا عائشة رضی الله عنها فخطب النبی صلی الله علیه وسلم وقال من یعذرنی فی رجل یؤذینی

(درمنثور، جلد ۵، صفحہ ۲۲۰)

یہ آیت عبداللہ بن اُبی منافق اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا۔

کون میری مدد کرتا ہے اس شخص کے بارے میں جس نے (میری بیوی پر تہمت لگا کر) مجھے اذیت پہنچائی مقام غور ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجہ محترمہ کو ستایا اس نے اللہ و رسول کو اذیت پہنچائی اور مستحق لعنت ہوا تو یزید پلید اور اس کے اعوان و انصار نے اہل بیت نبوت اور صحابہ اور تابعین اور اہل مدینہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تو اس کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ ہے اور اس کے بعد مکہ مکرمہ میں جو کچھ ہوا وہ ملاحظہ فرمائیں ☆۔

☆۔ افسوس کہ آج کل کچھ لوگ یزید کی حمایت اور فرزند رسول امام حسین کی مخالفت کرتے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مکہ مکرمہ پر حملہ

گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ یزید نے تخت نشین ہوتے ہی گورنر مدینہ ولید بن عتبہ کے ذریعے حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے بیعت طلب کی تھی۔ حضرت امام حسین تو گورنر مدینہ کے بلانے پر اس کے پاس تشریف لے گئے تھے مگر حضرت عبداللہ بن زبیر گورنر کے پاس نہیں گئے تھے اور اسی رات وہاں سے ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں آ گئے۔ مکہ مکرمہ ہجرت کے بعد سے اب تک وہ حرم کی پناہ میں ہی سکون واطمینان کی زندگی گزار رہے تھے۔ جب اہل حجاز کی حرکات بد کی وجہ سے اس سے سخت متنفر ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہل مکہ کو جمع ہونے کی دعوت دی اور ان کے سامنے ایک موثر تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اہل عراق خصوصاً اہل کوفہ ایسے غدار و بدکار اور بدترین ہیں کہ انہوں نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا کہ ان کی نصرت و امداد کریں گے اور ان کو اپنا فرماں روا بنائیں گے مگر ان غداروں نے ایسا نہ کیا بلکہ وہ حکومت یزید کے ساتھ مل گئے اور پھر خود فرزند رسول سے لڑنے کے لیے میدان میں آ گئے حضرت حسین نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور دشمن کے انبوہ کثیر کے سامنے گردن اطاعت نہ جھکائی خدا تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان کے قاتلوں کو ذلیل کرے۔ حضرت حسین کے ساتھ جو کچھ ان لوگوں نے کیا ہے۔ اس کے بعد کیا ہم ان لوگوں سے کسی طرح مطمئن ہو سکتے ہیں؟ اور ان کی اطاعت قبول کر سکتے ہیں ہرگز نہیں؟ خدا کی قسم! بلاشبہ انہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو قائم اللیل اور صائم النہار تھا

(بقیہ گزشتہ صفحہ سے) ہوئے زبان و قلم دراز کرتے ہیں اور طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ الحمدللہ کہ رحمت و عنایت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے اس ناچیز گدائے اہل بیت رسول نے اپنی کتاب ''امام پاک اور یزید پلید'' میں ایسے تمام اعتراضات کے مدلل ومسکت اور دندان شکن جوابات پیش کیے ہیں اور حامیان یزید کے سامنے یزید پلید کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ اس کتاب کے مطالعے سے حقیقت حال آپ پر واضح ہو جائے گی اور امام پاک کی عظمت و مرتبت، عزیمت و استقامت اور حق و صداقت پر یقین غیر متزلزل اور مستحکم ہو جائے گا۔

جوان سے امور (حکومت) کا زیادہ حق دار تھا اور اپنے دین اور فضیلت و بزرگی میں ان سے بہت زیادہ بہتر تھا۔ خدا کی قسم! وہ قرآن کے بدلے گم راہی پھیلانے والا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کے گریہ وبکا کی کوئی انتہا نہ تھی وہ روزوں کو شراب کے پینے سے نہیں بدلا کرتا تھا اور نہ اس کی مجلس میں ذکر الٰہی کی بجائے شکاری کتوں کا ذکر ہوتا تھا۔ (یہ باتیں ابن زبیر نے یزید کے متعلق کہی تھیں) پس عنقریب یہ (یزیدی) لوگ جہنم کی وادی غی میں جائیں گے۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۴۰، طبری، جلد ۶، صفحہ ۲۷۳)

اس تقریر کے بعد لوگ ان کی طرف دوڑے اور کہا آپ اپنی بیعت کا اعلان کریں۔ چناں چہ انہوں نے اعلان کر دیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سب لوگوں نے سوائے حضرت ابن عباس اور محمد بن حنفیہ کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ انہوں نے یزید کے تمام عاملوں کو مکہ و مدینہ سے نکال دیا اور حجاز مقدس سے یزید کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا اس لشکر نے مدینہ منورہ میں جو کچھ کیا وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

اب اس لشکر شریر نے حصین بن نمیر کی قیادت میں مکہ مکرمہ پہنچ کر حملہ کیا اور چونسٹھ روز تک برابر مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر کے لوگوں کو قتل کرتے رہے اور منجنیقوں سے اس قدر سنگ باری کی کہ صحن کعبہ معظّمہ کو پتھروں سے بھر دیا۔

نصبوا المجانيق على الكعبة ورموها حتى بالنار فاحترق جدار لبيت

انہوں نے کعبۃ اللہ پر مجانیق نصب کر دیں اور کعبہ پر سنگ باری کی یہاں تک کہ آگ لگ گئی اور کعبۃ اللہ کا غلاف اور دیواریں جل گئیں۔ سنگ باری کرتے وہ وقت یہ شعر پڑھ رہے تھے

خطارة مثل الفنيق المزبد نرمی بها جداران هٰذا المسجد

یہ منجنیق (☆) مثل موٹے کف دار اونٹ کے ہے جس سے ہم اس مسجد کی دیواروں پر سنگ باری کر رہے ہیں۔ چناں چہ اس سنگ باری سے مسجد الحرام کے ستون ٹوٹ گئے اور

☆۔ منجنیق جمع مجانیق: کوئی چیز یا پتھر دُور تک پھینکنے کا آلہ

دیواریں شکستہ ہوگئیں۔

عمرو بن حوطتہ السدوسی یہ شعر پڑھتا تھا ؎

کیف تری صنیع ام فروہ تاخذھم بین الصفا والمروہ

ذرا امّ فروہ یعنی منجنیق کو دیکھو کہ وہ کیسے صفا و مروہ کے درمیان لوگوں کو نشانہ بنا رہی ہے۔(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۲۵، طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۴، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۴۹)

غرض ان بے دینوں لعینوں نے انتہائی بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا۔ حرم شریف کے باشندے دو ماہ تک سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ کعبہ معظّمہ کئی روز تک بے لباس رہا۔ اس کی چھت جل گئی۔ دیواریں شکستہ ہوگئیں۔ یہ انتہائی شرم ناک والم ناک اور دل سوز واقعات ربیع الاول ۶۴ھ کے شروع میں ہوئے اور اسی ماہ کے آخر میں جب کہ ابھی کعبہ میں جنگ جاری تھی۔ بدبخت و بدنصیب یزید پلید کے مرنے کی خبر آئی۔ جوں ہی اس کی ہلاکت کی خبر آئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بآواز بلند پکارا۔

اے شامیو! تمہارا طاغوت ہلاک ہوگیا ہے۔ یزید کی موت کی خبر سے اہل شام کی ہمتیں چھوٹ گئیں اور حوصلے پست ہوگئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے انصار کے حوصلے بلند ہوگئے تھے چناں چہ وہ شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور شامی لشکر خائب و خاسر ہو کر بھاگا اور اہل مکہ کو اس لشکر شریر کے ظلم و شر سے نجات ملی۔

بدبخت یزید پلید نے تقریباً ساڑھے تین برس تک حکومت کی اور اڑتیس یا انتالیس برس کی عمر میں قریہ حوارین میں اس کی موت واقع ہوئی (☆)۔ اس کی موت پر ابن عراوہ نے یہ اشعار کہے ؎

ابنی امیة ان اخر ملککم جسدا بحوارین ثم مقیم

اے بنی امیہ تمہارے آخری بادشاہ کی لاش حوارین میں پڑی ہوئی ہے۔

☆ یزید پلید کی تاریخ پیدائش: 23 جولائی 645ء   تاریخ ہلاکت: 11 یا 12 نومبر 683ء

مدت حکومت: رجب 61 ہجری تا ربیع الاول 64 ہجری، 680ء تا 683ء (تین سال سات ماہ)

اولاد: 14 لڑکے، 5 لڑکیاں لیکن نسل نہیں چلی۔

طرقت منیته و عند وسادہ کوب وزق راعف مرثوم

اس کی موت نے ایسے وقت میں آ کر اس کو مارا جب کہ اس کے تکیہ کے پاس کوزہ اور سر بہ مہر لبالب مشکیزہ شراب بھرا رکھا ہوا تھا۔

و مرنة تبکی علی نشوانه بالصنج تقعد تارۃ و تقوم

اور ایک مغنیہ سارنگی لیے ہوئے اس نشہ سے مست ہونے والے پر رو رہی تھی وہ کبھی بیٹھ جاتی اور کبھی کھڑی ہو جاتی تھی۔ (طبری جلد ۷، صفحہ ۴۳، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۶۱)

قریہ حوارین سے یزید کی لاش کو دمشق میں لایا گیا۔ اس کے بیٹے خالد یا معاویہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور مقبرہ باب الصغیر میں دفن کیا اور اس کی قبر مزبلۂ شہر (کچرے، کوڑے کی جگہ) ہے۔ (بلاذری، ص ۵۴ ۳ ج ۵)

جب سر محشر وہ پوچھیں گے بلا کے سامنے کیا جوابِ جرم دو گے تم خدا کے سامنے

معاویۂ اصغر

یزید پلید کی ہلاکت کے بعد لوگوں نے یزید کے بیٹے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ نوجوان فطرتاً نرم دل، نیک سیرت اور دین و مذہب کا پابند تھا۔ چوں کہ یہ بنی امیہ کی بدعنوانیوں سے بے زار اور بد دل تھا (☆)، اس لیے اس نے لوگوں کے درمیان ایک خطبہ دیا: کہ ''میں حکومت سنبھالنے کی قوت اور اہلیت نہیں رکھتا اور مجھے تم میں کوئی حضرت عمر بن خطاب سا نظر نہیں آتا جس کو تم پر خلیفہ مقرر کر دوں اور نہ ہی اہل شوریٰ نظر آتے ہیں کہ یہ معاملہ ان پر چھوڑ دوں، لہٰذا تم اپنے معاملات کو خود بہتر سمجھتے ہو، جسے چاہو اپنے لیے منتخب کر

☆۔ یزید کے بیٹے معاویہ کا بیان: ''خلافت خدا کی رسی ہے، میرے دادا معاویہ نے اسے علی ابن ابی طالب سے ناحق غصب کیا اور جو کچھ چاہا کر دیا۔۔۔ پھر میرے باپ کی باری آئی حالاں کہ وہ اس کا اہل نہ تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے اس نے جنگ کی اور اس کی عمر کم ہوگئی اور وہ اپنے جرموں، گناہوں کو لے کر قبر میں جا دھنسا۔ (پھر وہ بہت رویا اور کہا) ہمارے لیے بڑا صدمہ یزید کے برے انجام کا ہے، اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عترت کو قتل کیا، حرام کو حلال کیا، کعبہ معظّمہ کو تباہ کیا۔''

(الصواعق المحرقہ، ص 640 ج 2، النجوم الزاہرہ، ص 164 ج 1، مورد اللطافة فی من ولی السلطنة والخلافہ، ص 70 ج 1)

لو یہ کہہ کر وہ خلافت سے دست بردار ہو گیا اور اپنے مکان میں چلا گیا اور بیمار ہو گیا۔ چالیس روز کے بعد اس مکان سے اس کی لاش ہی نکلی، بعض کہتے ہیں اس کو زہر دے دیا گیا۔
(طبری، جلد ۷، صفحہ ۳۴، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۵۱)

قارئین کرام

فرزند رسول، دل بندِ بتول، سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے عزیزوں دوستوں کی الم ناک لرزہ خیز مظلومانہ شہادت اور بدبخت و نامراد یزید پلید اور اس کے خبیث و شریر لشکر کے جور و جفا، ظلم و ستم اور سیاہ کاریوں کے واقعات، معتبر کتب کے حوالہ جات اور صحیح روایات کے ساتھ اب تک کے صفحات میں ذکر کیے گئے۔ چشم حقیقت بین نے دیکھ لیا اور ہر ذی عقل و شعور نے جان لیا ہوگا کہ تاریخِ انسانیت میں یہ واحد ایسا واقعہ ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ خود کو مسلمان کہلانے والوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے صرف پچاس برس گزر جانے پر اپنے نبی ہی کی خاص اولاد سے جس طرح بہیمانہ اور سفاکانہ سلوک کیا اور ظلم و جفا کی جو انتہا کی، شاید ظلم کی پیشانی بھی اس سے عرق آلود ہوگی کوفی اور شامی یزیدیوں نے رہتی دنیا تک لعنت و ملامت اور مذمت ہی اپنے لیے جمع کی۔ یہاں تک کہ اس یزید کا نام داخل دشنام ہو گیا اور یزیدیت سرکشی و نافرمانی اور ظلم و استبداد کا عنوان ہوگئی۔ آج یزید کے کسی حامی کی بھی یہ جرأت نہیں کہ وہ اپنے بیٹوں کا نام غلام یزید و زیاد یا شمر رکھے۔ اس کے برعکس قرآن و حدیث اور تاریخ و سیرت کی روشنی میں پیارے مصطفیٰ کے نور نظر، مرتضیٰ کے لخت جگر، مجتبیٰ کے دل بر، سیدہ زہرا کے پسر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے علم و عمل اخلاق و کردار، سیرت و تعلیمات کے ہر پہلو کو دیکھیے، محاسن ہی محاسن نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہوں ختمی مرتبت حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں'' (☆)۔ یعنی حسین میرے اہل بیت سے ہے میرے خون

☆۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: حسین منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا حسین سبط من الاسباط (ترمذی: 3775)

حسین میرا اور میں حسین کا، اللہ دوست رکھے اسے جو حسین کو دوست رکھے، حسین ایک نسل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے ہے میرے حوالے اور نسبت سے ہے اور میں جمال وکمال، علم وفضل اور اخلاق وکردار کے لحاظ سے حسین سے ظاہر ہوں گویا حسین مظہر رسول ہیں۔ امام پاک نے میدان کربلا میں اپنی حیثیت وشان اور عظمت ومرتبت ہی کے شایان کردار کا مظاہرہ کیا۔ وہ دین کے پاسبان تھے۔ ناموس رسالت کے نگہ بان تھے۔ وہ کسی کم زوری کا مظاہرہ کرتے یا مرد میدان نہ بنتے تو دین کے اصول مٹ جاتے۔ عظمت وشوکتِ اسلام ختم ہوجاتی، عزیمت و استقامت کی مثال قائم نہ ہوتی۔ وہی دین جس کے لیے نبی آخر الزمان نے شدید ترین تکالیف ومصائب وآلام برداشت کیے۔ صحابہ کرام خلفائے راشدین نے اپنی زندگیاں جس دین کے لیے وقف کیں، اب اس دین کو بدلا اور مٹایا جارہا تھا۔ یہ دین رسول اللہ کے گھرانے سے امت کو عطا ہوا، اس گھرانے پر اس دین کے تحفظ کی ذمہ داری دوسروں کی نسبت زیادہ عائد ہوتی تھی چناں چہ حضرت امام نے اپنا فریضہ ادا کیا۔ وہ کربلا میں حق و صداقت اور دین کے لیے سینہ سپر ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کی مدد کی، انہیں ثابت قدمی اور استقامت واستقلال سے نوازا۔ ظلم وجفا کی آندھیاں بھی آپ کے پائے ثبات میں جنبش پیدا نہیں کرسکیں صرف اس لیے کہ امام پاک کے قلب ولسان میں ہم آہنگی تھی۔ حق پر ان کا ایمان مستحکم تھا، وہ ظاہری باطنی آلائشوں اور رذائل دنیوی سے پاک اور مبرا تھے پھر وہ کیسے باطل کے سامنے جھک سکتے تھے۔ کیوں کہ مردان حق سر کٹ تو سکتے ہیں باطل کے سامنے جھک نہیں سکتے۔ حضرت امام نے رضائے الٰہی کا بلند مرتبہ ومقام حاصل کیا۔ ایثار ووفا اور صبر ورضا کا وہ مظاہرہ کیا کہ حسینیت سربلندیوں اور سرفرازیوں کا عنوان ہوگئی اور نام حسین ہر کسی کے لیے قرار جان ہوگیا اور محبت حسین جان ایمان ہوگئی۔ آج لاکھوں محبان حسین ہیں۔ عاشقان امام ہیں، غلامان آل رسول ہیں۔ امام نے شہید ہو کر جو فتح وکامیابی حاصل کی اور حق کا جو بول بولا کیا اس نے صرف یزید پلید ہی کے نہیں قیامت تک ہر فاسق وفاجر اور ظالم وجابر کے فسق وفجور، ظلم وجبر اور سرکشی اور نافرمانی کی

(بقیہ از گزشتہ صفحہ) نبوت کی اصل ہے۔ یہ حدیث کس قدر محبت کے رنگ میں ڈھلی ہوئی ہے، ایک بار نام لے کر تین بار ضمیر کافی تھی مگر نہیں ہر بار لذتِ محبت کے لیے نام ہی کا اعادہ فرمایا''۔ (فتاویٰ رضویہ ص487 ج24) کوکب غفرلہٗ

راہیں مسدود کر دیں اور پرچم حق کو ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا اور امت مسلمہ کو باطل کے خلاف ڈٹ جانے اور سب کچھ قربان کر دینے کا وہ بے مثال لازوال جذبہ عطا کر دیا جو اہل حق کا امتیاز اور افتخار ہے۔اس لیے دنیا میں ہر طرف امام پاک کو خراج محبت پیش کیا جا رہا، ان کی یاد منائی جاتی ہے اور ان کی بارگاہ میں سلام ورحمت کے پھول ہدیہ کیے جاتے ہیں۔

تو وہ امام، امامت کی آبرو تجھ سے
حسین تجھ کو امامت سلام کہتی ہے
حشر تک زندہ ہے تیرا نام اے ابنِ رسول
کر گیا ہے تو، وہ احساں نوعِ انسانی کے ساتھ

☆☆☆

سلطانِ کربلا کو ہمارا سلام ہو
جانانِ مصطفیٰ کو ہمارا سلام ہو
وہ بھوک وہ پیاس وہ فرضِ جہادِ حق
سر چشمۂ رضا کو ہمارا سلام ہو
امت کے واسطے جو اٹھائی ہنسی خوشی
اس لذتِ جفا کو ہمارا سلام ہو
عباس نام دار ہیں زخموں سے چور چور
اس پیکرِ رضا کو ہمارا سلام ہو
اکبر سے نوجوان بھی رن میں ہوے شہید
ہم شکل مصطفیٰ کو ہمارا سلام
اصغر کی ننھی جان پہ لاکھوں درود ہوں
معصوم و بے خطا کو ہمارا سلام ہو
بھائی بھتیجے بھانجے سب ہو گئے شہید
ہر لعلِ بے بہا کو ہمارا سلام

تیغوں کے سائے میں بھی عبادت خدا کی کی
برہانِ اولیاء کو ہمارا سلام ہو
ہو کر شہید قوم کی کشتی ترا گئے
امت کے نا خدا کو ہمارا سلام ہو
ناصر ولائے شاہ میں کہتے ہیں بار بار
امت کے پیشوا کو ہمارا سلام ہو

☆☆☆

قاتلین کا انجام

علماء کرام فرماتے ہیں کہ جتنے لوگ بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آ کر قاتلین کے شریک ہوئے، اس واقعہ شہادت سے راضی و خوش ہوئے، عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی وہ اپنے اعمال بد کی سزا کو پہنچے، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے دنیا ہی میں عذاب الٰہی نہ دیکھا اور سزا نہ پائی ہو۔ ان میں سے بعض تو بری طرح مارے گئے بعض اندھے اور رُوسیاہ ہو گئے۔ بعض مبروص اور کوڑھے ہو گئے اور بعض سخت عبرت ناک موذی بلاؤں اور بیماریوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔

حضرت عامر بن سعد البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، آپ نے فرمایا اے عامر، میرے صحابی براء ابن عازب کے پاس جا کر میرا سلام کہہ اور خبر دینا کہ جنہوں نے میرے بیٹے حسین کو قتل کیا ہے وہ دوزخی ہیں۔ پس میں نے براء ابن عازب کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خواب بیان کیا، انہوں نے سن کر فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ (مفتاح النجاۃ، سعادت الکونین، صفحہ ۱۵۴، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ص ۴۴۶ ج ۶، ابن عساکر، ص ۲۵۸ ج ۱۴)

علامہ امام حافظ ابن حجر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قاتل الحسین فی تابوت من نار علیہ نصف عذاب اھل الدنیا	حسین کا قاتل ایک آگ کے تابوت میں ہوگا، اس پر اہل دنیا کے نصف کا عذاب ہوگا۔
(الفردوس بما ثور الخطاب: ۴۶۳۹، نور الابصار، صفحہ ۱۵۲، سعاف الراغبین، صفحہ ۲۱۰)	

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اوحی اللہ تعالیٰ الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی قتلت بیحییٰ	اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے

بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن ابنتك سبعین الفا و سبعین الفا (المستدرک، ۳۱۴۷، جلد ۳، صفحہ ۱۷۸، تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۴، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۰۱، صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۷، کنز العمال: ۳۴۳۲۰، ذخائر العقبی، جلد ۱، صفحہ ۱۵۰)

عوض ستر ہزار افراد مارے اور اے حبیب تیرے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار مارنے والا ہوں۔

حضرت ابوالشیخ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں چند آدمی بیٹھے ہوئے آپس میں یہ باتیں کررہے تھے کہ حضرت حسین کے قتل میں جس کسی نے بھی قاتلوں کی اعانت کی وہ مرنے سے پہلے ضرور کسی نہ کسی آفت و بلا میں مبتلا ہوا۔

فقال شیخ انا اعنت وما اصابنی شیء فقام لیصلح السراج فاخذته النار فجعل ینادی النار النار وانغمس فی الفرات و مع ذلك فلم یزل به حتی مات (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۳)

تو ایک بوڑھا بولا میں نے بھی قاتلوں کی اعانت کی تھی مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا یہ کہہ کر وہ چراغ کی بتی درست کرنے کے لیے اٹھا تو اس کو آگ لگ گئی وہ زور زور سے پکارنے لگا آگ آگ مگر کسی نے نہ سنی۔ یہاں تک کہ اس نے فرات میں غوطہ لگایا پھر بھی آگ نہ بجھی اور وہ اسی آگ میں جل کر مر گیا۔

اسی قسم کی ایک اور روایت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور سبط ابن الجوزی نے بھی سدی سے نقل فرمائی ہے۔ (کذا فی التہذیب وفی الصواعق المحرقہ)

انہی سبط ابن الجوزی نے امام واقدی سے روایت فرمائی ہے کہ ایک بوڑھا جو لشکر یزید میں تھا مگر اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا وہ اندھا ہو گیا، اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔

حاسرا عن ذراعیه و بیده سیف و بین

کہ آپ غضب ناک حالت میں آستین

یدیه نطع و علیه عشرۃ ممن قتل الحسین مذبوحین ثم لعننی و سبنی ثم اکحلنی بمرود من دم الحسین فاصبحت اعمیٰ (الصواعق المحرقہ، صفحہ ۱۹۳، نور الابصار، صفحہ ۱۴۷، اسعاف الراغبین، صفحہ ۲۱۳)

چڑھائے ہوئے شمشیر بہ کف کھڑے ہیں اور آپ کے آگے فرش چرمی بچھا ہوا ہے جس پر امام حسین کے دس قاتل ذبح ہوئے پڑے تھے پھر آپ نے مجھے لعنت وملامت کی۔ پھر آپ نے خون حسین سے آلودہ ایک سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی اسی وقت سے میں اندھا ہو گیا۔

یزیدی لشکر کے ایک سپاہی نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر انور کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا چند روز کے بعد لوگوں نے اس کو سخت سیاہ رو دیکھا تو پوچھا کہ:

انك کنت انضر العرب وجها فقال ما مرت علّی لیلة من حین حملت تلك الراس الا واثنان یاخذان بضبعی ثم ینتهیان بی الی نار تاجج فیدفعانی فیها وانا انکص فتسفعنی کما تریٰ ثم مات علی اقبح حالة (الصواعق المحرقہ، صفحہ ۱۹۴، نور الابصار، صفحہ ۱۴۷، اسعاف الراغبین، صفحہ ۲۱۳)

تُو تو بہت خوب صورت اور خوش رنگ تھا تجھے کیا ہوا نے کہا جس دن میں نے حضرت حسین کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن سے باندھ کر لٹکایا اس دن سے ہر روز رات کو دو آدمی میرے پاس آتے ہیں میرے دونوں بازو پکڑ کر مجھے ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں بہت سی آگ ہوتی ہے اس آگ میں مجھے مونھ کے بل ڈال کر پھر نکال لیتے ہیں، اس وجہ سے میرا مونھ سیاہ ہو گیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ نہایت بری حالت میں مرا۔

علامہ امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

ان شیخا رای النبی صلی الله علیه وسلم فی النوم و بین یدیه طست فیها دم والناس یعرضون علیه فیلطخهم حتی انتهیت الیه فقلت ما حضرت فقال لی هویت فاوما الی باصبعه فاصبحت اعمیٰ (الصواعق المحرقہ، صفحہ ۱۹۴)

تحقیق ایک بوڑھے نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے آگے ایک طشت رکھا ہے جس میں خون تھا۔ اور لوگ آپ کے سامنے پیش کیے جا رہے تھے آپ ان کی آنکھوں میں اس خون سے لگا رہے تھے یہاں تک کہ میں بھی پیش ہوا اور میں نے عرض کیا میں مقابلہ میں نہیں گیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو اس کی خواہش تو رکھتا تھا پھر آپ نے انگلی سے میری طرف اشارہ کیا پس میں اس وقت سے اندھا ہو گیا۔

حضرت احمد ابو رجاء العطاردی نے فرمایا لوگو! اہل بیت نبوت میں سے کسی کو برا نہ کہو۔

فاته کان لنا جار من بلهجیم قدم علینا من الکوفة قال اما ترون الی هذا الفاسق ابن الفاسق قتله الله فرماه الله بکو کبین فی عینیه فذهب بصره (تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۵، ذخائر العقبی، جلد ا، صفحہ ۱۴۵)

کیوں کہ ہمارا ایک پڑوسی جو بل ہجیم میں سے تھا سے اور کوفہ سے آیا تھا اس نے کہا تم نے اس فاسق ابن فاسق (حسین بن علی) کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ (معاذ اللہ)۔ پس اسی وقت اللہ نے (آسمان سے) دو تارے اس کی آنکھوں میں مارے تو اس کی بصارت جاتی رہی۔

علامہ البارزی، حضرت منصور سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے شام میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کا چہرہ خنزیر جیسا تھا۔ انہوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا:

انه کان یلعن علیا کل یوم الف مرة وفی

کہ وہ ہر روز حضرت علی (رضی اللہ عنہ) پر ایک

الجمعة اربعة الاف مرة و اولادہ معه فرایت النبی صلی اللہ علیه وسلم و ذکر منا ما طویلا من جملته ان الحسن شکاہ الیه فلعنه ثم بصق فی وجهه فصار موضع بصاقه خنزیرا و صار ایۃ للناس (الصواعق المحرقہ، صفحہ ۱۹۴)

ہزار مرتبہ اور جمعہ کے روز چار ہزار مرتبہ ان پر اور ان کی اولاد پر لعنت کیا کرتا تھا۔ (معاذ اللہ)۔ تو ایک رات اس نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور اس نے طویل خواب کا ذکر کیا، اس میں یہ بھی تھا کہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے اس کی حضور کی بارگاہ میں یہ شکایت کی تو حضور نے اس پر لعنت کی اور اس کے موںھ پر تھوک دیا تو اس کا موںھ خنزیر جیسا ہو گیا اور وہ لوگوں کے لیے ایک درس عبرت بن گیا۔

جب معرکہ کربلا میں بے دین اشقیاء نے اہل بیت نبوت پر پانی بند کر دیا اور سب شدت پیاس سے بہت بے تاب ہوئے، تو ایک بد بخت نے امام پاک کو مخاطب کر کے کہا:

انظر الیه کانه کبد السماء لا تذوق منه قطرۃ حتی تموت عطشا فقال له الحسین اللهم اقتله عطشا فلم یرو مع کثرۃ شربه للماء حتی مات عطشا (الصواعق المحرقہ، صفحہ ۱۹۵، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

اس کو دیکھو یہ شخص اپنے آپ کو گویا جگر گوشہ آسمان سمجھتا ہے مگر یہ ایک قطرہ بھی اس کے پانی سے نہیں چکھے گا یہاں تک کہ پیاسا ہی مرے گا۔ امام حسین نے اس کے متعلق دعا فرمائی اے اللہ اس کو پیاسا ہی مارنا اس کے بعد اس کی یہ حالت ہو گئی کہ بہت زیادہ پانی پینے کے باوجود بھی سیراب نہ ہوتا یہاں تک کہ پیاس کی حالت ہی میں مر گیا۔

جس بد بخت نے معصوم علی اصغر کے حلق میں تیر پیوست کیا تھا وہ ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ اس کے موںھ اور پیٹ میں سخت حِدّت اور گرمی پیدا ہو گئی گویا کہ آگ سی لگی رہتی اور پشت کی

طرف بہت برودت یعنی سردی پیدا ہوگئی۔ چناں چہ اس کے موتھ اور پیٹ پر تو پانی چھڑکتے برف رکھتے اور پنکھا ہلاتے اور اس کی پشت کی طرف آگ جلاتے مگر کسی طرح بھی چین نہ پڑتا۔

وھو یصیح العطش فیوتی بسویق وماء ولبن لو شربه خمسة لكفاهم فیشربه ثم یصیح فیسقی كذلك الی ان انقد بطنه (الصواعق المحرقہ، صفحہ ۱۹۵، ذخائر العقبیٰ، جلد ا، صفحہ ۱۴۴)

اور وہ چیخ چیخ کر کہتا کہ پیاس پیاس تو اس کے لیے ستو، پانی اور دودھ لایا جاتا اگر اس کو پانچ گھڑے بھی پلائے جاتے تو وہ پی جاتا اور پھر بھی پیاس کہہ کے چیختا آخر اسی طرح پیتے پیتے اس کا پیٹ پھٹ گیا۔

حضرت ابو محمد سلیمان الاعمش کوفی تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ کے لیے گیا، دوران طواف میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ غلاف کعبہ کے ساتھ چمٹا ہوا یہ کہہ رہا تھا کہ ''اے اللہ مجھے بخش دے اور میں گمان کرتا ہوں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا''۔ میں اس کی بات پر بہت متعجب ہوا کہ سبحان اللہ العظیم اس کا کیسا گناہ ہے کہ جس کی بخشش کا اس کو گمان نہیں۔ خیر میں خاموش رہا اور طواف میں مصروف رہا دوسرے پھیرے میں سنا وہ پھر یہی کہہ رہا تھا، میری حیرانی میں اضافہ ہوا۔ میں نے طواف سے فارغ ہو کر اس سے کہا کہ تو ایسے عظیم مقام پر ہے جہاں بڑے سے بڑا گناہ بھی بخشا جاتا ہے تو اگر تو اللہ عزوجل سے مغفرت اور رحمت مانگتا ہے تو اس سے امید بھی رکھ، کیوں کہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ اس شخص نے کہا اے اللہ کے بندے تو کون ہے؟' میں نے کہا میں سلیمان الاعمش ہوں! اس نے کہا اے سلیمان تم مانگو اور امید بھی رکھو میں بھی کبھی تمہارے ہی جیسا خیال رکھتا تھا لیکن اب نہیں، یہ کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک طرف لے گیا اور کہا میرا گناہ بہت بڑا ہے۔ میں نے کہا کیا تیرا گناہ پہاڑوں، آسمانوں، زمینوں اور عرش سے بھی بڑا ہے؟ کہنے لگا ہاں، میرا گناہ بڑا ہی ہے! سنو میں تمہیں بتاتا ہوں وہ بڑی عجیب بات ہے جو میں نے دیکھی ہے۔ میں نے کہا سناؤ اللہ تم پر رحم کرے۔ اس نے کہا اے سلیمان میں ان ستر آدمیوں میں سے ہوں جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے سر کو یزید کے پاس لائے تھے۔ پھر یزید نے اس سر کو شہر کے باہر لٹکانے کا حکم دیا۔ پھر اس کے حکم سے اتارا گیا اور سونے کے طشت میں رکھ کر اس کے سونے (نیند) کی

جگہ رکھا گیا۔ آدھی رات کے وقت یزید کی بیوی اٹھی تو اچانک اس نے دیکھا کہ ایک نورانی شعاع امام کے سر سے لے کر آسمان تک چمک رہی ہے وہ یہ دیکھ کر سخت خوف زدہ ہوئی اور اس نے یزید کو جگایا اور کہا اٹھ کر دیکھو، میں ایک عجیب منظر دیکھ رہی ہوں، یزید نے بھی اس روشنی کو دیکھ کر کہا چپ رہو میں بھی دیکھ رہا ہوں جو تم دیکھ رہی ہو۔ جب صبح ہوئی تو اس نے سر مبارک نکالنے کا حکم دیا۔ چناں چہ وہ نکالا گیا اور خیمہ دیبائے سبز میں رکھا گیا اور اس کی نگرانی کے لیے ستر آدمی مقرر ہوئے، میں بھی ان میں تھا۔ پھر ہمیں حکم ہوا جاؤ کھانا کھا آؤ۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور کافی رات گزر گئی تو ہم سو گئے۔ اچانک میں جاگ پڑا اور دیکھا کہ آسمان پر ایک بڑا بادل چھایا ہوا ہے اور اس میں سے پہاڑ کی سی گرج اور پروں کے ہلنے کی سی آواز آرہی ہے، پھر وہ بادل قریب ہوتا گیا یہاں تک کہ زمین سے مل گیا اور اس میں سے ایک مرد نمودار ہوا جس پر جنت کے حلّوں میں سے دو حلّے تھے اور اس کے ہاتھ میں ایک فرش اور کرسیاں تھیں اس نے وہ فرش بچھایا اور اس پر کرسیاں رکھ دیں اور پکارنے لگا، اے ابو البشر اے آدم صلی اللہ علیک تشریف لایئے پس ایک بڑے بزرگ نہایت حسین وجمیل تشریف لائے اور سر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر کہا

السلام علیك یا ولی اللہ السلام علیك یا بقیة الصالحین عشت سعیدا و قتلت طریدا ولم تزل عطشان حتی الحقك اللہ بنا رحمك اللہ ولا غفر لقاتلك الویل لقاتلك غدا من النار ثم زال وقعد علی الکرسی من تلك الکراسی

''سلام ہو تجھ پر اے اللہ کے ولی سلام ہو، تجھ پر اے بقیۃ الصالحین، زندہ رہے تم سعید ہو کر اور قتل ہوئے تم طرید یعنی خلف ہو کر، پیاسے رہے حتیٰ کہ اللہ نے تمہیں ہم سے ملا دیا۔ اللہ تم پر رحم فرمائے اور تمہارے قاتل کے لیے بخشش نہیں تمہارے قاتل کے لیے کل قیامت کے دن دوزخ کا بہت برا ٹھکانا ہے''۔

یہ فرما کر وہ وہاں سے ہٹے اور ان کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک اور بادل آیا وہ اسی طرح زمین سے مل گیا اور میں نے سنا کہ ایک منادی نے ندا

کی، اے نبی اللہ اے نوح تشریف لائیے، ناگاہ ایک صاحب وجاہت زردی مائل چہرہ جنت کے حلّوں میں دو حلّے پہنے ہوئے تشریف لائے اور انہوں نے بھی وہی الفاظ کہے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ پھر ایک اور بڑا بادل آیا اور اس میں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نمودار ہوئے انہوں نے بھی وہی کلمات فرمائے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تشریف لائے اور اسی طرح کے کلمات فرما کر کرسیوں پر جا بیٹھے پھر ایک بہت ہی بڑا بادل آیا اس میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما اور ملائکہ نمودار ہوئے۔ پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر کے پاس تشریف لے گئے اور سر کو سینے سے لگایا اور بہت روئے۔ پھر حضرت فاطمہ کو دیا انہوں نے بھی سینے سے لگایا اور بہت روئیں پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر یوں تعزیت کی

السلام علی الولد الطیب السلام علی الخلق الطیب اعظم اللہ

اجرك و احسن عزاءك فی ابنك الحسین

''سلام ہو پاکیزہ فطرت وخصلت والے پاک فرزند پر اللہ آپ کو بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے اور آپ کے فرزند حسین کے (اس امتحان) میں احسن صبر دے''۔

اسی طرح حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے بھی تعزیت فرمائی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان انبیاء کرام علیہم السلام سے فرمایا کہ آپ گواہ رہیں خود اللہ ہی کافی گواہ ہے۔ میری امت کے ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میری اولاد کو اس طرح قتل کر کے مجھے یہ بدلہ دیا ہے۔ پھر ایک فرشتے نے آپ کے قریب آ کر عرض کیا اے ابوالقاسم (اس واقعہ سے) ہمارے دل پاش پاش ہو گئے ہیں۔ میں آسمان و دنیا کا موکل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ان لوگوں پر آسمان ڈھا دوں اور ان کو تباہ کر دوں۔ پھر ایک اور فرشتہ نے آ کر عرض کیا اے ابو القاسم! میں دریاؤں کا موکل ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اگر آپ فرمائیں تو میں ان پر طوفان برپا کر کے ان کو تباہ و برباد کر دوں۔ آپ نے فرمایا اے فرشتوں ایسا کرنے سے باز رہو۔

فقال الحسن يا جداه هولاء الرقودهم الذين يحرسون اخى و هم الذين اتوا براسه فقال النبى صلى الله عليه وسلم يا ملائكة ربى اقتلوهم بقتله ابنى فو الله ما لبثت الا يسيرا حتى رايت اصحابى قد ذبحوا اجمعين قال فلصق بى ملك ليذبحنى فناديته يا ابا القاسم اجرنى وارحمنى يرحمك الله فقال كفوا عنه ودنا منى وقال انت من السبعين رجلا قلت نعم فالقى يده فى منكبى و سحبنى على وجهى وقال لا رحمك الله ولا غفرلك احرق الله عظامك بالنار فلذالك أيست من رحمة الله فقال الاعمش اليك عنى فانى اخاف ان اعاقب من اجلك

(نورالابصار، صفحہ ۱۴۹)

تو حضرت حسن نے کہا نانا جان! یہ جو سوئے ہوئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو میرے بھائی کے سر کو لائے ہیں اور یہی نگرانی پر مقرر ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے میرے رب کے فرشتو ان کو قتل کر دو میرے بیٹے کے قتل کے بدلے میں۔ تو خدا کی قسم ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ میں نے دیکھا وہ میرے سب ساتھی قتل کر دیئے گئے پھر ایک فرشتہ مجھے بھی قتل کرنے کو آیا تو میں نے پکارا اے ابوالقاسم مجھے بچایئے اور مجھ پر رحم فرمایئے اللہ آپ پر رحم فرمائے تو آپ نے فرشتہ سے فرمایا اسے رہنے دو پھر آپ نے میرے قریب آ کر فرمایا تو ان ستر آدمیوں میں سے ہے جو سر لائے تھے؟ میں نے کہا ہاں! پس آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے میں ڈال کر مجھے مونھ کے بل گرا دیا اور فرمایا خدا تجھ پر رحم نہ کرے اور نہ تجھے بخشے اللہ تیری ہڈیوں کو نار دوزخ میں جلائے تو یہ وجہ ہے کہ میں اللہ کی رحمت سے ناامید ہوں حضرت اعمش نے یہ سن کر فرمایا او بدبخت مجھ سے دور ہو کہیں تیری وجہ سے مجھ پر بھی عذاب نہ نازل ہو جائے۔

علامہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت صالح شحام سے روایت نقل فرمائی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حلب میں خواب دیکھا کہ ایک کالا کتا مارے پیاس کے زبان نکالتا ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پانی پلاؤں تو اتنے میں ہاتف غیبی نے آواز دی۔ خبردار! اس کو پانی مت پلا۔ یہ قاتل حسین بن علی ہے۔ اس کے لیے قیامت تک یہ سزا ہے کہ اسی طرح پیاسا ہی رہے۔ (تسدید القوس فی تلخیص مسند الفردوس)

علامہ امام جلال الدین سیوطی محاضرات ومحاورات میں نقل فرماتے ہیں:

حصل بالکوفة جدری فی بعض السنین عمی فیه الف و خمسمائة

من ذریة من حضر واقتتل الحسین رضی الله عنه

''کہ کوفہ میں ایک سال چیچک ہوئی اس میں ڈیڑھ ہزار اولاد ان لوگوں کی اندھی ہوگئی جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے گئے تھے''۔ (نور الابصار، صفحہ ۱۵۲)

ابن عیینہ اپنی دادی ام ابی سے روایت فرماتے ہیں کہ دو آدمی جعفیین میں سے قتل حسین میں شریک تھے۔

قالت فاما احدھما فطال ذکرہ حتی کان یلفه واما الاخر فکان یستقبل الروایة بفیه حتی یاتی علی اخرھا قال سفیان رایت ابن احدھما و کان مجنونا (تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۴، سر الشہادتین، صفحہ ۳۳، صواعق محرقہ، صفحہ ۱۹۳، خصائص کبریٰ، ص215 ج2، ذخائر العقبی، ص144 ج1)

فرماتی ہیں ان میں سے ایک کا آلہ تناسل تو اتنا لمبا ہو گیا کہ وہ اپنی کمر (یا گردن) پر (رسی کی طرح) لپیٹ لیتا اور دوسرے کو اس قدر پیاس لگتی کہ وہ پوری پکھال پی جاتا مگر اس کی پیاس نہ بجھتی یہاں تک کہ دوسری لائی جاتی (حضرت) سفیان فرماتے ہیں ان میں سے میں نے ایک کے بیٹے کو دیکھا کہ وہ پاگل تھا۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ کوفیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر بلایا اور جانی و مالی امداد کا یقین دلایا تھا لیکن بعد میں وہ بے وفا ہو گئے اور ان کی بے وفائی ہی حضرت مسلم بن عقیل اور حضرت امام اور آپ کے اقربا اور اعوان وانصار کی شہادت کا سبب

بنی۔ اس بے وفائی پر اکثر کوفی بہت زیادہ نادم تھے اور چاہتے تھے کسی طرح اس غلطی کی تلافی ہو جائے اور بدنامی کا داغ دھل جائے، چناں چہ ان توابین نے حضرت سلیمان بن صرد کے ہاتھ پر بیعت کی کہ خون حسین کا انتقام لیں گے۔

شروع میں تو حضرت سلیمان بن صرد کے ارگرد بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے بعد میں ان میں سے اکثر ساتھ چھوڑ گئے اور مخلصین کی تعداد کم رہ گئی مگر یہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ سب سے پہلے شام جا کر ابن زیاد سے جنگ کی جائے، بعد میں دوسرے لوگوں سے نپٹا جائے۔ یہ لوگ ابن زیاد کے مقابلے کے لیے نکلے۔ راستہ میں یہ لوگ کربلا میں حضرت امام کے مرقد منور پر حاضر ہوئے اور زاری وتضرع کے ساتھ توبہ و استغفار کے طالب ہوئے۔ جب یہاں سے روانہ ہو کر شام کے قریب پہنچے اور ابن زیاد کو ان کے آنے کی خبریں ملیں تو اس نے حصین بن نمیر کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مختصر یہ کہ جنگ ہوئی اور سلیمان کے ساتھیوں نے باوجود قلیل ہونے کے ہزاروں شامیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابن زیاد کی طرف سے برابر لشکر اور مدد پہنچتی رہی آخر حضرت سلیمان، حصین بن نمیر کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور اسی طرح ان کے رفقاء بھی قتل ہوتے رہے اور چند باقی جو رہ گئے تھے وہ اپنی شکست یقینی سمجھ کر رات کے وقت بھاگ نکلے۔

پھر مختار بن عبیدہ ثقفی نے جو اپنے دل میں حبِّ جاہ رکھتا تھا خون حسین کا بدلہ لینے کے لیے علم بلند کیا اور اپنے آپ کو حضرت محمد بن حنفیہ کا خلیفہ ظاہر کر کے کہا کہ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں خون حسین کا بدلہ لوں۔ اس لیے لوگو میرا ساتھ دو لوگوں نے اس پر اعتماد نہ کیا اور حضرت محمد بن حنفیہ سے اس کی تصدیق کی تو اگرچہ وہ مختار کو اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر انہوں نے فرمایا بلاشبہ ہم پر خون حسین کا بدلہ لینا واجب ہے۔ اس سے لوگوں کو تسلی ہو گئی اور وہ مختار کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے اور یہ تحریک کافی زور پکڑ گئی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے عبداللہ بن مطیع حاکم کوفہ تھے انہوں نے اس تحریک کو روکنے کی کافی کوشش کی۔ یہاں تک کہ چند بار لڑائی بھی ہوئی لیکن ہر بار حاکم کوفہ کی فوج کو شکست ہوئی آخر ابن مطیع نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور اپنی شکست کا اعتراف کر کے امان طلب کی۔ اور

ان کو امان دے دی گئی۔ چنانچہ وہ بصرہ چلے گئے اور مختار کو عراق، کوفہ، خراسان اور ان کے اطراف وجوانب پر تسلط اور جملہ خزائن حکومت پر قبضہ حاصل ہو گیا تو اس نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور لوگوں سے اچھی طرح پیش آنے لگا اور کہتا میں خلیفۃ المہدی ہوں۔

مختصر یہ ہے کہ اس نے لوگوں سے کہا مجھے ہر اس شخص کا پتا بتاؤ جو ابن سعد کے لشکر میں تھا اور امام حسین کے مقابلے میں گیا تھا یا جو ان کے قتل سے خوش ہوا تھا لوگوں نے بتانا شروع کیا اور مختار نے ان کو مارنا اور سولی پر لٹکانا شروع کر دیا اس طرح سیکڑوں آدمیوں کو مارا۔

عمرو بن سعد

ایک دن مختار نے اپنے دوستوں سے کہا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو ماروں گا جس سے تمام مومنین اور ملائکہ مقربین بھی خوش ہوں گے، اس وقت اس کے پاس ہثیم بن اسود نخفی بیٹھا تھا وہ سمجھ گیا کہ مختار کا ارادہ عمرو بن سعد کو مارنے کا ہے، چناں چہ اس نے ایک آدمی کو عمرو بن سعد کے بلانے کے لیے بھیجا۔ عمرو بن سعد نے اپنے بیٹے حفص کو بھیج دیا۔ جب وہ آیا تو مختار نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا گھر میں ہے۔ مختار نے کہا اب ''رے'' کی حکومت چھوڑ کر کیوں گھر بیٹھا ہوا ہے حضرت حسین کے قتل کے دن کیوں نہ گھر بیٹھا۔ پھر اس نے اپنے خاص محافظ ابو عمرہ کو بھیجا کہ ابن سعد کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ کر لے آ۔ وہ گیا اور اس نے ابن سعد کو قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر اپنی قبا میں چھپا کر لے آیا اور مختار کے آگے لا کر رکھ دیا۔ مختار نے حفص سے کہا، پہچانتے ہو یہ کس کا سر ہے؟ اس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر کہا کہ ہاں یہ میرے باپ کا سر ہے اور اب ان کے بعد زندگی میں کچھ مزا نہیں۔ مختار نے کہا سچ کہتے ہو۔ حکم دیا اس کو بھی قتل کرو؟ وہ بھی قتل ہوا مختار نے کہا عمرو کا سر حسین کے سر کا بدلہ ہے اور حفص کا سر علی بن حسین کے سر کا، اگر چہ یہ دونوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ خدا کی قسم! اگر میں ایک تہائی قریش کو بھی قتل کر دوں تو وہ سب حسین کی ایک انگلی کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔

مختار نے ان دونوں سروں کو حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس بھیج دیا اور ساتھ لکھ بھیجا کہ جس جس پر مجھے قدرت حاصل ہوئی ہے اس کو میں نے قتل کر دیا ہے اور جو باقی رہ گئے ہیں

وہ بھی اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اور جب تک میں ان کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک نہ کر دوں گا ان کی تلاش سے باز نہ رہوں گا۔ (طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۲۷، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹۴، البدایہ والنہایہ، جلد ۴، صفحہ ۲۷۳)

امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن:

قال علی لعمرو بن سعد کیف انت اذا قسمت مقاما تخیر فیه بین الجنة و النار فتختار النار

(ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹۴)

حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) نے عمرو بن سعد سے فرمایا، اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب کہ تو ایک ایسے مقام پر کھڑا ہوگا کہ تجھے جنت و دوزخ کے درمیان اختیار دیا جائے گا پس تو دوزخ ہی کو اختیار کرلے گا۔

علامہ ابن کثیر امام واقدی سے نقل فرماتے ہیں کہ:

کان سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه جالسا ذات یوم اذ جاء غلام له ودمه یسیل علی عقبیه فقال له سعد من فعل بك هذا؟ فقال ابنك عمرو فقال سعد اللهم اقتله و اسل دمه و کان سعد مستجاب الدعوة (البدایة والنهایة، جلد ۸، صفحہ ۲۷۳)

ایک دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ آپ کا غلام اس حالت میں آیا کہ اس کی دونوں ایڑیوں پر خون بہہ رہا تھا حضرت سعد نے اس سے پوچھا یہ کس نے تیرے ساتھ ایسا کیا ہے؟ اس نے کہا آپ کے بیٹے عمرو نے! حضرت سعد نے کہا اے اللہ اس کو قتل کر اور اس کا بھی خون بہا اور حضرت سعد کی دعا قبول ہوتی تھی۔

خولی بن یزید

خولی وہ بدبخت انسان تھا جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور سر انور کو جسم اقدس سے جدا کیا تھا۔ اس بدبخت کی گرفتاری کے لیے مختار نے معاذ بن ہانی اور اپنے محافظ خاص ابو عمرو کو چند سپاہیوں کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے آ کر خولی کے مکان کا محاصرہ کرلیا اس

بد بخت کو معلوم ہوا تو یہ اپنے مکان کے اندر ایک جگہ چھپ گیا اور بیوی سے کہہ دیا کہ تم لاعلمی ظاہر کر دینا۔ معاذ نے ابو عمرو سے کہا تم آواز دو۔ آواز سن کر خولی کی بیوی باہر نکلی انہوں نے کہا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے زبان سے تو کہا مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے اور ہاتھ کے اشارے سے اس کے چھپنے کا مقام بتا دیا یہ اس جگہ پہنچے اور اس کو گرفتار کر لیا۔ مختار کے سامنے پیش کیا گیا اس نے اس کے قتل اور جلانے کا حکم دیا۔ چناں چہ اس بد بخت کو پہلے قتل کیا گیا اور پھر جلا دیا گیا۔

ف: خولی کی بیوی نوار بنت مالک بن نہار حضر موت کی رہنے والی تھی، خولی جس دن سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا تھا اس دن سے وہ اس کی دشمن ہو گئی تھی۔ (طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۲۷، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹۴، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۷۲)

شمر ذی الجوشن

مسلم بن عبداللہ الضبابی کہتا ہے کہ ہم شمر ذی الجوشن کے ہم راہ تیز رَو گھوڑوں پر سوار ہو کر کوفہ سے نکلے۔ مختار کے غلام زربی نے ہمارا تعاقب کیا ہم نے بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے دوڑائے لیکن زربی نے ہمیں آلیا اور شمر پر حملہ آور ہوا۔ شمر اس کے حملے کو روکتا رہا آخر شمر نے ایک ایسا وار کیا کہ اس کی کمر توڑ دی جب مختار کو معلوم ہوا تو اس نے کہا اگر یہ مجھ سے مشورہ کرتا تو میں اس کو اس طرح شمر پر حملہ کرنے کا حکم نہ دیتا۔

شمر وہاں سے چل کر کوفہ اور بصرہ کے تقریباً درمیان دریا کے کنارے پر واقع ایک گاؤں کلتانیہ میں پہنچا اور ایک دیہاتی مزدور کو بلا کر اس کو مار پیٹ کر مجبور کر دیا کہ میرا یہ خط مصعب بن زبیر تک پہنچائے۔ اس خط پر یہ پتا لکھا تھا۔ شمر ذی الجوشن کی طرف سے امیر مصعب بن زبیر کے نام۔ وہ مزدور اس خط کو لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بڑا گاؤں آباد تھا اس میں پہنچ کر وہ مزدور اپنے ایک جاننے والے مزدور دوست سے ملا اور اس سے شمر کی سختی اور زیادتی کی شکایت کر رہا تھا۔ اتفاق سے اسی گاؤں میں مختار کا محافظ دستے کا رئیس ابو عمرہ چند سپاہیوں کے ساتھ جنگی چوکی قائم کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ عین اس وقت جب

کہ وہ دونوں مزدور باتیں کر رہے تھے مختار کا ایک سپاہی عبدالرحمٰن بن عبید وہاں سے گزرا، اس نے اس مزدور کے ہاتھ میں شمر کا وہ خط دیکھا اور پتا پڑھ کر مزدور سے پوچھا کہ شمر کہاں ہے؟ مزدور نے بتا دیا اس سپاہی نے فوراً آ کر ابوعمرو کو بتایا۔ یہ اسی وقت اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس کی طرف چلے۔ مسلم بن عبداللہ کہتا ہے میں نے شمر سے کہا ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے کیوں کہ یہاں مجھے خوف سا محسوس ہوتا ہے۔ شمر نے کہا میں تین دن سے پہلے یہاں سے نہیں جاؤں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں یہ خوف مختار کذاب کی وجہ سے محسوس ہو رہا ہے اور تم مرعوب ہو گئے ہو۔ چناں چہ رات کو میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر جاگ پڑا اور اپنی آنکھیں مل رہا تھا کہ اتنے میں انہوں نے آ کر تکبیر کہی اور ہماری جھونپڑیوں کو گھیرے میں لے لیا ہم تو اپنے گھوڑے وغیرہ چھوڑ کر پیدل ہی بھاگ نکلے اور وہ سب شمر پر ٹوٹ پڑے وہ کپڑے اور زرہ وغیرہ بھی نہ پہن سکا، ایک پرانی سی چادر اوڑھے ہوئے صرف نیزہ ہاتھ میں لے کر ان کا مقابلہ کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے تکبیر کی آواز کے ساتھ سنا کہ اللہ نے خبیث کو قتل کر دیا۔ پھر اس کی لاش کو کتّوں کے لیے پھینک دیا گیا۔ (طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۲۱، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹۲، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۷۰)

مالک بن اعین الجہنی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن دباس جس نے محمد بن عمار بن یاسر کو قتل کیا تھا، اس نے قاتلان حسین میں سے چند آدمیوں کے نام مختار کو بتائے جن میں عبداللہ بن اسید بن النزال الجہنی مالک بن النسیر البدی اور حمل بن مالک المحاربی بھی تھے اور قادسیہ میں رہتے تھے۔ مختار نے اپنے سرداروں میں ایک سردار ابونمر مالک بن عمرو النہدی کو ان کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ اس نے وہاں پہنچ کر ان کو گرفتار کر لیا اور مختار کے سامنے لا کر پیش کیا مختار نے ان سے کہا

یا اعداء اللہ و اعداء کتابہ و اعداء رسولہ وال رسول ابن الحسین ابن علی ادو الی الحسین قتلتم من امرتم بالصلوۃ علیہ فی الصلوۃ فقالوا رحمك	اے اللہ اور اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول اور آل رسول کے دشمنو! حسین ابن علی کہاں ہیں؟ میرے سامنے حسین کا حق ادا کرو۔ ظالمو! تم نے اس کو قتل کیا جس پر

اللہ بعثنا و نحن کارھون فامنن علینا واستقنا قال المختار فھلا مننتم علی الحسین ابن نبیکم و استبقیتموہ واستقیتموہ الخ

نماز میں تمہیں درود پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے ہمیں زبردستی بھیجا گیا تھا حالاں کہ ہم پسند نہیں کرتے تھے۔ اب آپ ہم پر احسان فرمائیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔ مختار نے کہا کیا تم نے اپنے نبی کے نواسے پر احسان کیا اور ان کو چھوڑا اور ان کو پانی پلایا؟

پھر مختار نے مالک البدی سے کہا تو نے ان کی ٹوپی اتاری تھی؟ عبداللہ بن کامل نے کہا جی ہاں اسی نے اتاری تھی۔ مختار نے حکم دیا اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ کر چھوڑ دو تاکہ یہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے چناں چہ اس کے حکم پر عمل کیا گیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مرا۔ اور دوسرے دونوں یعنی عبداللہ الجہنی کو عبداللہ بن کامل نے حمل بن مالک المحاربی کو سعر بن ابی سعر نے مختار کے حکم سے قتل کر دیا۔ (طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۲۴، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹۳)

حکیم بن طفیل الطائی

اس نے کربلا میں حضرت عباس علم دار کے لباس اور اسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت حسین کو تیر مارا تھا یہ کہا کرتا تھا کہ میرا تیر ان کے پاجامے میں لگا تھا جس سے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا تھا۔ مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ اس نے جا کر گرفتار کر لیا۔ حکیم کے گھر والے عدی بن حاتم کے پاس جا کر فریادی ہوئے کہ اس کو چھڑائیں۔ مختار، عدی کی قدر اور احترام کرتا تھا۔ عدی مختار کے پاس برائے سفارش آئے۔ سپاہیوں کو راستہ میں معلوم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن کامل سے کہا کہ مختار عدی کی سفارش قبول کر لیں گے اور یہ خبیث بچ جائے گا حالاں کہ آپ اس کے جرم سے بخوبی واقف ہیں بہتر یہ ہے کہ ہم اس کو مختار کے پاس نہ لے جائیں اور قتل کر دیں۔ ابن کامل نے اجازت دے دی۔ چناں چہ اس کو ایک مکان میں لے گئے اور کہا تو نے ابن علی کا لباس اتارا تھا ہم تیرا لباس اتارتے ہیں چناں چہ انہوں نے اس کے سب کپڑے اتار دیئے اور برہنہ کر دیا پھر کہا تو نے حضرت حسین کو تیر مارا

تھا۔اب ہم تجھے تیروں کا نشانہ بناتے ہیں یہ کہہ کر تیروں سے اس کو ہلاک کر دیا۔

ادھر عدی مختار کے پاس پہنچے تو ان کا احترام کیا اور آنے کی غرض پوچھی۔عدی نے بیان کی۔مختار نے کہا ابوظریف! تم قاتلان حسین کی سفارش کرتے ہو۔عدی نے کہا اس پر جھوٹا الزام ہے۔مختار نے کہا اگر یہ سچ ہے تو ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ابن کامل نے آکر حکیم کے قتل کی اطلاع دی۔مختار نے کہا تم نے اس کو میرے پاس لائے بغیر اتنی جلدی کیوں قتل کیا۔دیکھو یہ عدی اس کی سفارش کے لیے آئے ہیں اور یہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی سفارش قبول کی جائے۔ابن کامل نے کہا آپ کے شیعوں نے نہ مانا اور میں مجبور ہو گیا۔عدی نے ابن کامل کو برا بھلا کہا۔ابن کامل بھی جواب دینے لگے مگر مختار نے اس کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔عدی ناراض ہو کر آ گئے۔(طبری،جلد ۸،صفحہ ۱۳۸،ابن اثیر،جلد ۴،صفحہ ۹۴،البدایہ والنہایہ،جلد ۴،صفحہ ۲۷۲)

ابوسعید الصیفل کہتے ہیں کہ سعر الحنفی نے مختار کو چند قاتلان حسین کا پتا بتایا۔مختار نے عبداللہ بن کامل کو ان کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔اس نے ان میں سے زیاد بن مالک،عمران بن خالد،عبدالرحمٰن بن ابی خشکارۃ البجلی اور عبداللہ بن قیس الخولانی کو گرفتار کیا اور مختار کے سامنے پیش کیا مختار نے ان سے پوچھا۔

یا قتلۃ الصالحین و قتلہ سید شباب اھل الجنۃ قد اقاد اللہ منکم الیوم لقد جاء کم الورس بیوم نحس و کانوا قد اصابوا من الورس الذی کان مع الحسین اخرجوھم الی السوق فضربوا رقابھم ففعل ذلک بھم (طبری،جلد ۷، صفحہ ۱۲۵،ابن اثیر،جلد ۴،صفحہ ۹۴)

اے صالحین اور جنت کے نوجوانوں کے سردار کے قاتلو! بے شک اللہ آج تم سے بدلہ لے گا بے شک وہ ورس آج تمہارے لیے بڑا منحوس دن لے کر آئی ہے وہ ورس جو حضرت حسین کے ساتھ تھی جس پر انہوں نے قبضہ کیا تھا۔مختار نے حکم دیا۔سر بازار ان کی گردنیں مارو۔پس ان کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔

زید بن رقاد

اس ظالم نے حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل کے تیر مارا تھا جوان کی پیشانی میں لگا تھا انہوں نے اپنی پیشانی کو بچانے کے لیے اس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا مگر تیر ایسا لگا کہ ہاتھ بھی پیشانی کے ساتھ پیوست ہو گیا اور جدا نہ ہو سکا۔ اس وقت ان کی زبان سے نکلا، اے اللہ جس طرح ان دشمنوں نے ہمیں حقیر و ذلیل کر کے قتل کیا ہے تو بھی ان کو ایسا ہی ذلیل کر کے قتل کر۔ پھر اسی ظالم نے ایک اور تیر مارا جو حضرت عبداللہ کے پیٹ میں لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہ بدبخت کہا کرتا تھا کہ میں اس نوجوان کے پاس آیا وہ تیر جو اس کے پیٹ میں لگا تھا وہ تو میں نے آسانی سے نکال لیا مگر وہ تیر جو پیشانی میں لگا تھا اس کو نکالنے کی بہت کوشش کی، تیر تو نکل آیا مگر پیکان نہ نکل سکا۔ مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس بدبخت کی گرفتاری کے لیے بھیجا تو ابن کامل نے اپنے دستہ کے ساتھ اس کے مکان کا محاصرہ کر لیا، یہ بدبخت زید بڑا بہادر آدمی تھا۔ تلوار لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ ابن کامل نے کہا اس کو نیزہ یا تلوار سے نہ مارو بلکہ تیروں اور پتھروں سے ہلاک کرو۔ لوگوں نے اس قدر اس پر تیر برسائے اور پتھر مارے کہ وہ گر پڑا۔ ابن کامل نے کہا دیکھو اگر اس میں جان باقی ہو تو اس کو لاؤ۔ چوں کہ اس میں ابھی جان تھی لوگ اس کو لائے۔ ابن کامل نے آگ منگوائی اور اس کو فنافی النار کر دیا۔

(طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۲۹، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹۵، البدایہ والنہایہ، جلد ۴، صفحہ ۲۷۲)

عمرو بن صبیح

یہ بدبخت کہا کرتا تھا کہ میں نے حسین کے رفقاء کو تیروں سے زخمی کیا تھا کسی کو قتل نہیں کیا تھا۔ مختار نے آدھی رات کے وقت اس کی گرفتاری کے لیے پولیس کو بھیجا یہ اس وقت اپنے مکان کی چھت پر اپنی تلوار تکیے کے نیچے رکھے بے خبر سو رہا تھا پولیس نے چپکے سے چھت پر چڑھ کر اس کو پکڑ لیا اور اس کی تلوار پر بھی قبضہ کر لیا، کہنے لگا خدا اس تلوار کا برا کرے یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی اور اب کس قدر دور ہو گئی ہے۔ پولیس نے اس کو مختار کے سامنے لا پیش کیا اس نے حکم دیا صبح تک اس کو قید میں رکھو۔ جب صبح ہوئی دربار عام لگا اور بہت سے

لوگ جمع ہو گئے تو اس کو لایا گیا، اس نے بھرے دربار میں کہا اے گروہ کفار و فجار اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں یہ بات میرے لیے مسرت کا باعث ہوتی اگر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سے قتل ہوتا کیوں کہ میں تم لوگوں کو بدترین خلائق سمجھتا ہوں، کاش! اس وقت بھی تلوار میرے ہاتھ میں ہوتی اور میں تھوڑی دیر تک تمہارا مقابلہ کرتا اس کے بعد اس نے اپنے پاس کھڑے ہوئے ابن کامل کی آنکھ پر مکا مارا۔ ابن کامل نے ہنس کر اس کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیزوں سے زخمی کیا ہے، اب اس کے بارے میں آپ ہمیں حکم دیجیے۔ مختار نے کہا نیزے لاؤ اور اس کو نیزوں سے گھائل کر دو، چناں چہ اس کو نیزے مار مار کے ہلاک کر دیا گیا۔ (طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۲۹، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۹۵)

موسیٰ بن عامر فرماتے ہیں:

ان المختار قال لهم اطلبوا الى قتلة الحسين فانه لا يسوغ لى الطعام والشراب حتى اطهر الارض منهم و انقى المصر منهم (طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۲۴)	بے شک مختار نے کہا قاتلان حسین کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ کیوں کہ جب تک میں ان کے ناپاک وجود سے پوری زمین اور شہر کو پاک نہ کر دوں گا مجھے کھانا پینا اچھا نہیں لگتا۔

مختار کے اس جذبے اور خون حسین کے انتقام لینے کی وجہ سے عوام و خواص کثیر تعداد میں اس کے ساتھ اور اس کے معتقد ہو گئے تھے۔ مختار جب عمرو بن سعد، شمر ذی الجوشن اور خولی بن یزید وغیرہ جیسے اشقیاء کے قتل سے فارغ ہوا تو اب اس کو ابن زیاد بدنہاد کی فکر ہوئی کیوں کہ واقعہ کربلا کی یزید کے بعد سب سے زیادہ ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس بدبخت کا وجود اس کو بہت زیادہ کھٹکتا تھا، جب تک وہ اس کو ختم نہ کر لیتا اس کو کیسے چین آ سکتا تھا۔ چناں چہ اس نے ابراہیم بن مالک اشتر کو ایک زبردست اور تجربہ کار فوج کثیر کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ ادھر ابن زیاد کو بھی معلوم ہوا تو وہ بھی لشکر کثیر کے ساتھ مقابلہ کے لیے آیا۔ شہر موصل سے پانچ کوس کے فاصلے پر دریا کے کنارے پر دونوں لشکروں کے

درمیان خوب جنگ ہوئی۔ آخر شدید جنگ کے بعد ابن زیاد کے لشکر کو شکست ہوئی شکست خوردہ لشکر مع ابن زیاد بھاگا۔ ابراہیم اشتر نے ان کا تعاقب کرنے اور ان کو مارنے کا حکم دیا۔ چناں چہ ابن زیاد کے بہت سے لوگ مارے گئے اور خود یہ بدنہاد بھی مارا گیا ابراہیم نے اس کا سر جسم سے جدا کیا اور لاش کو جلا دیا ۔

وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے   اے خاک بتا زور عبید آج کہاں ہے

جب ابن زیاد کا سر کوفہ میں آیا تو مختار نے دربار عام کیا اور ابن زیاد کے سر کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب سر پیش ہوا تو اتفاق سے اس دن بھی ۶۷ھ کا یوم عاشورہ تھا۔ مختار نے کوفیوں سے کہا دیکھو آج سے چھ سال پہلے اسی جگہ اس بدبخت کے سامنے حضرت حسین کا سر پیش ہوا تھا اور آج اس کا سر میرے سامنے رکھا ہے۔ میں نے خون حسین کا بدلہ لینے میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

ابن زیاد بدنہاد اور دیگر رؤساء کے سروں کو بہ طور نمائش کے ایک جگہ رکھا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک پتلا سانپ آیا اور اس نے سب سروں کو دیکھا اور پھر ابن زیاد کے مونھ میں داخل ہو کر ناک کے نتھنے سے اور ناک سے داخل ہو کر مونھ سے نکلا اور کئی مرتبہ ایسا کیا۔ چناں چہ حضرت عمارہ بن عمیر فرماتے ہیں کہ

لما جیء براس عبیداللہ بن زیاد و اصحابہ نضدت فی المسجد فی الرحبۃ فانتھیت الیھم وھم یقولون قد جاء ت قد جاء ت فاذاحیۃ قد جاءت تخلل الرؤس حتی دخلت فی منخری عبیداللہ بن زیاد فمکثت ھنیھۃ ثم خرجت فذھبت حتی تغیبت ثم قالوا قد جاء ت قد جاءت ففعلت ذلك مرتین او ثلاثا ھذا حدیث حسن

جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو مسجد کے میدان میں ترتیب سے رکھے گئے۔ میں جب ان کے قریب پہنچا وہاں جو لوگ تھے وہ کہہ رہے تھے وہ آ گیا وہ آ گیا تو اچانک ایک سانپ آیا اور وہ سروں پر پھرنے لگا۔ حتیٰ کہ عبیداللہ بن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہو گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر نکلا اور چلا گیا یہاں تک کہ وہ

صحیح

(ترمذی شریف: ۳۷۸۰، باب المناقب)

غائب ہو گیا۔ پھر لوگ کہنے لگے وہ آ گیا وہ آ گیا پس اس سانپ نے اس طرح دو تین بار کیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ:

قالت مرجانة لابنها عبيدالله بعد قتل الحسين يا خبيث قتلت ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ترى والله الجنة ابدا (تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۳۵۷، ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۰۳)

حضرت حسین کی شہادت کے بعد مرجانہ (ابن زیاد کی ماں) نے اپنے بیٹے عبیداللہ سے کہا او خبیث تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو قتل کیا ہے خدا کی قسم تو کبھی بھی جنت کو نہیں دیکھے گا۔

ابن زیاد کے قتل کے وقت ابن مفرغ نے یہ اشعار کہے ؎

ان المنايا اذا مازرن طاغية هتكن استار حجاب وابواب

جب موتیں کسی ظالم وجابر کے پاس آتی ہیں تو وہ حاجبوں اور دروازوں کے پردے چاک کر دیتی ہیں یعنی رسوا کر دیتی ہیں۔

اقول بعدا و سحقا عند مصرعه لابن الخبيثة و ابن الكودن الكابي

میں اس خبیثہ کے بچے اور اس فرومایہ وناکس کے بچے کی موت کے وقت کہتا ہوں کہ شکر ہے وہ ہلاک ہوا۔

لا تقبل الارض موتاهم اذا قبروا وكيف تقبل رجسا بين الثواب

تو (ان بدبختوں میں سے ہے) جن کے مُردوں کو دفن کے وقت زمین بھی قبول نہیں کرتی اور ملبوس نجاست وغلاظت کو کیسے قبول کرے۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۰۳)

عمیر بن الحباب السلمی نے لشکر ابن زیاد کی مذمت میں کہا ؎

وما كان جيش بجمع الخمر والزنا محلا اذا لا فى العدو لينصرا

وہ لشکر جو اپنے قیام کے دوران شراب نوشی اور زنا کو جمع کرے وہ طاقت ور دشمن کے مقابلے میں فتح مند نہیں ہو سکتا۔ (ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۱۰۴)

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

حقیقت یہ ہے کہ مختار نے شہدائے کربلا کے مقدس خون کا خوب بدلہ لیا۔ ہزاروں دشمنان اہل بیت کو تہ تیغ کیا اور چن چن کر قاتلوں کو واصل بہ جہنم کیا اور کسی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہ کی۔ یہاں تک کہ شمر ملعون جو ایک روایت کے مطابق اس کا بہنوئی تھا اور شمر کا بیٹا جو اس کا بھانجا تھا اس کی گردن مارنے کا بھی حکم دیا۔ جب اس نے یہ عذر پیش کیا کہ میں تو معرکہ کربلا میں شریک ہی نہ تھا میرا کیا قصور ہے؟ تو مختار نے کہا بے شک تو شریک نہ تھا مگر تو فخر کیا کرتا تھا کہ میرے باپ نے حسین کو قتل کیا ہے۔

مختار کا دعویٰ نبوت

مختار نے قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو شان دار کردار ادا کیا تھا افسوس کہ وہ اس عظیم نیکی کو اپنے حق میں قائم نہ رکھ سکا اور اس پر شقاوت ازلی غالب ہوئی اور اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ میرے پاس جبریل امین وحی لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ (معاذ اللہ)۔ اور اس کے کذاب ہونے کی خبر حضور اکرم عالم ما کان وما یکون صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی کہ سیکون فی ثقیف کذاب و مبیر (ترمذی: ۳۹۴۴، کنز العمال: ۳۸۳۶۶، ۳۸۳۸۹)۔ بے شک عنقریب ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاک کرنے والا ہوگا چناں چہ ترمذی شریف میں تو باب ماجاء فی ثقیف کذاب و مبیر قائم ہے اور صحیح مسلم شریف میں بھی حدیث موجود ہے۔ (مسلم: ۲۲۹-۲۵۴۵) شارحین حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ثقیف کے کذاب سے مراد مختار اور مبیر سے مراد حجاج بن یوسف ہے۔ حضرت ابوبکر بن شیبہ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مختار کہتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے فرمایا سچ کہتا ہے پھر یہ آیت پڑھی اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ ''کہ بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کیا کرتے ہیں'' (انعام: ۱۲۱)۔ کذا فی عقد الفرید

مختار نے احنف بن قیس کو خط لکھا کہ تم اپنی قوم کو دوزخ کی طرف لے جا رہے ہو۔ جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ وقد بلغنی انکم تکذبونی فان کذبت فقد کذبت رسلی

من قبلی ولست بخیر منهم۔ اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم لوگ میری تکذیب کرتے ہو تو اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو مجھ سے پہلے رسولوں کی بھی تو تکذیب کی گئی ہے اور میں ان سے بہتر نہیں۔ (طبری، جلد ۷، صفحہ ۱۳۲، البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۷۵)

عیسیٰ بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر (حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ) سے مختار کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کو دیکھا کہ کعبۃ اللہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے مختار پر لعنت کر رہے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا اللہ مجھے آپ پر نثار کرے، آپ اس شخص پر لعنت کر رہے ہیں جو آپ ہی لوگوں کے معاملے میں ذبح کیا گیا، آپ نے فرمایا انه کان کذابا یکذب علی اللہ و علی رسوله، بلاشبہ وہ کذاب تھا کیوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۵، صفحہ ۲۱۳)

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وفی ایام الزبیر کان خروج المختار الکذاب الذی ادعی النبوۃ فجھز ابن الزبیر لقتاله الی ان ظفر به فی سنة سبع و ستین و قتله لعنة اللہ

(تاریخ الخلفاء، صفحہ ۸۲)

اور عبداللہ بن زبیر کی خلافت کے ایام میں مختار کذاب نے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، خروج کیا تو ابن زبیر نے اس کے مقابلہ کے لیے ۶۷ھ میں لشکر تیار کر کے بھیجا جس نے اس ملعون کو شکست دے کر قتل کیا۔

ساحل کو دیکھ دیکھ کے یوں مطمئن نہ ہو
کتنے سفینے ڈوبے ہیں ساحل کے پاس بھی

بعض لوگ جب اس قسم کی کوئی بات سنتے یا پڑھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے منتخب کیا، وہ گمراہ، کذاب اور ملعون کیسے ہو سکتا ہے؟ ملعون و کذاب کو بھی کیا ایسا شان دار کارنامہ ادا کرنے کی توفیق حاصل ہو سکتی ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ایسا ہونا شرعاً یا عقلاً کسی طرح بھی محال اور ناممکن نہیں۔ دیکھیے ابلیس لعین کتنا بڑا عابد و زاہد اور عالم و فاضل تھا

بالآخر ملعون ہو گیا۔ بلعم بن باعور کا واقعہ دیکھ لیجئے کیسا عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات تھا۔ آخر قعر مذلت میں گر گیا اور کتے کی شکل میں دوزخ میں جائے گا۔ اسی طرح بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے بڑے بڑے شان دار کارنامے انجام دیئے اور آخر میں قسمت کی بدنصیبی کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہوئے۔

یہ ناچیز مولف عرض کرتا ہے کہ جہاں تک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کے انتقام کا تعلق ہے اگر آپ گزشتہ سطور میں پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی فرمائی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے قتل کے عوض ستر ہزار افراد مارے تھے اور تمہارے نواسے کے عوض ان سے دوگنا ماروں گا تو تاریخ شاہد ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کے خون ناحق کا بدلہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخت نصر جیسے ظالم، بدترین خلائق کو مقرر فرمایا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ اسی طرح حضرت امام کے خون ناحق کا بدلہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختار ثقفی جیسا کذاب بدترین خلق مقرر فرمایا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ (انعام) اور اسی طرح ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض (ظالموں) پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے۔ یعنی ظالموں کو ہی ظالموں پر مسلط کر کے پھر ظالموں کے ہاتھوں سے ظالموں کو ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کرتے ہیں چناں عرب کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

وما من ید الاید اللہ فوقها ولا الظالم الا سیبلی بظالم

اور نہیں ہے کوئی ہاتھ یعنی کوئی طاقت مگر اس کے اوپر اللہ کا ہاتھ یعنی اللہ کی طاقت ہے اور نہیں ہے کوئی ظالم مگر وہ کسی دوسرے ظالم کے سبب رنج و مصیبت میں مبتلا ہوگا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر (بخاری: ۶۶۰۶، سراج منیر شرح جامع صغیر، جلد ا صفحہ ۳۷۱) بے شک اللہ اس دین اسلام کی مدد فاجر یعنی بدکار آدمی کے ذریعہ سے بھی کرالیتا ہے۔

☆☆☆

فضیلت عاشورا

عاشورا، عشر سے مشتق ہے اور عشر کے معنی دس عدد کے ہیں۔ عاشورا سے مراد ماہ محرم کا دسواں دن ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس دن کو عاشورا اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ نے دس نبیوں پر دس کرامتوں کا انعام فرمایا ہے۔ اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی پر رکی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی اور فرعون غرق ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن وہ آسمان پر اٹھائے گئے، حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے خلاصی ملی اور اسی دن ان کی امت کا قصور معاف ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے نکالے گئے، حضرت ایوب علیہ السلام کو مشہور بیماری سے صحت حاصل ہوئی۔ حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن ان پر آگ گلزار ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا۔

علاوہ ازیں اور بھی انعامات و کرامات اور واقعات اس دن میں ہوئے جو شارحین حدیث اور علماء تاریخ وسیر نے نقل فرمائے ہیں۔ ثابت ہوا کہ یوم عاشورا واقعہ کربلا سے پہلے بھی مکرم و معظم دن سمجھا جاتا تھا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت بھی ۱۰ محرم دن بروز جمعہ یوم عاشورا ہی آئے گی۔ (غنیۃ الطالبین ملخصاً)

اعمال عاشورا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورا (محرم) کے
بصوم عاشوراء یوم العاشر	دسویں دن کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

(ترمذی شریف: ۷۵۵)

عاشورہ محرم کے روزے کی بہت فضیلت اور اجر وثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

افضل الصیام بعد رمضان شہر اللہ المحرم

''کہ رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں''۔

(مسلم شریف:۲۷۵۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری صیام یوم فضلہ علی غیرہ الا ھذا الیوم، یوم عاشوراء

''کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا کہ آپ کسی دن کے روزے کو دوسرے دنوں پر فضیلت دے کر تلاش کرتے ہوں، سوائے یوم عاشورا کے۔ عاشورے کے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں''۔ (بخاری:۲۰۰۶، مسلم:۲۶۶۲)

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

وصیام یوم عاشوراء احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ

''یوم عاشورا کا روزہ میں اللہ کے فضل وکرم سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ اس کو گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بنادے''۔ (مسلم شریف:۲۷۴۶)

اور علماء نے لکھا ہے کہ اس دن وحشی جانور بھی روزہ رکھتے ہیں۔

ف: چوں کہ اس دن یہود بھی روزہ رکھتے تھے اس لیے کہ اس دن ان کو ان کے دشمن ظالم فرعون سے نجات ملی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ یہود کی مخالفت کرو اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ تنہا دسویں کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ نویں کا بھی رکھا جائے یعنی دو روزے رکھے جائیں تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت نہ رہے اور نویں کے روزہ کے بارے میں حدیث بھی موجود ہے۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

من صام اول جمعۃ من المحرم	جو محرم کے پہلے جمعۃ المبارک کا روزہ
غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ومن صام	رکھے اس کے پچھلے سب گناہ بخش دیئے

ثلاثة ایام من المحرم الخمیس والجمعة والسبت کتب اللہ لہ عبادة تسعمائة عام (نزہۃ المجالس، جلد ۱، صفحہ ۱۷۶)

جاتے ہیں اور جو محرم کے تین دن یعنی جمعرات، جمعہ، ہفتہ کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نوسو سال کی عبادت (کا ثواب) لکھ دیتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

من صام ایام العشر الی عاشوراء اورث الفردوس الاعلیٰ (نزہۃ المجالس، جلد ۱، صفحہ ۱۷۷)

جو محرم کے پہلے دس دنوں کے روزے رکھے وہ فردوس اعلیٰ کا وارث ہو جاتا ہے۔

سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام والمسلمین قطب الاقطاب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ نے عاشورے کے روزے کی فضیلت کے بارے میں فرمایا:

کہ در روزہ عاشورا آہوان دشتی بدوستی خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرزندان خود راشیر نمید ہند پس چرا باشد کہ روزہ رانگاہ ندارند (راحت القلوب، صفحہ ۵۸)

کہ عاشورا کے روزے میں جنگل کی ہرنیاں بھی خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دوستی کے سبب اپنے بچوں کو دودھ نہیں دیتیں پس کیوں اس روزے کو چھوڑا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

من صلی یوم عاشوراء اربع رکعات یقرء فی کل رکعة فاتحة الکتاب و قل ھو اللہ احد احدی عشرة مرة غفر اللہ لہ ذنوب خمسین عاما و بنی لہ منبرا من نور (نزہۃ المجالس، جلد ۱، صفحہ ۱۷۸)

جو عاشورے کے دن چار رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کے لیے نور کا منبر بنا تا ہے۔

اور فرمایا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے:

من وسع علی عیاله واهله یوم عاشوراء وسع الله علیه فی سائر سنته (بیہقی شعب الایمان:۳۵۱۳، نزہۃ المجالس، جلد۱، صفحہ ۱۷۸)

جو عاشورے کے دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کرے (طعام وغیرہ کی) اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال میں وسعت فرماتا ہے۔

مصر میں ایک شخص تھا جس کے پاس ایک کپڑے کے سوا کچھ نہ تھا اس نے عاشورے کے دن مسجد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں صبح کی نماز پڑھی وہاں قاعدہ یہ تھا کہ عاشورے کے دن عورتیں اس مسجد میں دعا کرنے کے لیے جایا کرتی تھیں تو ایک عورت نے اس شخص سے کہا کہ اللہ مجھے کچھ بال بچوں کے لیے دو؟ اس شخص نے کہا اچھا میرے ساتھ چلو۔ گھر میں جا کر وہ کپڑا اتارا اور دروازے کی دراز سے اس عورت کو دے دیا اس عورت نے دعا دی کہ اللہ تجھے جنت کے حلّے پہنائے۔

فرای تلك اللیلة فی المنام حوراء جمیلة و معها تفاحة لها رائحة طیبة فکسرها فوجد فیها حلة فقال لها من انت قالت انا عاشوراء زوجتك فی الجنة فاستیقظ فوجد البیت قد فاح فیه ریح طیبة فتوضاء وصلی رکعتین وقال اللهم ان کانت زوجتی حقا فی الجنة فاقبضنی الیك فاستجاب الله دعاءه و مات فی الحال (نزہۃ المجالس، جلد۱، صفحہ ۱۷۸)

اسی رات اس شخص نے خواب میں ایک نہایت خوب صورت حور دیکھی جس کے پاس ایک خوش بو دار سیب تھا اس نے سیب کو توڑا تو اس میں ایک حلّہ پایا۔ اس شخص نے اس حور سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں عاشورا ہوں جنت میں تیری زوجہ! پھر وہ شخص جاگ پڑا اور سارے گھر کو خوش بو سے مہکتا پایا۔ وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور دعا کی اے اللہ اگر واقعی وہ جنت میں میری زوجہ ہے تو میری روح قبض کر لے اور مجھے اس کے پاس پہنچا دے۔ اللہ نے اس کی دعا قبول کی اور وہ اسی وقت مر گیا۔

پہنچا مریض اپنے مسیحا کے پاس

امام عبداللہ یافعی مکی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ شہر ''رے'' (تہران) میں ایک بڑا امیر قاضی تھا، اس کے پاس عاشورے کے دن ایک فقیر آیا اور اس نے قاضی سے کہا: اللہ آپ کو عزت دے، میں ایک فقیر اہل وعیال والا ہوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اس دن کی حرمت وعزت کے صدقہ میں مجھے دس من آٹا، پانچ من گوشت اور دو درہم دے قاضی نے ظہر کے وقت دینے کا وعدہ کیا، وہ فقیر ظہر کے وقت آیا۔ قاضی نے کہا عصر کے وقت دوں گا۔ جب عصر کا وقت آیا تو اس نے فقیر کو ٹال دیا اور کچھ بھی نہ دیا۔ فقیر شکستہ دل ہو کر چلا۔ راستہ میں ایک نصرانی اپنے مکان کے دروازے میں بیٹھا ہوا تھا۔ فقیر نے اس سے کہا اس دن کی عزت وحرمت کے صدقہ میں مجھے کچھ عطا کیجئے۔ نصرانی نے کہا اس دن کی خصوصیت کیا ہے؟ فقیر نے اس دن کی عزت وحرمت بیان کی (اور بتایا کہ یہ دن انبیاء کرام پر انعامات اور فرزند رسول، دل بند بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دن ہے) نصرانی نے فقیر سے کہا کہ تم نے اپنی حاجت کے سلسلہ میں بہت بڑے عظیم دن کی حرمت کا واسطہ اور قسم دی ہے لہٰذا اپنی حاجت بیان کرو۔ فقیر نے وہی آٹے گوشت اور درہموں کا سوال کیا۔ نصرانی نے دس بوری گندم، اڑھائی من گوشت اور بیس درہم دے کر کہا کہ یہ تیرے اور تیرے عیال کے لیے ہے اور جب تک میں زندہ ہوں اس ماہ کے اس دن کی کرامت کی وجہ سے ہر سال اتنا لے جایا کرو۔ فقیر یہ سب کچھ لے کر اپنے گھر چلا گیا جب رات ہوئی اور وہ قاضی سویا تو اس نے خواب میں ہاتف غیبی سے سنا کہ اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھو، قاضی نے سر اٹھا کر دیکھا تو دو محل تھے۔ ایک کی دیواریں سونے چاندی کی تھیں اور دوسرا سرخ یاقوت کا۔ قاضی نے کہا، یاالٰہی! یہ دونوں محل کس کے ہیں؟

فقیل له هذان کانا لك لو قضیت حاجة الفقیر فلما رددته صار الفلان النصرانی فانتبه القاضی مرعوبا ینادی	اس کو کہا گیا یہ دونوں تیرے لیے تھے اگر تو فقیر کی حاجت پوری کر دیتا۔ پس جب تو نے اس کو رد کر دیا تو اب یہ دونوں محل

بالويل الثبور فغدا الى النصرانى فقال له ماذا فعلت البارحة من الخير فقال له و كيف ذلك فذ كر له الرؤياء ثم قال له يعنى الجميل الذى عملته مع الفقير بمائة الف فقال له النصرانى انى لا ابيع ذلك بملء الارض كلها ما احسن المعاملة مع هذا الرب الكريم اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله وان دينه هو الحق

(روض الریاحین، صفحہ ۱۵۱)

فلاں نصرانی کے ہو گئے ہیں۔ قاضی گھبرا نیند سے چونک پڑا اور ہائے ہائے کرنے لگا۔ صبح کو نصرانی کے پاس آ کر کہا تو نے گزشتہ رات کیا نیکی کی ہے؟ اس نے وجہ سوال پوچھی۔ قاضی نے اپنا خواب بتایا اور کہا تو اپنی اس اچھی نیکی جو تو نے فقیر کے ساتھ کی ہے میرے ہاتھ سو ہزار درہم کے عوض بیچ دے نصرانی نے کہا اگر کوئی زمین بھر درہم بھی دے تب بھی میں اس کو نہ بیچوں گا یہ کتنا اچھا معاملہ رب کریم کے ساتھ ہوا ہے یہ کہہ کر وہ نصرانی کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہا بلاشبہ یہ دین سچا ہے۔

ایک شخص نے بعض علماء سے سنا کہ اگر کوئی عاشورہ کے دن ایک درہم صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کو ایک ہزار درہم دے گا۔ اس شخص نے سات درہم صدقہ کیے تھے۔ ایک سال کے بعد پھر کسی عالم سے سنا تو کہنے لگا یہ صحیح نہیں ہے۔ میں نے سات درہم صدقہ کیے تھے ایک سال ہو گیا ہے مجھے تو اس کے بدلے میں ایک کوڑی بھی نہیں ملی یہ کہہ کر چلا گیا رات کو اس کے دروازہ پر کسی نے آواز دی وہ باہر آیا تو آواز دینے والے نے کہا اے جھوٹے یہ لے سات ہزار درہم اگر تو قیامت تک صبر کرتا تو نہ معلوم کتنی جزا پاتا۔

(روض الافکار)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عاشورا کے دن روزہ رکھنا، صدقہ و خیرات کرنا، نوافل پڑھنا اور ذکر واذکار وغیرہ کرنا بہت ہی فضیلت اور اجر وثواب کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا کہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نواسا اور جنت کے نوجوانوں کا

سردار بھی اسی برگزیدہ اور مبارک دن میں شہادت عظمیٰ کا مرتبہ حاصل کرے☆۔

یاد رکھیے اس دن میں حضرت امام پاک رضی اللہ عنہ پر جو مصائب و آلام آئے وہ ان کے درجات کی بلندی اور مقام کی رفعت کا سبب بنے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی بے مثال قربانی سے، جو انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسلام کی بقا کے لیے دی اور فسق و فجور کے خلاف حق وصداقت کی آواز بلند کی اور لرزا دینے والے مصائب کے باوجود بھی حق پر ثابت قدم رہے، سبق اور عبرت حاصل کریں اور حق وصداقت پر قائم رہنے اور اللہ کی رضا اور اسلام کی بقا کے لیے قربانی دینا اپنا شیوہ وطریقہ بنائیں اور اس دن میں نیکی و بھلائی میں کثرت کریں اور ایسے اقوال و افعال سے اجتناب کریں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

☆۔ چودھویں صدی کے اس پرفتن دور میں دشمنانِ اہل بیت خوارج نے اہل بیت رسول سے اپنے بغض وعناد، عداوت اور خبث باطن کے اظہار میں اس قدر زیادتی کردی ہے کہ خدا کی پناہ!

امت میں فتنہ وفساد اور انتشار وافتراق پھیلانے والے اس گروہ شریر نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ دس محرم یوم عاشورا عقیدت و محبت کے ساتھ نواسۂ رسول سیدنا امام حسین کی یاد اور سانحہ کربلا کا غم منانے کا دن نہیں بلکہ خوشی کا دن ہے اور ایسی فضیلت کا دن ہے کہ اس میں شادیاں کرنی چاہئیں۔ چناں چہ سننے میں آیا ہے کہ اس گروہ بد نے اس پر عمل کرتے ہوئے اس دن شادیاں رچانی شروع کردی ہیں۔ یقیناً یہ اہل بیت رسول کا بغض نہیں تو اور کیا ہے؟ کائنات کی ابتداء سے انتہا تک عاشورا بہت فضیلت والا دن ہے۔ فضیلت عاشورا اور اعمال عاشورا کے عنوانات کے تحت جلیل القدر بزرگوں کی روایات اور حوالے آپ کی نظر سے گزرے ہیں۔ کوئی مسلمان جس کے دل میں آل رسول کی تھوڑی سی محبت اور تعظیم بھی ہوگی وہ اہل بیت رسول پر ڈھائے جانے والے شدید ترین مصائب پڑھ کر یا سن کر انسانیت ہی کے ناتے مغموم ضرور ہوگا اور یزیدی سفاکانہ ظلم وستم پر افسوس بھی کرے گا اور ایسے عظیم سانحے کے دن میں وہ اگر ان کی یاد میں فاتحہ خوانی یا صدقہ وخیرات وغیرہ سے ایصال ثواب نہ بھی کرے تو کم از کم کوئی ایسا کام بھی نہیں کرے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ اسے اس سانحے سے کوئی خوشی پہنچی ہے۔ پڑوس میں، عزیز و اقارب میں کوئی حادثہ ہو جائے تو خواہ کتنی فضیلت والا دن کیوں نہ ہو ایسی تقاریب ملتوی کر دی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت ہر مسلمان کو اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ومحترم اور محبوب ہونی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کی محبت تو ہم پر واجب ہے۔ محبوب کے غم پر خوشی یقیناً اچھا فعل نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آل رسول پر ہونے والے ظلم وستم سے جو لوگ خوش ہوئے ان کا انجام اس دنیا میں بھی برا ہوا اور آخرت کا عذاب ابھی باقی ہے۔ یوم عاشورا کو شادیاں رچانا بغض اہل بیت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی بے ادبی اور گستاخی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی اور تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ البتہ ان کی شہادت اور ان پر آنے والے آلام و مصائب کے ذکر کے وقت اگر درد و محبت کے بسبب آنسو آ جائیں اور گریہ طاری ہو جائے تو یہ محمود اور مستحسن ہے اور عین سعادت ہے۔ لیکن سینہ کوبی وغیرہ نہ کرنا چاہیے کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

ذکر شہادت پر آنسو بہانا

شروع صفحات میں احادیث گزر چکی ہیں کہ جب جبریل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی تو آپ نے یہ خبر سن کر آنسو بہائے ☆۔ اور شہادت کے روز بھی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں روتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے فرمایا میں ابھی اپنے بیٹے حسین کی شہادت گاہ میں گیا تھا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سرکار دو عالم کے قلب اقدس کو کس قدر رنج و غم پہنچا ہوگا۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب سفر صفین سے واپسی کے موقع پر زمین کربلا سے گزرے تھے آپ نے بھی روتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس میدان میں کتنے جوانان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوں گے اور ان پر زمین و آسمان روئیں گے۔ شہادت کے وقت بھی زمین و آسمان کا خون کے آنسو رونا اور جنوں کا نوحہ کرنا اور مرثیہ خوانی کرنا ذکر شہادت میں بیان ہوا ہے۔ علاوہ ازیں تین روز تک دنیا کا تاریک ہو جانا اور آسمان کا سرخ ہو جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ واقعہ اس قدر درد انگیز اور الم ناک تھا جس نے ہر ایک کو تڑپا کے رکھ دیا تھا۔ قطب الاقطاب، غوث الثقلین، محبوب سبحانی

☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہادت حسین سے تقریباً ۵۷ برس قبل صرف خبر شہادت سن کر اس کے تصور ہی سے اشک بار ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ شہادت کے ذکر پر بغیر بناوٹ و تصنع کے درد و محبت سے صرف آنسو بہانا بھی آپ کی سنت اور باعث اجر و ثواب ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کون سا سنّی ہوگا جسے واقعہ ہائلہ کربلا کا غم نہیں یا اس کی یاد سے اس کا دل محزون اور آنکھ پُرنم نہیں، ہاں مصائب میں ہم کو صبر کا حکم فرمایا ہے، جزع فزع کو شریعت منع فرماتی ہے اور جسے دل میں غم نہ ہو اسے جھوٹا اظہارِ غم ریاء ہے اور قصداً غم آوری و غم پروری خلافِ رضا ہے، جسے اس کا غم نہ ہو اُسے بے غم نہ رہنا چاہیے بلکہ اس غم نہ ہونے کا غم چاہیے کہ اس کی محبت ناقص ہے اور جس کی محبت ناقص اس کا ایمان ناقص۔ واللہ تعالیٰ اعلم، (فتاویٰ رضویہ، ص488، ج24)

سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب غنیۃ الطالبین میں ہے۔

عن خمرۃ بن الزیات قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابراھیم الخلیل علیہ السلام فی المنام یصلیان علی قبر الحسین بن علی

حضرت خمرہ بن زیات فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ دونوں حضرت حسین بن علی کی قبر پر نماز (جنازہ) پڑھ رہے ہیں۔

اور اسی میں ہے کہ حضرت اسامہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ:

ھبط علی قبر الحسین بن علی رضی اللہ عنہ یوم اصیب سبعون الف ملك یبکون علیہ الی یوم القیامۃ

(غنیۃ الطالبین، صفحہ ۴۳۲)

جس دن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں اس دن سے ستر ہزار فرشتے ان کی قبر پر اترتے ہیں جوان پر قیامت تک روتے رہیں گے۔

سلطان الاولیاء حضرت سیدنا خواجہ محمد نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں ماہ محرم شریف ۶۵۶ھ میں سلطان المشائخ، شیخ الشیوخ العالم، برہان الحقیقۃ، سید العابدین، بدر العارفین، عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، تاج الاصفیاء سراج الاولیاء، برہان الشرع والدین، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے عاشورہ کے غرہ متبرکہ کی فضیلت میں فرمایا

دریں عشرہ در چیز دیگر مشغول نمی باید شد مگر در اطاعت وتلاوت ودعا ونماز کہ آمدہ است مشغول گردو انیرا کہ دریں عشرہ قہر میرو دو رحمت بسیار نازل میشود...... بعد ازاں فرمود کہ نمیدانی دریں عشرہ بر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چہ گزشتہ وفرزندان اورا چگونہ

اس عشرہ میں کسی اور کام میں مشغول نہیں ہونا چاہیے سوائے اطاعت، تلاوت دعا و نماز وغیرہ کے اس واسطے کہ اس عشرہ میں قہر الٰہی بھی ہوا ہے اور بہت رحمت الٰہی بھی نازل ہوتی ہے بعد ازاں فرمایا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس عشرہ میں حضور سرور

زار زار کشتہ او بعضے در تشنگی ہلاک شدہ اند کہ قطرہ آب آں بدبختاں بداں خداوند زادگان ندادند چوں شیخ الاسلام دریں سخن رسیدہ نعرہ بزد و بیفتا و چوں بہ ہوش باز آمد گفت زہی سنگدلان و زہی کافران و بے عاقبتان و بے سعادتان و نامہربان کہ دائم و قائم میدانند کہ ایشاں فرزندان بادشاہ دین و دنیا و آخرت اند و زار زاری کشتند ایں قدر بخاطر ایں ہا نمیگزر د کہ فردائے قیامت بر خواجہ عالم چہ خواہیم نمود (راحۃ القلوب، صفحہ ۵۷)

عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کیا گزری؟ اور آپ کے فرزندوں کو کس طرح بے رحمی سے شہید کیا گیا بعض پیاس کی حالت میں ہلاک ہوئے کہ ان بدبختوں نے ان اللہ کے پیاروں کو پانی کا ایک قطرہ تک نہ دیا جب شیخ الاسلام نے یہ بات فرمائی تو ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو فرمایا کیسے سنگ دل، کافر بے عاقبت، بے سعادت اور نامہربان تھے حالاں کہ انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ دین و دنیا اور آخرت کے بادشاہ کے فرزند ہیں پھر بھی انہیں بڑی بے رحمی سے شہید کیا اور انہیں یہ خیال نہ آیا کہ کل قیامت کے دن حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا مونھ دکھائیں گے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن امیر خسرو نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محرم کی ۵ تاریخ ۶۹۱ھ کو سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

دوران ارشادات حضرت خواجہ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے جگر گوشوں کا حال سب کو معلوم ہے کہ ظالموں نے ان کو دشت کربلا میں کس طرح بھوکا پیاسا شہید کیا پھر فرمایا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن سارا جہان تیرہ و تار ہو گیا۔ بجلی چمکنے لگی، آسمان اور زمین جنبش کرنے لگے، فرشتے عقب میں تھے اور بار بار (حق تعالیٰ سے) اجازت طلب کرتے تھے کہ حکم ہو تو تمام ایذاء دہندوں کو ملیا میٹ کر دیں۔ حکم ہوتا کہ تمہیں اس سے کچھ واسطہ نہیں ہے تقدیر یوں ہی ہے میں جانوں اور میرے دوست تمہارا

اس میں دخل نہیں ۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست(☆)

میں قیامت کے دن ان ظالموں کے بارے میں انہیں (اپنے دوست) سے فیصلہ کراؤں گا جو کچھ وہ کہیں گے اسی کے مطابق ہوگا۔(افضل الفوائد، ترجمہ اردو، صفحہ ۷۵)

مجالس محرم کا انعقاد اور ایصال ثواب کی نیت سے نذر و نیاز کرنا سبیل لگانا اور شربت دودھ وغیرہ پلانا

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میری ماں فوت ہوگئی ہے۔

فایُّ الصّدقةِ افضل؟ قال الماء، فحفر بئرا، وقال ھذہ لامّ سعدٍ	تو کون سا صدقہ افضل ہے (جو ماں کے لیے کروں) فرمایا پانی۔ تو انہوں نے کنواں کھدوادیا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے (ابوداؤد:۱۶۸۱)

اس حدیث میں یہ الفاظ ھذہ لام سعد کہ یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے یعنی ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے بنوایا گیا ہے اس سے صراحۃً ثابت ہوا کہ جس کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی صدقہ وخیرات کی جائے اگر اس صدقہ اور خیرات پر نیاز پر مجازی طور پر اس کا نام لیا جائے یعنی یوں کہا جائے کہ یہ سبیل حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کے لیے ہے یا یہ کھانا یا یہ نیاز صحابہ کبار یا اہل بیت اطہار یا حضرت غوث اعظم یا حضرت خواجہ غریب نواز کے لیے ہے تو ہرگز ہرگز اس سبیل کا پانی اور وہ کھانا اور نیاز وغیرہ حرام نہ ہوگا۔ ورنہ پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اس کنویں کا پانی بھی حرام تھا جس کنویں کے پانی کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔ اس کنویں کا پانی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اہل مدینہ کے نزدیک حلال وطیب ہے تو جس سبیل کے پانی کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ امام حسین اور شہداء کربلا رضی اللہ عنہم کے لیے ہے

☆ عاشق اور معشوق کے درمیان ایسا اشارہ اور راز ہے جس کی کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں۔

یا یہ نیاز وغیرہ فلاں کے لیے ہے تو وہ بھی مسلمانوں کے نزدیک حلال وطیب ہے۔

مذہب حنفی کی معتبر ومشہور کتاب ہدایہ شریف میں ہے کہ

ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیر صلوٰتا صوما او غیرھا عند اھل السنة والجماعة

بے شک انسان اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے خواہ نماز کا ہو یا روزہ کا ہو یا صدقہ وخیرات وغیرہ کا ہو یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

حضرت امیر و ذریت طاہرۂ او را تمام امت برمثال پیراں ومرشداں می پرستند وامور تکوینیہ رابایشاں وابستہ میدانند وفاتحہ درود وصدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چناں چہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است (تحفہ اثنا عشریہ، صفحہ ۳۹۶)

حضرت علی اور ان کی اولاد پاک کو تمام افراد امت پیروں و مرشدوں کی طرح چاہتے مانتے ہیں اور تکوینی امور کو ان حضرات کے ساتھ وابستہ جانتے ہیں اور فاتحہ ودرود وصدقات اور نذر و نیاز ان کے نام کی ہمیشہ کرتے ہیں چناں چہ تمام اولیاء اللہ کا یہی حال ہے۔

یہی شاہ صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں

طعامیکہ کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند برآں فاتحہ وقل ودرود خواندن تبرک می شود خوردن او بسیار خوبست

(فتاویٰ عزیزی، صفحہ ۷۵)

وہ کھانا حضرت امام حسن وحسین کی نیاز کے لیے پکایا جائے اور جس پر فاتحہ، قل شریف اور درود پڑھا جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وشیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند و بخورانند مضائقہ نیست جائز است وگر فاتحہ بنام

دودھ، چاول (کھیر) کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکانے اور کھانے میں کوئی

بزرگے دادہ شود اغنیارا ہم خوردن جائز است (زبدۃ النصائح، صفحہ ۱۳۲)

مضائقہ نہیں ہے جائز ہے اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جائے تو مال داروں کو بھی کھانا جائز ہے۔

حضرت شیخ احمد مجد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام محمد شیبانی رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد سے ہیں اور علوم شریعت وطریقت کے جامع اور صاحب ورع وتقویٰ اور ذوق وشوق تھے جن کی ساری زندگی امر معروف اور نہی عن منکر میں گزری ان کے حالات شریفہ میں شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ووی بغایت محبت خاندان نبوت علیہ التحیۃ موصوف بود بر طریقہ پیر خود گویند کہ در عشرۂ عاشورا و دوازدہ از اول ربیع الاول جامۂ نو وجامۂ شستہ نپوشیدی و درلیالی ایں ایام جز برخاک نہ خفتی و در مقابر سادات معتکف شدی و ہر روز بقدر امکان بروح حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بارواح خاندان مطہر توسیع طعام میکرد و چوں روز عاشورا شدی کوزہائی نواز شربت پر کردی و بر سر خود نہادی و بدر خانہ سادات رفتی و یتیماں و فقیران ایشاں را بخورامیندی و دراں ایام کہ چنداں گریستی گویا آں واقعہ در حضور او شدہ است۔ (اخبار الاخیار، صفحہ ۱۸۴)

اور وہ خاندان نبوت علیہ التحیۃ کے ساتھ انتہائی محبت وعقیدت رکھنے میں اپنے پیرو مرشد کے طریقہ پر تھے، کہتے ہیں کہ عشرہ عاشورہ اور ربیع الاول کے پہلے بارہ دنوں میں وہ نئے اور اچھے کپڑے نہ پہنتے اور ان دنوں کی راتوں میں زمین پر ہی سوتے اور مقابر سادات میں اعتکاف کرتے اور ہر روز بہ قدر امکان حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک اور آپ کے خاندان مقدس کی ارواح کو ثواب ہدیہ کرنے کے لیے طعام میں توسیع کرتے۔ اور عاشورا کے دن نئے کوزے شربت سے بھر کر اپنے سر پر رکھ کر سادات کے گھروں میں جاتے اور ان کے یتیموں اور فقیروں کو پلاتے اور ان ایام میں اس

طرح گریہ و بکا کرتے کہ گویا واقعہ کربلا ان کے سامنے ہو رہا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بالفعل جو کچھ معمول اس فقیر کا ہے لکھتا ہے اسی سے قیاس کر لینا چاہیے کہ سال بھر میں دو مجلسیں فقیر کے یہاں ہوتی ہیں ایک مجلس ذکر وفات شریف دوسری مجلس ذکر شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور یہ مجلس بروز عاشورا یا اس سے ایک دو دن پہلے ہوتی ہے قریب چار پانچ سو بلکہ ہزار آدمی یا اس سے بھی زیادہ جمع ہو جاتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ بعد ازاں یہ فقیر آ کر بیٹھتا ہے اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے فضائل جو حدیث شریف میں وارد ہوئے ہیں بیان میں آتے ہیں اور ان بزرگوں کی شہادت کی خبریں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں اور بعضے حالات کی تفصیل اور ان حضرات کے قاتلوں کا بد انجام ذکر کیا جاتا ہے۔

دریں ضمن بعضے مرثیہ ہا کہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شنیدہ اند نیز مذکور میشود و خواب ہائے متوحش کہ حضرت ابن عباس و دیگر صحابہ دیدہ اند و دلالت بر فرط حزن و اندوہ روح مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می کنند مذکور می گردد بعد ازاں ختم قرآن مجید و پنج آیۃ خواندہ بر ما حضر فاتحہ نمودہ می آید و دریں بین اگر شخصے خوش الحان سلام می شود خواند یا مرثیہ مشروع ایں اتفاق می شود ظاہر است کہ دریں بین اکثر حضار مجلس را و ایں فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود ایں است قدرے کہ بہ عمل می آید پس اگر

اس ضمن میں بعض مرثیے جو جن و پری سے حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنے ہیں وہ بھی ذکر کیے جاتے ہیں اور وہ خواب ہائے وحشت ناک ذکر کیے جاتے جو حضرت ابن عباس و دیگر صحابہ نے دیکھے تھے جو دلالت کرتے ہیں روح مبارک جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت رنج و غم پر اس کے بعد قرآن مجید ختم کیا جاتا ہے اور پنج آیت پڑھ کر کھانے کی جو چیز موجود ہوتی ہے اس پر فاتحہ کی جاتی ہے اور اس اثناء میں اگر کوئی شخص خوش الحان سلام پڑھتا ہے یا مرثیہ مشروع پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر

ایں چیز ہا نزد فقیر بہمیں وضع کہ مذکور شد جائز نمی بود اقدام برآں اصلاً نمی کرد۔

(فتاویٰ عزیزی، جلد ۱، صفحہ ۱۱۰)

حاضرین مجلس اور اس فقیر کو بھی حالت رقت و گریہ و بکا لاحق ہوتی ہے، اس قدر عمل میں آتا ہے پس اگر یہ سب کچھ جو ذکر کیا گیا ہے فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتا تو فقیر ہرگز اس پر اقدام نہ کرتا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی جو صاحبِ ترجمہ قرآن بھی ہیں ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مقرر کرنا دن اور مہینے کا مولد شریف کے لیے اور لوگوں کے ایک جگہ اکٹھا ہونے کے واسطے ربیع الاول میں اور یوں ہی:

انعقاد مجلس ذکر شہادت امام حسین علیہ السلام در ماہ محرم در روز عاشورا یا غیر آں و شنیدن سلام و مرثیہ مشروع و گریہ و بکا بر حال شہدائے کربلا جائز و درست است۔

انعقاد مجلس ذکر شہادت امام حسین علیہ السلام کی محرم کے مہینے میں عاشورا کے دن یا اس کے سوا اور سننا سلام اور مرثیہ مشروع کا اور گریہ و بکا حال شہدائے کربلا پر جائز اور درست ہے۔

مفتی عبدالحی صاحب لکھنوی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

سوال: مصائب کربلا خیال کردہ واحوال امام تصور یدہ اگر اشکہا از چشم جاری شوند ہیچ مضائقہ دار دیا نہ؟ جواب: ہیچ مضائقہ ندارد و بیہقی و حاکم روایت کردہ کہ چشم مبارک آں سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدیں غم اشکہا ریختہ بود در روز واقعۂ کربلا ابن عباس وام سلمہ رضی اللہ عنہما آں سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را بخواب دیدند پریشان موغبار آلودہ چناں چہ احمد و

سوال: کربلا کے مصائب کا خیال اور امام کے احوال کا تصور کرتے ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟ جواب: کوئی مضائقہ نہیں بیہقی اور حاکم نے روایت کی ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمان مبارک اسی غم سے اشک بار ہوئیں اور واقعہ کربلا کے دن حضرت ابن عباس و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے آں سرور

بیہقی ایں مضمون را روایت کردہ است و ایں گریہ امر غیر اختیاریست۔

(مجموعہ فتویٰ، جلد ۳، صفحہ ۱۲۷)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ پریشان وملول (اور) بال غبار آلودہ تھے چناں چہ اس مضمون کو احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ گریہ غیر اختیاری بات ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت، حکیم الامت علامہ شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جو مجلس ذکر شریف حضرت سیدنا امام حسین و اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی ہو جس میں روایات صحیحہ معتبرہ سے ان کے فضائل ومقامات ومدارج بیان کیے جائیں اور ماتم وتجدید غم وغیرہ امور مخالفہ شرع سے یک سر پاک ہو فی نفسہ حسن ومحمود ہے خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم اگرچہ وہ نظم بوجہ ایک مسدس ہونے کی جس میں ذکر حضرت سید الشہداء ہے عرف حال میں بنام مرثیہ موسوم ہو کہ اب یہ وہ مرثیہ نہیں جس کی نسبت ہے۔

و نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی والله سبحانه و تعالیٰ اعلم۔ (اعالی الافادہ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ، صفحہ ۱۳)

اسی رسالہ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ذکر شہادت شریف جب کہ روایات موضوعہ وکلمات ممنوعہ ونیت نامشروعہ سے خالی ہو عین سعادت ہے۔عند ذکر الصلحین تنزل الرحمة۔

(یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے)۔(ص ۸)

اسی رسالہ میں تیسری جگہ **تعزیہ داری** کے متعلق فرماتے ہیں۔

تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضہ پرنور حضور شہزادۂ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیت تبرک مکان میں رکھنا اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر مکانات وغیرہا ہر غیر جان دار کی بنانا رکھنا سب جائز اور ایسی چیزیں کہ معظمان دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں ان کی تمثال بہ نیت

تبرک پاس رکھنا قطعاً جائز ہے جیسے صدہا سال سے طبقۃً فطبقۃً ائمہ دین وعلمائے معتمدین نعلین شریفین حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشے بناتے اور ان کے فوائد جلیلہ ومنافع جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں جسے اشتباہ ہو امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے۔ مگر جہال بے خرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الاماں الاماں کی صدائیں آئیں اول تو نفس تعزیہ میں روضہ مبارکہ کی نقل ملحوظ نہ رہی ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت پھر کسی میں پریاں کسی میں براق کسی میں اور بے ہودہ طمطراق پھر کوچہ بہ کوچہ ودشت بہ دشت اشاعت غم کے لیے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے کوئی مشغول طواف کوئی سجدے میں گرا ہے کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنّی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے حاجت روا جانتا ہے۔ پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں۔ غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحل عبادت ٹھہرا ہوا تھا ان بے ہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بہ طور خیرات نہ رکھا ریا وتفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اضاعت ہو رہی ہے، مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں اب بہار عشرہ کے پھول کھلے تاشے باجے بجتے چلے طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے جنازے ہیں کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ کر دفن کر دیئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جداگانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثناء کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے

اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے آمین۔ اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز وحرام ہے ہاں اگر اہل اسلام جائز طور پر حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کی سعادت پر اقتصار کرتے تو کس قدر خوب ومحبوب تھا اور اگر نظر شوق ومحبت میں نقل روضہ انور کی حاجت تھی تو اسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرض تبرک وزیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعت غم وتصنع الم ونوحہ زنی و ماتم کنی ودیگر امور شنیعہ و بدعات قطعیہ سے بچتے اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا مگر اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لیے ابتلاء بدعات کا اندیشہ ہے اور حدیث میں آیا ہے:

اتقوا مواضع التهم۔ تہمت کے مواقع سے بچو۔ (احیاء علوم الدین، ص ۳۶ ج ۳، مفاتیح الغیب، ص ۵۹۰ ج ۲۴، اللباب فی علوم الکتاب، ص ۲۴۰ ج ۱۵، شرح سنن ابن ماجہ للسیوطی: ۲۵۵۹) اور وارد ہوا: من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التهم۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز تہمت کے مواقع میں نہ ٹھہرے۔ (فیض القدیر، ۸۳۹، البحر المحیط، ص ۲۸۷ ج ۶، فتح القدیر، ص ۳۴۵ ج ۲، روح المعانی، ص ۷۴۴ ج ۶، لسان المیزان: ۶۷۷)

لہٰذا روضہ اقدس حضور سید الشہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اسے بہ قصد تبرک بے آمیزش منہیات اپنے پاس رکھے جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظّمہ اور روضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں یا دلائل الخیرات شریف میں قبور پرنور کے نقشے لکھے ہیں والسلام علی من اتبع الھدے واللہ تعالیٰ و سبحانہ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ص ۵۱۲ ج ۲۴)

اسی رسالہ میں چوتھی جگہ فرماتے ہیں۔

پانی یا شربت کی سبیل لگانا جب کہ بہ نیت محمود اور خالصاً لوجہ اللہ ثواب رسانی ارواح طیبہ ائمہ اطہار مقصود ہو بلاشبہ بہتر ومستحب و کار ثواب ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اذا کثرت ذنوبك فاسق الماء علی الماء تتناثر کما یتناثر الورق

من الشجرة فی الریح العاصف۔ (کنز العمال:۱۰۱۸۳، جامع الاحادیث: ۲۷۲۷، میزان الاعتدال:۹۲۰۶، تاریخ بغداد:۳۴۱۷)

جب تیرے گناہ زیادہ ہو جائیں تو پانی پر پانی پلا گناہ جھڑ جائیں گے جیسے سخت آندھی میں پیڑ کے پتے (رواہ الخطیب عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۴۴۶۴، ص ۴۰۳ ج ۶)

اسی طرح کھانا کھلانا لنگر بانٹنا بھی مندوب و باعث اجر ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ عزوجل یباھی ملائکۃ بالذین یطعمون الطعام من عبیدہ

اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے جو لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے کہ دیکھو یہ کیسا اچھا کام کر رہے ہیں۔ (رواہ الشیخ فی الثواب عن الحسن مرسلاً)

مگر لنگر لٹانا جسے کہتے ہیں کہ لوگ چھتوں پر بیٹھ کر روٹیاں (وغیرہ) پھینکتے ہیں کچھ ہاتھوں میں آتی ہیں کچھ زمین پر گرتی ہیں کچھ پاؤں کے نیچے آتی ہیں یہ منع ہے کہ اس میں رزق الٰہی کی بے تعظیمی ہے۔ (ص ۱۱)

صبر اور جزع وفزع (☆)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (البقرہ)

اور خوش خبری دے دو صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

☆ جزع فزع: چیخ چلّا کر رونا پیٹنا، واویلا کرنا

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو لوگ بہ وقت مصیبت صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا جینا مرنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے انہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بشارت صلوٰۃ اور رحمت ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ (البقرہ)

''بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ صابروں کو اللہ تعالیٰ کی خاص معیت حاصل ہوتی ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ (الزمر)

کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

اہل اللہ اور اہل ایمان کا طریقہ اور شیوہ صبر کرنا ہی ہے کیوں کہ ان کے معبود برحق اور محبوب حقیقی کو یہی پسند ہے اور بے صبری، شکوہ و شکایت اور جزع و فزع سخت ناپسند ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما من مسلم (ولا مسلمة) يصاب بمصيبة فيذكرها وان طال عهدها فيحدث لذالك استرجاعا الاجدد الله له عند ذالك فاعطاه مثل اجرها يوم اصيب بها (احمد: ۱۷۳۴، ابن ماجہ: ۱۶۰۰، بیہقی، درمنثو، جلد ا، صفحہ ۱۵۶، کنزالعمال: ۶۶۳۴۔ ۶۸۴۰)

کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کو کوئی مصیبت پہنچی ہو اگرچہ اس پر ایک زمانہ گزر چکا ہو اور وہ اس کا ذکر کر کے انا للہ وانا الیہ راجعون کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے اس کو تازہ کر کے اس کو اس دن کی مثل اجر و ثواب عطا فرماتا ہے جس دن اس کو مصیبت پہنچی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما من مصيبة وان تقادم عهدها فيجددلها العبد الاسترجاع الاجدد الله له ثوابها واجرها

نہیں ہے کوئی مصیبت اگرچہ اس کو ایک زمانہ ہو گیا ہو تو بندہ جب اس کو یاد کر کے استرجاع (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ)

(درمنثور، جلد۱، صفحہ ۱۵۶) کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کو نیا اور تازہ کر کے اس کو پھر اس کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضرت امام پاک رضی اللہ عنہ کے ذکر مصائب پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہنے والے کو اس دن کی مصیبت کا سا اجر و ثواب ملتا ہے۔

قارئین حضرات گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ ان اشقیا قاتلوں نے حضرت امام پاک اور آپ کے رفقاء کو شہید کر کے ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا اور گلی کوچوں میں پھرایا تھا علاوہ ازیں یہ بھی آتا ہے کہ شہداء کی کمانوں، ان کے عماموں اور بعض مستورات طیبات کی چادروں اور اوڑھنیوں کو جو انہوں نے لوٹیں تھیں اپنے جھنڈوں پر باندھ کر نقارے اور شادیانے بجاتے ہوئے بہ شکل جلوس دارالامارۃ کی طرف روانہ ہوئے تھے اس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت اطہار کے متبرک ناموں کو بہ طور ہتک گلی بازاروں میں لیے پھرنا اور علموں کو بلند کر کے نقارے وغیرہ بجانا بہت بری بات ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ یزیدیوں کا شعار ہے۔ اسی طرح سیاہ کپڑے پہننا، کپڑوں کا پھاڑنا، گریبان چاک کرنا، بال بکھیرنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ کوبی اور رانوں پر ہاتھ مارنا اور گھوڑا اور تعزیہ وغیرہ نکالنا یہ سب ناجائز حرام اور باطل ہیں۔ اگر یہ باتیں جائز، دلیل محبت اور باعث ثواب ہوتیں تو حضرت امام زین العابدین یا دیگر ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم ان کو کرتے یا جائز کہتے، کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ انہوں نے ایسا کیا ہو بلکہ ان سے ان چیزوں کی ممانعت ثابت ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شہادت کے دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر انور اور داڑھی مبارک پر خاک پڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ اس دن سر پر خاک ڈالنا سنت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خاک کا پڑ جانا اور بات ہے اور خود ڈالنا اور بات۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاک ڈالی نہ تھی بلکہ پڑ گئی تھی کیوں کہ آپ معرکہ کربلا کے وقت وہاں موجود تھے اور خون مبارک جمع فرما رہے تھے۔ اس وقت یقیناً خاک اڑ رہی تھی اور نیز مسافت بعیدہ طے کر کے تشریف لائے تھے جیسا کہ فرمایا تھا کہ ”میں ابھی حسین کی شہادت

گاہ سے آیا ہوں'' اس طرح بھی گرد وغبار کا پڑ جانا ایک یقینی امر ہے۔

سید عمار علی صاحب (جو حالاں کہ ایک غالی قسم کے شیعہ ہیں وہ) اپنی تفسیر عمدۃ البیان میں زیر آیت ولنبلونکم بشئ الآیہ فرماتے ہیں۔ اکثر آدمی محرم میں بدعتیں کر کے ثواب کو ضائع کرتے ہیں باجے بجاتے اور بجواتے ہیں اور مرثیوں میں جھوٹی حدیثیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کرتے ہیں غلو اور تنقیص کی روایتوں کو جلسوں میں بیان کر کے لوگوں کے ایمانوں کو فاسد کرتے ہیں اور جو راگ کہ شرع میں ممنوع ہیں انہی میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں اور نامحرم ان کی آواز کو سنتے ہیں ان امور میں مومنین کو اجتناب لازم ہے۔

شیعہ مذہب کی معتبر کتب سے ارشاداتِ ائمہ اہل بیت

کتاب وسنت میں جا بہ جا مومنوں کو صبر کی ترغیب دی گئی ہے اور جزع وفزع سے منع کیا گیا ہے ائمہ اہل بیت کی بھی یہی تعلیم ہے تو اگر ہم واقعی ان سے سچی عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور ان کے سچے پیرو ہیں تو ہمیں ان کی تعلیم پر عمل کرنا چاہیے چناں چہ ملاحظہ ہو:

(۱) جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جعفر (امام محمد باقر) علیہ السلام سے پوچھا:

ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجه والصدور و جز الشعر من النواصی و من اقام النواحة فقد ترك الصبر و اخذفی غیر طریقة و من صبروا سترجع و حمد الله عزوجل فقد رضی بما صنع الله و قع اجره علی الله و من لم یفعل ذلك جری علیه القضاء وهو ذمیم واحبط الله تعالیٰ اجره (فروع کافی، جلد ا، صفحہ ۱۲۱)

کہ جزع کیا ہے؟ فرمایا ویل اور بلند آواز سے چیخ مارنا یعنی واویلا اور شور کرنا اور منھ پر طمانچہ مارنا اور سینہ زنی کرنا اور ماتھے کے بال نوچنا اور جس نے رونے (کی مجلس) کو قائم کیا بلاشبہ اس نے صبر کو ترک کیا اور ہمارے طریقے کو چھوڑ کر غیر طریقہ اختیار کیا اور جو صبر کرے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہے اور اللہ عزوجل کی حمد کرے اور جو کچھ اللہ نے کیا

ہے اس پر راضی رہے اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ کرم پر واجب ہو گیا اور جو ایسا نہ کرے جب کہ اس پر کوئی قضا واقع ہو تو وہ برا آدمی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب برباد کر دیتا ہے۔

اس روایت میں جزع وفزع اور صبر دونوں کی تعریف کے ساتھ ساتھ دونوں پر عمل کے انجام کا بھی بیان ہے۔

(۲) حضرت ابوعبداللہ (امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

ان الصبر والبلاء یستبقان الی المؤمن فیاتیہ البلاء وھو صبور وان الجزع و البلاء یستبقان الی الکافر فیاتیہ البلاء وھو جزوع

(فروع کافی، جلد ۱، صفحہ ۱۲۱)

بے شک صبر اور تکلیف ومصیبت دونوں مومن کو پیش آتے ہیں (جب مومن کو تکلیف ومصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور بے شک جزع اور تکلیف ومصیبت دونوں کافر کو پیش آتے ہیں تو (جب) کافر کو مصیبت آتی ہے تو وہ جزع وفزع کرتا ہے۔

اس روایت میں حضرت امام نے مومن اور کافر کا طرز عمل اور شناخت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ مومن کی طرف صبر اور مصیبت دونوں سبقت کرتے ہیں یعنی مصیبت کے ساتھ صبر بھی آتا ہے اس لیے مومن مصیبت کے وقت صبر ہی کا مظاہرہ کرتا ہے جزع تو اس کی طرف آتا ہی نہیں جس کا مظاہرہ ہو اور کافر کی طرف مصیبت کے ساتھ صبر آتا ہی نہیں بلکہ جزع ہی آتا ہے اس لیے کافر سے بہ وقتِ مصیبت جزع کا ہی مظاہرہ ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ صبر مومن کا شیوہ ہے اور جزع وفزع کافر کا۔

(۳) حضرت امام رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ فرمایا:

الصبر من الایمان بمنزلة لراس من الجسد فاذا ذهب الراس ذهب الجسد کذلك اذا ذهب البصر ذهب الایمان (صافی شرح صول کافی، جلد ۴، صفحہ ۱۷۱)

صبر بہ منزلہ سر ایمان ہے جب سر ہی نہ رہے تو جسد بھی نہیں رہتا اسی طرح جب صبر جاتا رہتا ہے ایمان بھی نہیں رہتا یعنی صبر اور ایمان دونوں لازم وملزوم ہیں۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف پر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین کے وقت فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی وفات سے وہ امور منقطع ہو گئے ہیں جو کسی اور کی وفات سے نہ ہوتے اور وہ امور نبوت، وحی الہٰی، آسمانی خبریں وغیرہ ہیں اور آپ کا فیض عام تھا جس سے سب لوگ یکساں مستفیض ہوئے ہیں۔

ولو لا انك امرت بالصبر و نهيت عن الجزع لا نفدنا عليك ماء الشئون۔ (نہج البلاغۃ، ص ۲۵۴ ج ۳)

اور اگر آپ نے ہمیں صبر کرنے کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع وفزع سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم آپ کی وفات پر اتنا روتے کہ رطوبت بدن خشک ہو جاتی۔

اس ارشاد میں چند باتیں قابل غور ہیں اول یہ کہ آپ کی وفات سب سے بڑا حادثہ ہے کسی اور کی وفات آپ کی وفات کے برابر نہیں ہے۔ دوم یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صراحۃً یہ فرما رہے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع وفزع سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم بہت ہی زیادہ روتے۔ سوم یہ کہ حضرت علی نے ایسے الم ناک موقع پر بھی صبر کیا اور جزع وفزع نہیں کیا کیوں کو اس کی ممانعت تھی۔

(۵) جب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا واقعہ ہوا اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان کو بذریعہ تحریر اطلاع فرمائی۔

فلما قرء الكتاب قال يالها من مصيبة ما اعظمها مع ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قال من اصيب منكم بمصيبة فليذكر مصابه

تو جب انہوں نے خط پڑھا فرمایا کیسی بڑی مصیبت پیش آئی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جس کو کوئی مصیبت پیش آ جائے اس کو چاہیے

بی فانه لن یصاب بمصیبة اعظم منها و صدق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فروع کافی، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹)	کہ وہ میری وفات کی مصیبت یاد کر لے کیوں کہ وفات رسول سے بڑھ کر مسلمان کے لیے کوئی اور بڑی مصیبت نہ ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

دیکھیے حضرت علی کی شہادت سے جس قدر صدمہ حضرت حسین کو ہوا ہوگا وہ کسی اور کو ہرگز نہیں ہوسکتا تھا مگر آپ نے شہادت کی اندوہ ناک خبر پڑھ کر بالکل جزع فزع نہیں کیا بلکہ صبر سے کام لیا اور فرمایا کہ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہوسکتی۔ جب اس اعظم مصیبت پر صبر کا حکم ہے تو پھر کسی اور مصیبت پر بے صبری کب جائز ہوسکتی ہے۔

(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

من ضرب یدہ علی فخذہ عند مصیبة حبط عملہ (نہج البلاغة، جلد ۳، صفحہ ۱۸۵)	جو مصیبت کے وقت اپنا ہاتھ اپنی ران پر مارے اس کے اعمال برباد ہوجاتے ہیں۔

(۷) حضرت ابوعبداللہ (امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرب المسلم یدہ علی فخذہ عند المصیبة احباط لاجرہ (فروع کافی، جلد ۱، صفحہ ۱۲۱)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان مصیبت کے وقت اپنا ہاتھ اپنی ران پر مارتا ہے وہ اپنے اجر وثواب کو برباد کر دیتا ہے۔

(۸) انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

لا ینبغی الصیاح علی المیت ولا شق الثیاب (فروع کافی، ج ۱، ص ۱۲۲)	میت پر چیخنا چلانا اور کپڑے پھاڑنا لائق اور مناسب نہیں ہے۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ولکن الناس لا یعرفونہ والصبر خیر لکن لوگ اس کو نہیں سمجھتے اور صبر بہتر ہے۔

(۹) العلا بن کامل کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک مکان سے ایک چیخنے والی کے چیخنے کی آواز آئی۔ حضرت امام (ناراض ہوکر)

کھڑے ہو گئے پھر بیٹھ گئے اور انا للہ پڑھ کر وہی حدیث بیان فرمائی جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔

ثم قال انا لنحب انا نعافی فی انفسنا و اولادنا و اموالنا فاذا وقع القضاء فلیس لنا ان نحب مالم یحب اللہ لنا

(فروع کافی، صفحہ ۲)

پھر فرمایا بے شک ہمیں یہی محبوب و مطلوب ہے کہ ہماری جانوں میں اور ہماری اولاد میں اور ہمارے مالوں میں خیر و عافیت رہے لیکن جب کوئی قضا واقع ہو جائے تو پھر ہم وہی پسند کریں جو اللہ نے ہمارے لیے پسند کیا ہے۔

(۱۰) سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں اپنی ہم شیرہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے بہن جو میرا حق تم پر ہے اسی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبت مفارقت پر صبر کرنا۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز اپنا مونھ نہ پیٹنا اور اپنے بال نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا اسی طرح تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا۔ الخ۔

(انارۃ البصائر، جلد ۲، صفحہ ۲۹۷)

اب دیکھیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو کیا وصیت فرمائی:

ابن بابویہ بسند معتبر از امام محمد باقر روایت کردہ است کہ حضرت رسول در ہنگام وفات خود بحضرت فاطمہ گفت کہ اے فاطمہ چوں بمیرم روئے خود را برائے من فخراش و گیسوئے خود را بریشان مکن و واویلا مگو و بر من نوحہ مکن و نوحہ گراں را مطلب

ابن بابویہ سند معتبر امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹی حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ اے بیٹی جب میں انتقال کر جاؤں تو اپنا مونھ نہ پیٹنا، بال بکھیرنا واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نہ نوحہ

(حیات القلوب، جلد ۲، صفحہ ۸۵۲، فروع کافی،   گروں کو بلانا۔
جلد ۲، صفحہ ۲۱۴)

اس وصیت کے مطابق ہی سیدہ نے کیا اس کے خلاف نہ کیا حضرت امام بھی سیدہ زینب سے فرما رہے ہیں کہ اپنی والدہ ماجدہ کی طرح تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا (چناں چہ انہوں نے بھی وصیت کے مطابق کیا)

جلاء العیون اردو، جلد ۱، صفحہ ۱۸۷ میں ہے کہ فرمایا:

اے خواہر نیک اختر خدا سے خوف لازم ہے قضائے حق تعالیٰ پر راضی رہنا چاہیے واضح ہو کہ سب اہل زمین شربت ناگوار مرگ نوش کریں گے اور ساکنان آسمان بھی باقی نہ رہیں گے مگر ذات حق تعالیٰ باقی ہے اور سب چیزیں معرض زوال و فنا میں ہیں خدا سب کو مار ڈالے گا اور پھر زندہ کرلے گا فقط اسی کو بقا ہے۔ دیکھو ہمارے پدر و مادر و برادر شہید ہوئے اور سب سے بہتر تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اشرف المخلوقات تھے دنیا میں نہ رہے اور بہ جانب سرائے باقی رحلت فرمائی۔ اسی طرح بہت مواعظ اپنی خواہر سے بیان کر کے وصیت کی اور کہا اے خواہر گرامی تم کو میں قسم دیتا ہوں کہ جب میں شہید ہو کر بہ عالم بقا رحلت کروں گا گریبان چاک نہ کرنا اور مونھ نہ نوچنا واویلا نہ کہنا...... (جلد ۱، صفحہ ۲۰۱ میں ہے) اور بہ صبر و شکیبائی حکم فرما کر بہ وعدہ ثواب ہائے غیر متناہی الٰہی تسکین دے کر ارشاد فرمایا چادریں سر پر اوڑھ لو اور آمادۂ لشکر مصیبت و بلا رہو کہ خدا ہی تمہارا حامی و حافظ ہے شر اعدا سے تم کو وہی نجات دے گا اور تمہاری عاقبت بخیر کرے گا اور تمہارے دشمنوں کو بہ انواع عذاب و بلا مبتلا کرے گا اور تمہیں ان بلاؤں مصیبتوں کے عوض دنیا و عقبیٰ میں بہ انواع نعمت و کرامت ہائے بے اندازہ سرفراز فرمائے گا ہرگز ہرگز صبر و شکیبائی سے دست بردار نہ ہونا اور کلام ناخوش زبان پر نہ لانا کہ موجب نقص ثواب ہوگا۔

(۱۱) جامع عباسی اردو مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی کے صفحہ ۲۶۷ میں ہے۔

مکروہ ہے سیاہ لباس پہننا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ مومنوں سے کہہ دے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں یعنی

کالے کپڑے۔

(۱۲) سئل الصادق علیہ السلام عن الصلوۃ فی القلنسوۃ اسود فقال لا تصل فیھا لانھا لباس اھل النار وقال امیر المومنین لا صحابہ لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون الخ

(من لایحضرہ الفقیہ، صفحہ، صفحہ ۵۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ سیاہ ٹوپی پہن کر نماز درست ہے؟ فرمایا سیاہ ٹوپی پہن کر نماز نہ پڑھیے کیوں کہ سیاہ لباس دوزخیوں کا ہے اور امیر المومنین حضرت علی نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کالے کپڑے نہ پہنو کیوں کہ یہ فرعون کا لباس ہے۔

یہ ائمہ اہل بیت کے اثنا عشر یعنی بارہ ارشادات ان کے مبارک عدد کے مطابق اثنا عشریوں کی خدمت میں خود ان کی نہایت معتبر کتب سے ہدیہ ہیں ان بارہ ارشادات میں واضح طور پر بارہ ہی ہدایات ہیں۔

(۱) مصیبت کے وقت صبر وشکیبائی ہرگز نہ چھوڑو کہ یہ مصیبت پر صبر ہی مومن کا شیوہ اور نشانی ہے۔

(۲) مصیبت کے وقت جزع وفزع چیخنا چلانا واویلا وشور کرنا یہ کافروں کا شیوہ اور نشانی ہے۔

(۳) مصیبت کے وقت مونھ نہ پیٹو۔

(۴) سینہ زنی (ماتم) نہ کرو۔

(۵) بال نہ بکھیرو۔

(۶) بال نہ نوچو۔

(۷) ننگے سر نہ ہو۔

(۸) رانوں پر ہاتھ نہ مارو۔

(۹) کپڑے نہ پھاڑو گریبان چاک نہ کرو۔

(۱۰) زبان پر کلام ناخوش یعنی رضائے الٰہی کے خلاف بول نہ لاؤ۔

(۱۱) رونے کی مجلسیں قائم نہ کرو کہ یہ سب صبر ورضا کے خلاف ہیں اور اسلام میں صبر ورضا کا حکم ہے۔

(۱۲) کالے کپڑے نہ پہنو کہ یہ دوزخیوں اور فرعون کا لباس ہے۔

اب دیکھیے کون ضد، ہٹ دھرمی اور جہالت کو چھوڑ کر ائمہ کرام کی سچی عقیدت ومحبت اور پیروی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان ہدایات پر عمل کرتا ہے اور کون تاویلات فاسدہ کر کے اپنا ایمان اور اعمال تباہ کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے نہایت ناانصافی کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ صحیح روایات کے ساتھ ذکر شہادت کرنا بھی تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے، نیز حدیث میں مرثیوں کے پڑھنے کی ممانعت ہے۔

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو ذکر شہادت حسنین کریمین کرنا ہرگز ہرگز روافض کا شعار نہیں بلکہ اہل سنت وجماعت بھی ذکر شہادت کرتے ہیں البتہ خوراج ذکر شہادت نہیں کرتے بلکہ ذکر شہادت سے جلتے ہیں اور اسے سخت ناپسند کرتے ہیں تو ذکر شہادت سے روکنے والے خوارج سے مشابہت کرنے والے ٹھہرے۔ دوم! روافض تو صحیح روایات کے ساتھ ذکر شہادت کرتے ہی نہیں وہ تو اکثر جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں اور اہل بیت اطہار کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کی شان رفیع کے ہرگز لائق نہیں ہوتیں مثلاً انہوں نے مونھ سر پیٹ لیا، گریبان چاک کر دیا وغیرہ اور وہ مرثیے بھی ایسے پڑھتے ہیں جن میں احوال واقعی نہیں ہوتے بلکہ جھوٹ اور بہتان زیادہ ہوتا ہے نیز وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین وتنقیص کرتے ہیں علاوہ ازیں ان کی مجالس میں نوحہ، ماتم اور بہ تکلف رلانا وغیرہ ہوتا ہے اور اہل سنت وجماعت کی مجالس میں شان صحابہ کرام بھی بیان ہوتی ہے اور روافض کے الزامات اور بہتانات کا جواب بھی ہوتا ہے اور ذکر شہادت صحیح روایات کے ساتھ ہوتا ہے اور ماتم وغیرہ بالکل نہیں ہوتا تو مشابہت کیسے ہوئی اور حدیث میں جن مرثیوں کی ممانعت ہے وہ وہی مرثیے ہیں جن میں واہی تباہی غلط باتیں ہوں اور جن میں احوال واقعی ہوں تو اس قسم کے مرثیے اور اس قسم کے ذکر ومواعظ کی ہرگز ممانعت

نہیں ہے یہ بالکل جائز ہے۔حدیث شریف میں ہے عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ (حلیۃ الاولیاء: جلد۷، صفحہ ۲۸۵) کہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے: وذکر الصالحین کفارۃ الذنوب (کنزالعمال: ۴۳۵۸۴) اور صالحین کا ذکر کرنا گناہوں کا کفارہ ہے۔اور سیدنا امام حسین اور حسین رضی اللہ عنہما تو صالحین کے امام ہیں ان کے ذکر مبارک کے وقت تو بلاشبہ کثیر رحمتیں نازل ہوتی ہیں نیز ان کی محبت ہر مومن پر واجب ہے تو ایسے محبوبوں کے مصائب پر بوجہ درد محبت دل بھر آئے اور بلا قصد و اختیار رقت طاری ہو جائے اور آنکھوں سے اشک جاری ہو جائیں تو یہ رونا بھی عین رحمت اور علامت محبت و ایمان ہے۔البتہ جزع فزع اور سینہ زنی وغیرہ بلاشبہ حرام و ناجائز ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔(☆)

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے عزیز! جان تو کہ لوگ روتے اور اندوہ گین جو ہوتے ہیں ان کے سبب سے صبر کی فضیلت نہیں جاتی بلکہ چیخیں مارنے کپڑے پھاڑنے بہت شکایت کرنے سے البتہ صبر کا ثواب جاتا رہتا ہے۔(اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت، صفحہ ۴۵۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے بعض صحابہ نے اس رونے کو بے صبری خیال کر کے عرض کیا حضور آپ بھی روتے ہیں؟ فرمایا یہ بے صبری نہیں (درد محبت سے بے اختیار اشک بہنا) یہ تو رحمت ہے پھر فرمایا:

☆۔اشرف السوانح جلد اول کے ص ۸۲ (مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان) میں ہے: ''کان پور کے قیام کے زمانہ میں جب حضرت والا (اشرفعلی تھانوی) نے جب یہ دیکھا کہ اہل سنت والجماعت بھی اہل تشیع کی مجالس عزا میں جا جا کر شہادت کے واقعات سننے کے عادی ہو رہے ہیں تو حضرت والا نے محرم کے عشرۂ اول میں روزانہ بالترتیب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے واقعات وفات بیان فرمانا شروع کر دیے تاکہ اس ہیئت میں اہل عزا کے ساتھ تشبہ نہ رہے پھر تو ایسی دلچسپی بڑھی کہ شیعوں کی مجلسیں بھی پھیکی پڑ گئیں اور لوگ بجائے وہاں جانے کے یہاں آنے لگے اور نہ صرف سنی بلکہ شیعہ بھی کثرت سے آتے اور بہت متاثر ہوتے یہاں تک کہ اول تینوں خلفاء کے واقعات وفات سن کر بھی خوب روئے''۔(کوکب غفرلہ)

ان العين تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون (مشکوٰۃ:۱۷۲۲)	بے شک آنکھیں بہہ رہی ہیں اور دل غم گین ہے مگر ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے غم گین ہیں۔

ذکرِ شہادت کے مختصر فوائد

ذکرِ شہادت میں صحابہ و اہل بیت خصوصاً امامین کریمین کے فضائل کا تذکرہ حرمت دین و مذہب کو قائم رکھنے کے لیے میدان میں نکلنا اور اعلائے کلمۃ الحق کرنا۔ دین کی عزت و حرمت اور استحکام کے لیے لرزا دینے والے مصائب برداشت کر کے دین کی عزت کی اہمیت ظاہر کرنا اور مصائب پر صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑنا۔ احباب اعزا و اقربا اولاد اور خود اپنی جان تک قربان کر دینا مگر باطل کے سامنے نہ جھکنا۔ عزیزوں کی نعشیں خاک و خون میں پڑی دیکھ کر بھی زبان پر حرف شکایت نہ لانا بلکہ ہر حالت میں حمد الٰہی کرنا۔ پس ماندگان کو انتہائی بے کسی کی حالت میں دیکھ کر بھی راہ حق میں ہمت نہ ہارنا۔ راضی بہ رضائے الٰہی رہنا، امتحان اور مقام صدق و صفا میں ثابت قدم رہنا۔ ان باتوں کے بیان سے سامعین کے قلوب میں جہاں امام پاک کی محبت و عظمت اور آپ کے مقام کی رفعت پیدا ہوتی ہے وہاں رضائے الٰہی کے حصول، دین کی عزت و حرمت کی اہمیت اور اس کے لیے جانی و مالی قربانی دینے اور راہ حق میں ثابت قدم رہنے کا ولولہ انگیز جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

دوسری طرف کوفیوں کی بے وفائی، صرف زبانی کلامی محبت کے دعوے بے کار محض اعزاز دنیوی کی خاطر عاقبت کی بربادی، خاندان نبوت کے ساتھ گستاخی و بے ادبی پر عذاب الٰہی کا شکار ہونا، دنیا ہی میں اس کا انجام بد دیکھنا۔ خاصان خدا کے وصال پر زمین و آسمان کا رونا اور ان میں تغیرات کا رونما ہونا، مظلومانہ قتل کے بدلے ہزار ہا لوگوں کا قتل ہونا وغیرہ سن کر سامعین سبق و عبرت حاصل کرتے ہیں اور اہل اللہ کی اہانت اور ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے اور دنیا کی خاطر دین کی بربادی وغیرہ کرنے سے بچتے ہیں۔ غرض

کہ بہت سے فوائد ہیں، یہاں مختصراً ذکر کیے گئے ہیں۔

ان مجالس کے ذریعے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوتی ہے بشرطیکہ ذکر شہادت کرنے والے علماء دیانت وصداقت کے ساتھ کتاب وسنت کی روشنی میں حق بیان کریں۔خواہ مخواہ غلط استدلال اور نامناسب باتوں سے فتنہ وفساد اور افتراق کی راہیں ہموار نہ کریں۔انہی مجالس میں لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ فرزند رسول سے عقیدت ومحبت کے تقاضے محض چند رسموں کے بجا لانے سے پورے نہیں ہوتے بلکہ امام عالی مقام کے ذکر شہادت کو سن کر ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ امام پاک نے جس طرح میدان کربلا میں حق پر استقامت،صبر ورضا اور تسلیم ووفا کا بہ تمام وکمال عملی مظاہرہ فرما کر رضائے الٰہی کا بلند ترین درجہ ومرتبہ حاصل کیا۔ان شاء اللہ ہم شریعت سنت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سچے پکے پابند ہو کر نیکی و بھلائی پر استقامت اختیار کریں گے اور حق وصداقت کے تحفظ، دین وایمان کی سلامتی اور تقویٰ کی بقاء کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور اپنے قول وفعل کو امام پاک کی سیرت وتعلیمات کے مطابق بنا کر ان کے نصب العین کو باقی اور زندہ رکھیں گے

اسی مقصد کو زندہ یادگار کربلا سمجھو　　حسین ابنِ علی کی زندگی کا مدعا سمجھو

رمزِ قرآں از حسین آموختیم　　زآتشِ او شعلہ ہم اندوختیم (☆)

الحمدللہ کہ اس عاجز سگ کوچہ اہل بیت اطہار نے حقائق کے ساتھ صحیح واقعات کربلا اور چند ضروری متعلقہ مسائل تحریر کیے ہیں تا کہ برادران اسلام غلط روایتوں اور من گھڑت کہانیوں کی بجائے اصل واقعات سے آگاہ ہو جائیں اور ان سے سبق وعبرت حاصل کریں۔

التجاء مصنف: آخر میں جگر گوشہ رسول اللہ،نور نگاہ سیدہ فاطمہ زہرا،لخت دل سیدنا علی مرتضیٰ، راحت جان سیدنا حسن مجتبیٰ،روح اسلام،جان ایمان،خلاصہ شہادت،شیر بیشہ شجاعت،پیکر

☆۔قرآن کے رموز واشارات ہم نے امام حسین سے سیکھے ہیں،ان کی حرارت ایمانی سے ہم نے بھی شعلے جمع کیے ہیں یعنی انہی سے حرارتِ ایمانی پائی ہے۔

صبر رضا، جان صدق ووفا، شہ زادۂ کونین، سید الشہداء حضرت سیدنا ومولانا امام حسین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علی جدہ وعلیہم اجمعین کی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ اے سردار نواجوانان جنت محض لوجہ اللہ تعالیٰ، صدقہ اپنے پیارے نانا جان فخر آدم و بنی آدم رحمت عالم نور مجسم شفیع معظم حضور اکرم حضرت سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجھ نالائق، گناہ گار پر نگاہ لطف وکرم رکھنا، قیامت کے دن اپنے رؤف ورحیم اور کریم نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میری اور میرے اہل خانہ کی شفاعت فرمانا اور ہر ذلت ورسوائی سے بچانا۔ رب کریم آپ پر کروڑوں رحمتیں فرمائے۔

(۱) نورِ نگاہِ سرورِ عالَم میرا سلام — اسلام کے شہیدِ معظم میرا سلام
(۲) دینِ خدا کی حجتِ محکم میرا سلام — اے کربلا کے فاتحِ اعظم میرا سلام
(۳) لاکھوں سلام راکبِ دوشِ رسول پر — میری طرف سے خوب ہوں پورِ بتول پر

محتاجِ نظر کرم:
محمد شفیع اوکاڑوی غفرلہ

☆☆☆

منقبت از حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ القوی

اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء — یعنی حسین ابنِ علی جانِ اولیاء
ذوقے دگر بجام شہادت ازو رسید — شوقے دگر بمستی عرفانِ اولیاء
آئینہ جمالِ الٰہیست صورتش — زان روشدہ است قبلہ ایمانِ اولیاء
تا کرد صرف حق سروسامان ہستیش — گوے سبق ربودہ ز میدانِ اولیاء
روے نکوش مطلع صبحِ سعادتست — سیماے اوست شمع شبستانِ اولیاء

دارد نیاز حشر خود امید باحسین
باولیاء ست حشر محبانِ اولیاء (☆)

☆☆☆

☆۔ترجمہ:۔اے دل، سلطان اولیاء کا دامن مضبوطی سے تھام یعنی امام حسین ابن علی کا جو تمام اولیاء کی جان ہیں۔ ان کے جام شہادت سے کچھ عجیب ہی ذوق پہنچا ہے جس سے عرفانِ اولیاء کی مستی کا شوق اور بڑھ گیا ہے۔آپ کی صورت آئینۂ جمالِ الٰہی ہے اسی وجہ سے آپ قبلۂ ایمانِ اولیاء ہیں۔آپ نے اپنی ہستی کا تمام سروسامان اللہ تعالیٰ اور حق کے لیے صرف (قربان) کر دیا، یوں میدانِ اولیاء سے پہل کی اور بازی لے گئے۔آپ کا مبارک چہرہ سعادت کی صبح کا ظاہر ہونا ہے اور آپ کی جبین مبارک شمع شبستانِ اولیاء (اولیاء کی راتوں کی چراغاں) ہے۔نیاز بریلوی خود بھی حشر میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی معیت کی امید رکھتا ہے، محبانِ اولیاء کا حشر بھی اولیاء ہی کے ساتھ ہوگا۔